

۵۵

۱۴۵

۱۴۵

# انقلاب الحقیقت

مؤلفہ

صاحبزادہ محمد عمر صاحب کان اللہ لہ

سجادہ نشین پیرل شریف

پا رب چه عهد بود که عهد وصال بود در گلشن امید نسیم وصال بود  
آسوده بود دل ز فراق جدیجان هر دم زد دست تازه نوید جمال بود  
گیتی چنان ربود ز ما عهد آں وصال  
گفتی مگر در آینه جمال خیال بود

دستور تصوف

المعروف به

# اقلاب الحقیقت

فی التصوف و لطائف

للمعروف

مِصْبَاحُ السَّالِكِينَ

فی ذکر محسوب الواصلین

مؤلفه

صاحبزاده محمد صاحب کان اللہ له

سجادہ نشین بیرل شریف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض حال

52980

حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

زمانہ حاضرہ کی تالیفات کے لیے مقدمہ جزو لاینفک خیال کیا جاتا ہے اکثر صاحب فن سے مقدمہ کو زیب لایا جاتا ہے لیکن میری کتاب انقلاب الحقیقت نہ تو سوانحات کے زمرہ میں داخل ہونے کے لائق ہے نہ تذکروں میں! اور نہ ہی تصوف کی کوئی مستقل کتاب ہے بلکہ ایک معجون مرکب ہے۔

میں نے کئی بار اپنے دوستوں اور ہم خیالوں میں مقدمہ کے لکھوانے کے لئے نظر دوڑائی لیکن جو لوگ حقیقت تصوف کی مسند پر جلوہ فرما ہیں ان میں تجلی و تدلی ایک آن بھر بھی فرصت نہیں دیتی۔ اور جو شاہسوار قلم ہیں وہ اس میدان کے شاہسوار نہیں مجبوراً آج تک التوار رہا۔

آج کتاب مطبع میں جا رہی ہے مجبوراً ایک دوست کے اصرار سے کچھ لکھنا پڑا۔ ورنہ میں نہ صاحب فن ہوں نہ صاحب قلم! اس لئے میرے دیباچہ کو وہ اہمیت نہیں جو فی زمانہ ہوا کرتی ہے۔

حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات طیبہ لکھنے کا نہ میں اہل ہوں اور نہ میں حالات سے باخبر۔ کیونکہ مجھے صرف پانچ سال حضور کی غلامی کا فخر حاصل رہا اور وہ بھی ایسا کہ سال میں دو چار بار آیا اور گیا۔ میں اس حالت میں کس ہمت پر قلم بکڑ سکتا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت مکرمی صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری نوری سلمہ رب نے زبانی اور تحریری حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و ارشادات اپنے تذکرہ کے لئے طلب فرمائیے۔ بندہ کچھ دن تو متروک رہا۔ آخر چار و ناچار ایک دن قلم لے کر مختصر یادداشت (نوٹ) لکھنے کا ارادہ کیا لیکن جو عجب قلم کی نوک مڑتی میرے دل و دماغ کے پردے کھلتے جاتے تھے صفحوں کے صفحے لکھے گئے لیکن تہ بند ختم نہ ہوئی۔

اب میں حیران تھا کہ کیا کروں نہ اختصار سے کام چلتا ہے نہ تفصیل سے اختصار کرتا ہوں تو سمندر کوزہ میں نہیں سما سکتا۔ تفصیل سے لکھتا ہوں تو ایک الگ ضخیم کتاب تیار ہو جاتی ہے لیکن میں اس شش و پنج میں لکھتا گیا۔ تاہم حصہ اول (ترتیب) سے پار نکل گیا۔

اس کے بعد میرا ارادہ ہو گیا کہ یہ اوراق الگ صورت میں ہی شائع کر دیئے جائیں اور کسی دوسری کتاب کا ضمیمہ نہ بنائے جائیں حضرت صوفی صاحب مکہ رب نے بھی مشورہ دیا۔ عجیب یہ ہے کہ اڑھائی تین سو صفحوں سے زائد رقم سے نکل گئے لیکن ابھی تیسرے حصے (فضائل و کمالات اخلاق و عادات) کی نوبت نہ آئی۔ سعدی رحمۃ اللہ نے کیا خوب کہا ہے

نہ جنس غائتے دار و نہ سعدی را سخن پایاں

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا سمجھتاں باقی

واقعی نہ مجھے سیری ہوئی اور نہ ہی حضرت کے حالات۔ اوصاف و کمالات ختم ہوئے گو کتاب مکمل ہو کر نکل جائیگی اور احباب بہ خیال کریں گے کہ بہت کچھ لکھا گیا۔ لیکن میری تشنہ کامی کی موجودگی اور حضرت مرحوم و مغفور کے اوصاف و کمالات کا دریا پہلے سے بھی زیادہ متلاطم نظر آئے گا۔

حیاتِ طیبہ سے انقلابِ الحقیقت کو کوئی واسطہ نہیں بلکہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صرف آپ بیتی ہے لیکن تاہم اس کے اندر حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفين و اصل باللہ فانی فی اللہ عالمِ حقانی عارف ربانی قبلہ مرشد مہر

ہزار بار بشوئم دہن ز مشک کلاب

ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

رحمۃ اللہ علیہ کے وہ تمام ارشادات آجائیں گے جو اپنی آنکھوں دیکھے یا کانوں سے سنے مگر بالذات وہ مقصود نہیں بلکہ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ سالک کو کونسے مراحل سلوک کے اندر پیش آتے ہیں اور کیوں کر وہ اپنے پیرو مرشد کی برکت سے انہیں طے کرتا ہے اور کہ مرید و پیر کے تعلقات کیسے اور کتنے گہرے اور محبت و اخلاص سے پر ہوتے ہیں۔

بعض مقامات پر فلم نے بلند پروازی بھی کی ہے لیکن بے اختیار جب ہوش آیا پھر پستی پر لے آیا لیکن حق تو یہ

ہے کہ یہی بلند پروازی اور شوخی میری کتاب کی جان ہے گو مجھے خوف ہے کہ مقلد دوست میری اس روش پر پھینچیں اور اٹھیں گے لیکن معارفِ حقہ کو دیکھتے ہوئے کو رازہ تقلید اختیار کرنا بھی تو پوری کج رفتاری ہے۔ کتاب سرسری نگاہ ڈالنے کے لئے نہیں لکھی گئی بلکہ ایک باریک بے عیب اور پاک حقیقت کے عیاں کرنے کے لئے لکھی گئی ہے جسے ملاحظہ کے لئے چشمِ دل سے کام لینا چاہئے صرف ظاہری آنکھ کام نہ دیگی۔

ع این سخن از گوشِ دل باند شنید

حضرت مرحوم و مغفور قبلہ مرشدِ مہتممِ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرات اور سوانحات کے پڑھنے کے لئے میری کتاب عینک اور خوردبین کا کام دے گی جس سے حضرت کے باریک سے باریک ذاتی اوصاف اور وہی کمالات روشن اور درخشاں نظر آئیں گے اور ایک فلسفی اپنی پوری نظر اور اپنی پوری فکر لٹا کر حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات اور آپ کے اوصاف و کمالات کی حقیقت کا فلسفہ دیکھنے کے بعد آخری فیصلہ کرنے میں متروک نہ رہے گا اور نہ ہی حقیقت ولایت کے بے نقاب دیکھنے کے لئے بیاب ہوگا گو عوام اس سے کم فائدہ اٹھائیں گے لیکن دل سوز تحریر انہیں بھی متاثر کئے بغیر نہ چھوڑے گی۔ میری تحریر مبالغہ اور تصنع سے پاک ہے گو عبارت میں سلاست نہ ہو لیکن واقعات و کیفیات میں سہرِ موفوق نہیں آنے دیا۔

تصنیف و تالیف میں سب سے مشکل کام ترتیب ہے جس تصنیف و تالیف کی ترتیب عمدہ ہوگی وہی مقبول و مرغوب طبائع ہوگی خصوصاً ایسی تصنیف و تالیف جس میں واقعات، حالات اور اوصاف قلبند کئے جائیں اور استنباطی طریقہ سے مسائل حاصل کرنے مطلوب ہوں تو ایسی تالیفات کا مدار صرف ظاہری ترتیب پر ہونا ہے اور بس لیکن یہ کام بظاہر ختبا آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے اتنا ہی مشکل۔ کیونکہ اس ملک لطیف کا تعلق ذوقِ سلیم اور فطرتِ لطیفہ سے ہے نہ کہ تصنع اور بناوٹ سے۔

”میں نہ تو کوئی مشتاقِ مصنف ہوں اور نہ ہی آج تک مجھے اس قسم کی تصنیف کا موقع ملا ہے اس وقت صرف اپنے مرنے اور محسن کی یاد نے مجھے بے اختیار کر دیا اور میں اس بجز تا پیدا کنار میں کاغذی ناؤ کے سہارے بس اللہ مجریہا و مرسہا ان ربی لغفور الرحیم پڑھتا ہوا کود پڑا اور قلم کے چپو سے واقعات کے تلاطم اور فکار کے امواج سے بصدِ شکل چپان پر پہنچا۔ الحمد للہ علی ذلک لیکن میں اتنا کہتا

ہوں کہ اس چودھویں صدی میں کہ تصنیف و تالیف کے سیلاب نے دُنیا سے علم کو محو حیرت کر دیا اور صرف سرزمین پنجاب کے بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں روزانہ تصانیف کے انبار اٹھنے اور چلنے لگے۔ کسی کو یہ دولت نصیب نہ ہوئی جو آج مجھے عنایت فرمائی گئی وَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

جب سے ادبیات نے ترقی اور عروج حاصل کیا۔ تو روحانیات سے بے التفاتی ہو گئی جہاں کہیں چار اہل باطن علم تفکر میں نظر آتے بھی ہیں تو وہ بھی گوشہ تنہائی میں۔ اور اتنی دلیری نہیں کہ کسی کو اپنے حال یا قال سے کچھ کہہ یا سن سکیں گو خاموشی اور سکنتِ علم روحانیت کے لئے نوش کا حکم رکھتا ہے لیکن خاموشی اور وہ سکنت جو مغلوبانہ ہو کیونکہ محمود کہلا سکتا ہے اگر کسی صاحبِ ہمت نے جرأت بھی کی تو بس اتنی کہ سلف صالحین رح کی تصانیف یا تالیفی دستار بندی سے دورے نکال کر اپنی تصانیف تالیف کے ساتھ دینتہ کے تازہ بھرپور دیا۔ کئی ایک رسالے تصوف کے شائع ہو رہے ہیں لیکن غور سے دیکھو تو سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم جمعین کی تصانیف کے تراجم کے سوا ایک حرف بھی نیا نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں اگر موجودہ وقت میں کوئی اس فن شریف کے متعلق تصنیف نظر آتی ہے تو بزرگوں کے حالات و سوانحات اور تذکرے ہیں لیکن وہ بھی ایسے روکھے پھیکے کہ نہ قال کی چاشنی نہ حال کا ذوق۔

ایسے وقت اور ایسے حال میں ایک ایسی تصنیف پیش کرنا جو قال اور حال کو یکساں متوازی صورت میں دکھائے اور اپنی مجتہدانہ تحریر سے تقلیدی راستہ چھوڑ کر ایک نرالا اور نیا ڈھنگ پیش کر کے دعوتِ حق کا پرچم ہلائے تو کیا ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء کا نمونہ نہ ہوگا؟

بیشک میری ناچیز تصنیف کے انڈر سینکڑوں لغزشیں ہوں گی بلکہ حرف حرف اپنے سقم کا خود شاہد عادل ہوگا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ میں نے کس ہمت سے اپنا قدم بڑھایا اور کس دلیری سے دنیائے ادبیات کو اپنا حال کہہ سنا یا اور اپنے حال کو دعوتِ شرکت فی العمل کا مخاطب ٹھہرایا اور تصوف کی صحیح شاہرہ کا خاکہ دکھایا میں خود حیران ہوں کہ اس ناتواں اور کمزور دل سے اتنا بڑا کام کیونکر سرانجام ہوا لیکن حق تو یہ ہے کہ فیض روح القدس از بازمد و فریاد دیگران ہم بکبت نہ آنچہ مسیحا میکرد

جب میں تہیدی اوراق کے بعد شرفِ یابی حضورِ اقدس جج کے واقعات لکھنے پایا تو کوئی ترتیب سوچنے

نہ بنی کیونکہ ایک اپنا قصہ کہنا تھا ایک حضرت قبلہ علم رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات اوصاف دکھانے تھے یہ بھی مقصود تھا کہ تصوف کی کیفیات بھی ہاتھ سے گم نہ ہوں تا اینکه حقیقت جامعہ لیس کثرتی کی حقیقت کبریٰ عیانی طور پر منکشف ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ کیونکر اس کا ظہور و فی النفس کہ افلا بتصرون کے اندر مضمحل ہے اور کس طرح ہو سکتا ہے شہید کی جلوہ نمائی ہوتی ہے اور کیونکر ہو سکتا ہے غیظ کا مصداق صحیح نظر آتا ہے تو ایسی صورت میں ترتیب کتاب کوئی آسان امر نہ تھا لیکن حضرت قبلہ مرشد م کی روحانی یاوری اور ہم غیبی کی مدد کامل نے پوری بخشش اور ایک ہی لکھنؤ ترتیب مانع میں بیٹھی کہ میرے تمام مقاصد کو یکساں لپیٹی ہوئی اپنی آخری سرحد پر جا پہنچی۔

خالق و مخلوق کا اولین تعلق عالم وجود میں آنے کے بعد وہ شان ربوبیت کا تعلق ہے جس کو اللہ جل شانہ کی ذات بابرکات نے سب سے پہلے اپنے وصف کے اندر بیان فرمایا اور انسان کو جنم دیا: کہ الحمد للہ رب العالمین کہہ کر اپنے اولین تعلق کی شکر گزاری سب سے پہلے واجب ہے۔

بعینہ اسی طرح پیر و مرشد کا اولین تعلق ہی ربوبیت ہے مرشد حق درحقیقت نائب حق ہوتا ہے اور روحانی تربیت کا ذریعہ ہوتا ہے جیسا کہ والدین مادی تربیت کا آلہ کار ہیں پہلی مہرانی اور عنایت جو مرشد سے مرید کو پہنچتی ہے تربیت ہے اور آخری شفقت و رحمت جو مرید کو پیر سے حاصل ہوتی ہے وہ تربیت ہے غرضیکہ مرید کا پہلا سبق بھی تربیت اور آخری سبق بھی تربیت ہے فرق اتنا ہے کہ ایک مؤثر ہے دوسرا متاثر۔ اسی پہلے شاندار تعلق سے حصہ اول کو تربیت کے نام سے موسوم کیا گیا اور تربیت کے تمام اقسام علمی عملی، جلالی جمالی، اور روحانی کے تمام حالات اور واقعات کو اس میں دکھایا گیا اور دوسرے حصہ کتاب میں اسی تربیت کے نتائج دکھائے گئے کیونکہ تربیت کا معیار نتائج پر ہوتا ہے۔

مرشد کامل وہ ہے جس کی تربیت کے ثمرات نتائج عمدہ ہوں اور مرید وہ اچھا جو تربیت کے قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہو اگر حسن قسمت سے ایسا جوڑا میسر ہو جائے تو ثمرات نتائج دنیا اپنی آنکھوں دیکھ لیتی ہے اور کامل کی تربیت کا اقرار کر لیتی ہے خود مرید اپنی حالت نفسی کے اندر ایک ایسا انقلاب پاتا ہے کہ اپنی پہلی ہستی گم کر کے ایک دوسری ہستی کا تحقق اپنے وجود میں پاتا ہے۔ اسی انقلاب عظیم کی رعایت سے میں نے اپنی کتاب کا نام انقلاب الحقیقت رکھا ہے کیونکہ تربیت کامل ہی جذبات کامل پیدا کر کے انسانی ہستی

کو سفلیں سے نکال کر ملاء اعلیٰ تک پہنچا دیتی ہے اور انسان اپنے اندر وہ کچھ دیکھ پاتا ہے جو اس کے دہم و گمان سے بھی باہر تھا اور وہ تمام کچھ بھول بیٹھتا ہے جس کے نشہ میں خالق و رازق، مالک حقیقی اور رب الارباب سے بے پرواہ ہو کر آوارہ گرا ہی تھا۔

جذبات کے تابع تمام جسم اور اس کے حس و حرکات ہیں جب جذبات بالکل بدل جاتے ہیں تو افعال اوصاف اور احوال بھی ایک دوسرا رنگ (اتقا) اختیار کر لیتے ہیں۔ اور عوارضات روحانی رفع ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس انقلاب عظیم کو انقلاب الحقیقتہ کے نام سے تعبیر کرنا بیجا نہ ہوگا اور یہی میری تمام کتاب کا خلاصہ ہے لیکن ترتیب اور نتائج دیکھنے کے بعد فوراً صرچی پر نظر جا پڑتی ہے کہ ایسی تربیت اور ایسے نتائج کا مرتب اور پھلتے پھولتے باغ کا مالی کون ہے اس لئے تیسرے حصہ میں مرتب یعنی حضرت قبلہ عالم مرشد علیہ الرحمۃ کے عادات اخلاق اوصاف و کمالات کا تفصیلاً ذکر ہوگا اور آپ کے معمولات اور تعلیمات کی خلاصہ درج کیا جائیگا۔ گو ترتیب مروجہ طریقہ سے الٹی ہے لیکن لازم سے ملزوم کی طرف جانا ایک لطیف و منطقیانہ ترتیب ہے نہ کہ ملزوم سے لازم کی طرف بڑھنا۔ کیونکہ اس صورت میں لازم و ملزوم میں کوئی اہمیت خاص نہیں رہتی، بلکہ ایک عام وصفانہ حیثیت صرف باقی رہ جاتی ہے۔

اگرچہ کتاب کا نام من حیث اظہار انقلاب الحقیقتہ رکھا گیا ہے لیکن اپنی باطنی اغراض کے لحاظ سے مصلح السامعین فی ذکر محبوب الواصلین مناسب اور موزوں تر تھا۔ گو یہ اپنی رام کہانی ہے لیکن اس کے اندر کچھ اور ہی مطلوب مقصود ہے مخلوق کی توصیف دراصل خالق کی توصیف ہے اور صنعت کی تعریف حقیقت صانع کی تعریف کہلاتی ہے۔ غلام و شاگرد کا ذکر خیر حقیقتاً آقا و استاد کا نیک مذکور خیال کیا جاتا ہے اور مرید کا انقلاب فی الواقعہ پیر کی آبیاری تصور کی جاتی ہے۔ میری کیا حیثیت کہ اس کتاب کا شہ نشین (میر و محلی عنہ) کہلاؤں سے بہرہ رکھے کہ خواہی جا مہمی پوش من انداز قدرت رے شناسم کے مطابق اجاب اور ناظرین سے کچھ بھولانہ رہے گا تاہم گستاخی سے بچنے کے لئے اتنا لکھ دیا گیا۔ ورنہ کون ہوگا جو میرے اس خاک کی لباس کے اندر اس محبوب الہی کے چمکتے دکھتے انوار نہ دیکھے گا اور میرے سیاہ اور میلے کچیلے حویلی کے تار و پود سے اس کی محبوبانہ اسیلی صورت کے ناز و ادانہ دیکھ پائے گا۔ میرا وجود اگرچہ بے نقابانہ جلوہ منائی



کاماف ہے لیکن پرستارین محبت بھی تو بے نقابانہ جلوے کی تا نہیں لاسکتے اور نہ ہی بے نقابی معشوق و لنواز کی دلفریبی کا باعث ہوا کرتی ہے علاوہ بریں پرستارین حرم کبریا کی کو بے نقاب کرنا اور بے نقاب دیکھنا بھی تو ایک جسم عظیم ہے۔ سب سے بڑھ کر اس وقت مجھے اس مرا کرا سچ ہے کہ بنیادوں کے علاوہ وہ لوگ بھی جو کہ نیاے دوں سے تعلق توڑ کر وحدت کی گوشہ نشینی میں نہ سجید تفریق ہیں وہ اتنی سروردی گوارا نہیں کرتے کہ کسی اپنے عزیز کے کئے کرتے پر ایک نظر ڈال کر اسکے حسن و نج سے کا ہی بخشش تا کہ اصلاح و راستی کا اندازہ ہو سکے۔ یہ سو وہ اپنے دوستوں کے پیش کیا گیا لیکن کسی نے اتنی ہمت بھی نہ کی کہ ایک صفحہ بڑھ کر میرا اطمینان کر دے کہ میں براہ راست جا رہا ہوں؟

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سینکڑوں ایسی پاک ہستیاں ہیں جو فناے تم سے گذر کر فناے بدی کے سرمدی چشمہ حیات سے سیراب ہو کر مستی و وجد میں اور عرفان کی پُرانوار فصا میں حیران نظر آتے ہیں اگر انہیں اپنی بے نیازی اور اپنا استغراق اس ناچیز تالیف کی طرف ایک نظر ڈالنے کی فرصت نہ دے تو وہ مجبور ہیں اور میں اور میری یہ ناچیز تصنیف ان کی اس بے نیازی اور بے التفاتی پر سینکڑوں بار قربان لیکن افسوس تو ان کی بے توجہی اور عدم التفاتی پر ہے کہ جو اپنی نیاز مندی کے باوجود ایسی تصانیف سے اپنی بے نیازی برتتے ہوئے اپنی سرمدی کاشتوت دیتے ہیں اور اپنی سست رفتاری سے نہیں گھبراتے۔ **فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ رَحِيْمٌ الرَّحِيْمِيْنَ** \*

گو دیا چہ طویل ہو گیا لیکن اسکے بغیر چارہ نہ تھا اور نہ ہی اسکے بغیر کتاب لطف و سکنتی تھی۔ کیونکہ دیا چہ کتاب کھولنے کے لئے ایک قسم کی چابی ہوتی ہے اسلئے مجبوراً اتنا لکھنا پڑا۔ آخر میں ہم بارگاہ عالم نزیلیہ کی سرمدی حضرت بیت العجا، کہ اپنے حبیب پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے برگزیدہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی طفیل جس حضور و جس شوق سے یہ ورق لکھوائے ہیں اسی شوق و ذوق سے اجاب کئے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان سیاہ ورق کو میری سیاہ اعمالیوں کو فارغ کر دے اور اپنے ماویٰ اپنے پیشوا اپنے مرشد حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدم قدم چلنے کی توفیق بخشے اور تمام مراحل آخرت باطنیان طے کر کر قیامت کے دن آپ کے سایہ ہما پاییہ کے نیچے کھڑا ہونا نصیب فرمائے آمین تم آمین رَبَّنَا اقْبَلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ

غرض نقشے ہمت کر یا یاد ما کہ ہستی رائے عظیم بقائے  
مگر صاحب دل روزے رحمت کند در حق این مسکین دعائے  
وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ الْعَلِيِّمِ

بندہ بے نیاز و بانیا محمد عفی اللہ عنہ بیروبل ضلع شاہ پور ، ۲۰ صفر ۱۳۴۹ھ

ریاضت پر اپنی توجہ تھی، مجاہداتِ شاقہ کرنے کے عادی، ایسے وجود میں اتنی طاقت تھی اور نہ ہی میں اس کا خوگر۔ لیکن اس وقت تو مجھے یہ وزا تھا۔ کہ کیوں نہیں نے دست بوسی کی۔ کہ اور نہیں تو قیامت میں اُن کے غلاموں کے نہمرہ میں تو ہوتا۔ اور کیا یہی کچھ کم تھا۔ کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں

حضرت قبلہ مولانا میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرقپوری کا ذکر اور آپ کے حالاتِ ایام اقامت لاہور میں بھی عوام سے سُننے تھے۔ اور اپنے علاقہ میں بھی آپ کا چہرہ چاہتا تھا۔ بلکہ عرسِ مجدد علیہ الرحمۃ پر بعض علماء سے تکرار بھی میری ہوئی کہ وہ صاحبِ حال اور صاحبِ برکت زمانہ حاضرہ میں سُننا ہوں۔ لیکن علمائے کرام میں سے بعض افراد کچھ ایسے ضدی واقع ہوئے کہ جہاں کہیں اڑ گئے صحیح کو غلط اور خطا کو صواب۔ نیکی کو بدی اور برائی کو بھلائی بنا دکھاتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ اس علمی شبہ میں ایمان کیوں بہاتے ہیں۔ چنانچہ ایک لکھے پڑھے جہانگیرہ و اعظم صاحب نے بدیں الفاظ

آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا کہ وہ سنت کے تابع نہیں۔ آنے جانے والوں سے سلام و مصافحہ نہیں کرتے

بھلا ایسے لوگوں میں برکت کہاں! اور ایسے لوگ صاحبِ اثر کہاں۔ گو میں نے حضرت مرحوم و معذور

کی زیارت نہیں کی ہوئی تھی۔ لیکن آپ کے فیضان اور آپ کے عرفان کا متواتر اثرات کی وجہ سے

فائل تھا۔ میں نے ہر چند ان سے کہا کہ ان دونوں صفات میں تلازم نہیں۔ اور نہ ہی ایک ہیں مگر

وہ ایک ہونے پر ہی زور دیتے گئے اور اجاب بھی اُن کے تھے۔ وہ اس تکرار کی حقیقت کو جانتے

بھی تھے۔ اور ان دونوں صفات کے الگ ہونے پر بھی یقین رکھتے تھے۔ لیکن دل لگی کی وجہ

سے خاموش تھے۔ آخر میں نے اُن سے معذرت کی۔ کہ جب آپ کی علمیت میں اتنی تمیز نہیں تو

علاوہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے مراد ہے۔ آپ سلسلہ مجددیہ کے بانی ہیں۔ حضور کا مزار مبارک سرہند شریف میں ہے۔

آپ کا سلسلہ ہندو پاک، افغانستان، ایران وغیرہ میں خوب پھلا پھولا اور آپ کے مکتوبات سلوک و تعویف کی بہترین کتاب ہے۔ حضور کی تاریخ وفات ۱۲ صفر ۱۰۰۰ھ سرہند شریف میں روضہ مبارک سے ہے۔ آپ کے مفصل حالات روضہ قیومیہ میں درج تھے۔

سلسلہ حال: علم کی حقیقت اور تاثیرات: ذکر کی تاثیریں جب کسی ذاکر میں نفوذ کرتی ہیں تو اس کے اندر ایک نہایت مؤثر قسم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل فقر کے نزدیک وہی حال ہے۔

علم صواب: مناسب۔ صحیح  
علم برکات و تاثیرات اور حال سے لوگوں کو فائدہ پہنچانا۔

رفہ معرفت الہی: کسی سالک کا مقصود اور فقر کی انتہا ہے اور غیر محدود ذات کا عرفان۔ سالک کی استفادہ کے مطابق: ہوتا ہے۔

علم سلسلہ خبریں پہنچانا  
علم ایک چیز کا دوسری کے لیے ضروری ہونا۔

منشی صاحب عشقیہ اشعار حافظ وغیرہ کے پریم آنکھوں اور دروسے گاہ بگاہ پڑھتے اور ان کا اشتیاق سے بھرا چہرا اپنی مستانہ اداسے طبیعت کو کھلے جاتا تھا۔ کئی بار مجھے خیال آیا کہ کاش مجھے کسی سے تعلق ہوتا۔ اور میری بھی یہ حالت پیدا ہوتی۔ لیکن وہی طبیعت کو یقین ہو چکا تھا۔ کہ یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی۔ اور آہ آیت لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ کی طرف توجہ نہیں کی جاتی تھی۔ سبحان اللہ۔

یہ ناامیدی اڑیں درمرو بزن فالے بود کہ قرعہ دولت بنام ما افتد  
مکان شریف (بیٹھک) کے دروازہ تک تو میں ان دونوں بزرگوں کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ لیکن دروازہ میں داخل ہوتے ہی وہ بالاخانہ پر چڑھ گئے۔ اور میں اکیلا بیٹھ گیا۔ اس وقت تو خیال آیا کہ ان سے نہ بگاڑنا۔ تو اب میری زیارت کا وسیلہ تو ہو جاتے۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت۔ (لیکن دراصل بھی بہتر تھا جو مالک نے کیا۔)

نھوڑی دیر کے بعد خواجہ دین محمد صاحب آپ کے خادم آئے۔ مجھ سے دریافت کیا میں نے ضلع سرگودھا کا رہنے والا بتلانے پر اکتفا کی۔ مجھے کھانا کھلایا۔ اور کہا بعد ظہر آپ کی ملاقات ہوگی۔ اتفاقاً اس روز اور آدمی بھی کم آئے۔ اور مجھے واپس لاہور آنے کا خیال تھا۔ کیونکہ میں اپنے رفیق سے وعدہ کر آیا تھا کہ جلدی ہی زیارت کر کے دوسری موٹر پر واپس آ جاؤں گا۔ اور پھر اپنے ضروری کام کے لئے چل دیں گے۔ مگر نیرنگی مشیت ایزدی سے بے خبر۔ کہ گھڑی کیا سالوں اور قرون پر درگاہ تیرے لئے قبلہ گاہ کر دے گی۔ اور تیری آرزو کا خاتمہ۔ تیری دعا کی اجابت

علا شمس الدین حافظ شیرازی جن کا فارسی دیوان، دیوان حافظ کے نام سے مشہور ہے۔

علا اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

علا مایوس ہو کر اس دروازے سے نہ جاؤ اور فال نکالو۔ ہو سکتا ہے کہ دولت کا قرعہ ہمارے نام نکل آئے۔

علا حضرت اعلیٰ شرف پوری رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹھک۔

علا یہ صاحب حضور کے دربان تھے اور ہمیشہ آنے جانے والوں کا استقبال کرتے کھانا وغیرہ کھاتے۔

علا ارادۃ الہی۔

علا ایک سو سال کے عرصہ کو قرن کہتے ہیں (یعنی عمر بھر کے لیے یہی آستانہ، آستانہ فیض بن جائے گا۔)

تیرے درد کی دوا۔ اور تیرے ناسور کا مرہم یہ خاک پاک بنائی گئی۔ اور تیری رُٹی مرنے کے بعد بھی قبر میں اس در بوسی کے لئے تڑپا کرے گی۔ اور قیامت میں بھی اسی کے دامن سے اٹھایا جائے گا۔ بھلا ایک گھڑی بیٹھنے سے کیوں اُکاتے ہو۔ تمہیں دھتکاریں گے۔ اور تم اندر آنے کے لئے تڑپو گے۔

”سُبْحَانَ الَّذِي يَبْدِئُ مَلَكُوتَ كُلِّ شَيْءٍ“

گرمی کے آخری ایام تھے۔ تقریباً چار بجے قبل عصر مجھے خادم نے کہا۔ حضور طلب فرماتے ہیں۔ اور ضروری ہدایات (داہنے قدم کو پہلے چٹائی پر رکھنا۔ دوزانو بیٹھنا۔ آپ تشریف لاویں۔ تو تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہونا) مجھے کر دیں۔ اُس وقت دل کی عجیب حالت تھی۔ کیونکہ آپ کی بات سننا تھا کہ آپ کی مجذوبانہ حالت ہے۔ اور زور درنج ہیں۔ تاہم کئی بزرگوں کا قدم بوس ہو چکا تھا۔ اولیائے کرام کی خود اور بوسے سے واقف تھا۔ عوام کی گھبراہٹ نہ تھی بلکہ خواص کی۔

چٹائی پر حسب ہدایت بیٹھ گیا۔ آپ تشریف لائے۔ اور میرے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑے تامل کے بعد فرمایا۔ کہاں سے آئے۔ میں نے ضلع سرگودھا عرض کیا۔ آپ نے گاؤں پوچھا تو میں نے دبی زبان سے بیربل کا نام لیا۔ کیونکہ جن ہمراہیوں سے میں چھپا تھا۔ وہ مکان کے اندر تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں بہرا (بولا) ہوں۔ زور سے کہیو۔ آپ نے گاؤں کا نام سن کر فرمایا۔ کہ کچھ حضرت صاحب سے بھی تعلق ہے۔ اب میں حیران کہ کیا جواب عرض کروں۔ جھوٹ کہہ نہیں سکتا۔ درست عرض کروں گا۔ تو بھانڈا اچھوٹا ہے (اور سارا راز کھلتا ہے) آخر میں نے مجبوراً دبی زبان سے کہا کہ پوتا (پوترا) آپ نے سمجھا کہ (دوہترا) نواسا۔ آپ فرمانے لگے۔ کہ

عَلَىٰ وَجْهِكَ رُحْمًا يُحْتَفَىٰ بِهَا كَالْحَمِيمِ -

حکم پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی حکومت ہے۔

مکہ منجذب، سالک کی ضد ہے۔ حد و شریعت کی پابندی سے راہ معرفت طے کرنے والا سالک کہلاتا ہے اور عالم امر کا پر تو (یعنی تجلی الہی) جس کے ظاہر حواس کو مغلوب کر دے اور حد و ظاہر و طبیعت کی پابندی سے وہ الگ ہو جائے وہ مجذب کہلاتا ہے۔

عَلَىٰ دَرِيَاةٍ جَمْعُ كِنَارٍ شَاهِدٌ مِّنْ دَرَسِ سَاتِ مِيلٍ كَيْفَ فَاصِلٌ بِرَأْيِكُمْ قَرِيبٌ هُوَ جَوَالِيَا شَرِكِي لَسْتِي هِيَ جَوْشَرَانُ شَرِكِي دَرَسِي دَلْبَرِ اسْتِ - ہمارے ایک دوست خیر بل شریف کے پاس لکھا۔ صحرا یا تل لے بیربل۔ لیکن عمل ترا اجل۔ تو خاک شہی کہ دروے پیر یا باشد مقیم۔

عَلَىٰ حَضْرَتِ اَعْلَىٰ غلام مرتضیٰ۔ آپ حضرت غلام محی الدین قصویٰ حضورؑ کے مرید تھے اور حضرت غلام نبی ٹٹھی سے علمی اور عملی تربیت پائی تھی۔

اس میں شاید آپ کی بہتری ہی ہو۔ میاں صاحب اس وقت زمانہ میں بیگانہ ہیں۔ پھرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

پھر تو مجھے بھی خیال آگیا۔ ہزاروں کام بگڑتے اور سنورتے ہیں۔ اگر نصیبہ ہو تو کیا کچھ بگڑے گا دوست کا فاتحہ پھر سہی۔ اور عرس و فاقہ پر حاضری نہ سہی۔

معلوم نہیں قاری جی نے اوپر جا کر کیا کہا۔ تاہم آپ تخلیہ پا کر بعد ظہر کے نیچے تشریف لائے۔ اور بہت سے خانگی امور دریافت فرمائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہمارے خانگی معاملات سے نہایت گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اور ہمارے خاندان سے آپ کی فلی محبت ہے۔ پہلے بھی احباب کی زبانی سنتا تھا۔ لیکن سننے اور دیکھنے میں فرق ہوتا ہے۔ تقریباً نصف گھنٹہ یا پون گھنٹہ آپ مختلف حالات خانگی دریافت فرما کر بالاخانہ پر تشریف لے گئے اور فرمایا "کہ اسی لئے میں نے آپ کو ٹھیرا یا تھا۔"

قاری صاحب واپس مکان جانے لگے۔ تو کہا کہ آپ فرماتے تھے "کہ وال دلیا ہو ہی جاویں گے"۔ میں نے عرض کی ہے کہ "وال دلیا ہی پر اکتفا نہ ہو کچھ کرنا"۔ بحق وہی بات ہونے لگی۔ ہم وال دلیا ہی رہ گئے۔ طبیعت زیادہ موزوں نہیں تھی۔ ورنہ

اس کے لطافت تو ہیں عام شہیدی لیکن مجھ سے کیا نخل تھا اگر نہیں کسی قابل ہونا قیسری مرتبہ آپ نے بالاخانہ پر بلوایا۔ سب سے پیشتر آپ نے فرمایا۔ کہ آپ جانتے ہیں جبریل علیہ السلام وجیہ کلبی کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کس طرح

— مولوی نور محمد صاحب بیہڑی امام پانڈو وال نہایت نیک آدمی تھے۔ اور ذاکر و شاکر۔

۱۔ پنجابی محاورہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔ حضرت اعلیٰ کا مخصوص فقرہ تھا اور اس میں اپنی مہربانی اور خاص توجہ اور سادگی کی استعداد کی بشارت ہوتی تھی۔

۲۔ مہربانیاں۔ لطف کی جمع

۳۔ وجیہ کلبی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ بہت خوبصورت تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اکثر انہی کی بشری صورت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

اگرچہ جو کچھ اب میں لکھنا چاہتا ہوں۔ وہ اسرار ہیں۔ اور اسرار کے ظاہر کرنے کا انجام بھی وہی ہے۔ جو منصور علیہ الرحمۃ کا ہوا۔ تاہم آیہ تشریفہ کو مد نظر رکھ کر اپنے مکرم بزرگ و دست اور مہربان کا ارشاد بجا لاؤں گا تو شاید میرے لئے یہی وسیلہ نجات ہو اور کسی دوست کو اس سے فائدہ پہنچ جائے۔

هُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التَّكْلَانِ وَبِشَيْئَيْنِ

خوشتر آں باشد کہ مر لبریں گفتم آید در حدیث دیگران

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمَ آيَاتُنَا الْحَقُّ  
أَوَلَمْ نَكُفِّ بِرَبِّكَ أَنََّّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ

۱۔ اپنے رب کی نعمتوں کا بیان کرو۔

۲۔ منصور علاج علیہ الرحمۃ سابقین اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ جذب و مستی کی انتہا میں پہنچ کر انا الحق کہہ دیا۔ عملاً وقت نے کفر کا فتویٰ لگایا اور حکومت وقت نے تختہ دار پر لٹکا دیا۔

۳۔ حضرت صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری، مصنف "خزینۃ معرفت"

۴۔ وہی (اللہ تعالیٰ) مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے اور اسی ہی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔

۵۔ بہتر یہی ہے کہ دوستوں کی راز کی باتیں اور دوسروں کی باتیں کہہ کر بیان کی جائیں۔

۶۔ عنقریب ہم ان کو جہان میں اپنی آیات دکھلائیں گے اور ان کے اپنے نفسوں میں (بھی دکھلائیں گے) یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھلی جائے کہ وہی حق ہے۔ اور تیرے لیے اتنا کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

۷۔ آگاہ ہو کہ وہ لوگ اپنے بات کی ملاقات کے سلسلے میں شک میں ہیں اور آگاہ ہو کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر ایک چیز کو اپنے احاطے میں لیے ہے۔

چونکہ مضمون کا تعلق اور بیان اسی آیت شریفیہ سے ہے۔ اس لئے تبرکاً اسے لکھ دیا گیا ہے۔

بارگاہ الہی سے استدعا ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور ان کے سچے تابعین کی برکت سے نفس کے شرور اور دھوکوں سے مجھے محفوظ رکھے تاکہ جو کچھ قلم لکھے۔ وہ پاک دل پاک ارادہ پاک خیال سے لکھے۔

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ نَفْسِي وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِي  
وَمَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ  
وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ  
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

صلی اللہ علی نورِ کز و شد نورِ با پیدا زمین از حب اوسا کن فلک و عشق او شیدا

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ذات بابرکات نے ہر ایک چیز کی تربیت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ کیا انسان اور کیا حیوان اور کیا نباتات سب اس ذرہ نوازی سے سرفراز۔

جب اس نے مجھے ظاہری علوم ضروریہ سے فارغ کر لیا۔ اور کالج کی مائزمت سے سیر کر دیا۔ تو میری باطنی اور دینی علوم کے حصول کی نوبت آئی۔ میں حیران ہوں کہ کس طرح اس رخ

۱۔ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں اپنے نفس کی شدتوں سے اور اپنے اعمال کی بُرائیوں سے اور جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا درود اس نورِ مجسم پر ہو جس سے نور پیدا ہوئے۔ زمین اس کی محبت میں ساکن ہے اور آسمان اس کے عشق میں سرگرداں۔

سے بدل کر مجھے اس رُخ لے آئے۔

کالج کی ملازمت میں ہی مجھے ٹرنینگ کالج میں عربی زبان کی تعلیم کے لئے جانا پڑا۔ خوش قسمتی سے کالج کے پروفیسر قاضی ضیاء الدین صاحب ایم۔ اے مرحوم جو نہایت شریف النفس اور صوفی آدمی تھے۔ حضرت میروی علیہ رحمۃ اور خاندان لہبی علیہ الرحمۃ سے باطنی تعلقاً رکھتے تھے! اور دنیاویات کی سند دیوبند کی رکھتے تھے۔ گویا وہ ظاہری عالموں اور باطنی صوفیوں کی درمیانی کڑی تھے۔ ان کے ایما سے ترجمۃ القرآن المجید کے لئے مولانا حاجی احمد علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا رہا۔ اور چھ ماہ کے عرصہ میں مجھے اتنی مہارت ہو گئی کہ بلا تردد مطالب قرآنی ذہن میں آنے لگے۔ فلہذا الحمد حمداً کثیراً۔

واقعات کے تبدیل و تغیر نے بلا تکلیف اور بلا تکلف مجھے ملازمت سے الگ کر لیا اور گھر میں رہنے لگا۔ آبا و اجداد علیہم الرحمۃ کا پیشہ علم و فقر ہی ہو چکا تھا۔ علوم مشرقیہ کے علمی امتحانات کی سندیں لینے کے بعد گو مجھے اہل علم میں عیٹھنے سے جھجکا نہ رہی۔ لیکن میں خوب جانتا ہوں۔ کہ آبائی ورثہ سے مجھے بہت ہی کم حصہ ملا۔ تاہم شکر۔

مگر باطنی ورثہ سے ابھی تک بالکل محروم تھا۔ تاہم مرشد زادوں کی طرح سلسلہ بیعت جاری ہو گیا۔ اور مخلصین بزرگوں کی جماعت میں آنے جانے لگا لیکن اپنی کمی خوب محسوس تھی۔ تاہم ایسے مرشد کا داعیہ بھی پیدا ہو گیا۔

متواتر دو اڑھائی سال شب و روز یہ جذبہ ترقی کرتا گیا۔ اور اپنی محرومی پر کبھی کبھی مسحت

طاہرہ ۱۹۱۲-۱۹۱۹ء مراد اسلمیہ کالج پشاور۔ ۱۔ قاضی صاحب مرحوم ایم۔ اے، حکیم مولوی حمید الدین صاحب کے صاحبزادے تھے۔ چکوال ضلع جہلم کے علمی خاندان کے ایک عظیم فرد تھے۔ ۲۔ میرا شریف ضلع کمیل پور سے نسبت سے جہاں حضرت مولینا خواجہ احمد صاحب حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اس آخری دور میں بڑے کامل ولی اللہ گزرتے ہیں وفات ۱۹۰۸ء۔ ۳۔ مولانا شریف کے نسبت سے جہاں ایک مرد کامل حضرت غلام نبی ٹنہی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے ہیں جو ٹنہی خانوادہ فقہ کے مورث اعلیٰ اور حضرت علی مرشد ناغلام مرتضیٰ بیروبی کے پیر مرشد تھے (تذکرۃ الاولیاء ص ۲۸)۔ ۴۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہر قسم کی زیادہ سے زیادہ تعریفیں ہیں۔ ۵۔ اگرچہ اس اعلیٰ خاندان کے اکثر افراد علم و معرفت میں اپنے وقت میں مشہور ہوئے ہیں۔ لیکن حضرت مرشد ناغلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ تو علوم ظاہرہ و باطنیہ کے بحر و خاثر تھے۔ ۶۔ باطنی ورثہ سے مراد حقائق فقر و تصوف ہے جو حضرت قبیلہ عالم مصنف، دام ظلہ کے آبا و اجداد کی خاص دولت تھی (محشی) ۷۔ داعیہ: خواہش۔



ما یوسی ہو جاتی تھی۔ تاہم دعا اور التجا کا پہلو ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ بعض اوقات جب ہیں الگ بیٹھتا تو یہی خیال مجھے گھنٹوں گردش دیتا رہتا تھا۔ کہ اللہ العالمین کب مجھ جیسے شکی طبیعت کو اطمینان نصیب فرماویں گے۔

ساتھ ہی میں نے جستجو اور تلاش بھی شروع کر دی۔ کسی ایک بزرگوں کی زیارت اور نیاز صرف اسی غرض سے حاصل کی۔ جو اپنے فن میں باکمال تھے! جہاں تک بھی دریافت کیا جو اس فن میں مدعی تھے۔ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ کہ شاید وہاں مقصود کو ہر سے بھر جائے۔

لیکن شہ باہر طریقت سرتاج عرفان و حقیقت حضرت قبلہ جدامجد حضرت مولانا و مرشدنا حافظ غلام مرتضیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے مشرف تھا۔ گو ابھی میرا سن شباب پندرہ سال کا ہی ہو گا کہ آپ کا وصال ہو گیا تھا تاہم آپ کے اخلاق و عادات نشست و برخواست اور حال و حال و قال کا دل پر گہرا اثر تھا۔ اور عالم و صوفی جانچنے کے لئے ہر وقت وہ تصویر اور نقشہ اور ترازو موجود تھا۔ گو کہ آپ کی ذات بابرکات دنیا میں مشہور نہیں لیکن اس ہستی علم کے برابر میں نے ابھی تک کسی ایک کو بھی متبصر نہ پایا۔ شاید بعض کے دلوں میں شک پیدا ہو جاوے کہ جس نے سمندر نہ دیکھا۔ وہ ایک حوض کو بھی سمندر جانتا ہے۔ نہیں بلکہ مجھے اپنے زمانہ کے بڑے بڑے علمائے کرام کی شاگردی اور تلمذ کا فخر حاصل ہے۔ اور بہت بزرگان علم سے نیاز حاصل رکھتا ہوں۔ میرے اساتذہ میں سے مولانا عبداللہ ٹونکی مرحوم اور مولانا حافظ

۱۔ جب کوئی تمنا صحیح معنوں میں پیدا ہو جائے تو اس کے لیے دعائیں دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں۔

۲۔ جتنا علم میں مرتبہ زیادہ ہو گا اتنا ہی طبیعت میں شکوک زیادہ ہوں گے کیونکہ ذرا علم شک ہی ہے۔

۳۔ اس سے مراد تلہی خاندان ہے کیونکہ حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا پیرخانہ یہی ہے۔

۴۔ حضرت غلام مرتضیٰ خاندان علیہ کامل ولی اللہ اور متبصر عالم تھے۔ کتاب انوار نقوی آپ کی مختصر سی سوانح عمری ہے۔ (وفات ۱۳۲۱ھ)

۵۔ مولانا عبداللہ ٹونکی اور نیشل کالج کے پرنسپل تھے اور ہمارے قبلہ و کعبہ امام غلام نے اور نیشل کالج ہی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔

۶۔ حافظ ذریعہ صاحب کے مراد شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی مصنف کتب کثیرہ و ترجمہ القرآن ہے۔

نذیر احمد صاحب مرحوم جیسے منطقی اور ادیب اور فخر العلماء جناب مولانا کفایت اللہ صاحب جیسے محدث بھی ہیں۔ اکثر پر وفیہ ان علوم تشریحیہ سے مجھے نیاز حاصل ہے۔ لیکن وہ ذات بابرکات کچھ اور ہی تھی۔ وہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی زیارت کی اور آپ کی علمی مجلسوں میں شامل ہوئے اور پھر دوسرے ائمہ فن کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا علمی و عملی مقابلہ کرتے رہے۔ صوفیائے کرام میں علم بھی ہیں اور عامل بھی کسی سے مجھے انکار نہیں۔ اور ہر ایک سے نیاز و عقیدت بھی ہے۔ لیکن ان کے برابر کسی کو کہنا گناہِ عظیم جانتا ہوں۔

اس پر میں نے اکتفا نہ کی کہ بزرگانِ نقشبندیہ تک ہی تلاش محدود ہو بلکہ خاندانِ چشتیہ اور قادریہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حضرات اور شیوخ کی زیارات بابرکات سے بھی شرف اندوز ہوا کہ شاید طبیعت کا میلان ادھر قائم ہو جائے۔ اور کوئی کریم النفس اس رویا کو اپنی غلامی کے حلقہ میں لے لے لیکن سولے حرمان کے کچھ نصیب نہ ہوا۔ کیونکہ اس عالی فطرت انسان جیسا کوئی مماثل اور نظر نہ آیا۔

آخر عرس مجدد علیہ الرحمۃ پر حاضری کا ارادہ صرف اسی غرض سے کیا کہ صوفیوں کے مجمع میں کوئی ایسا شہ باز ہوگا۔ جو مجھے شکار کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ اور میری یہ پریشانی و نرود جاتا رہے گا۔ چنانچہ قصور شریف کے مزارات پر انوار اور حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر یہی التجار ہی۔ روضہ کے آخری فاتحہ پر میرے آسو گر رہے تھے۔ اور میری زبان اور دل یہی کہتا ہوا باہر نکلا۔ کہ اللہ العالمین اپنے اس اولیائے مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی برکت سے مجھے

۱۔ مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ اعلیٰ دہلی کے شیخ الحدیث تھے۔

۲۔ فرق مراتب ضروریات عقلی اور دینی میں سے ہے۔

۳۔ نقشبندیہ۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب خاندان تصوف ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی نسبت میں تربیت سالکان فرمائی۔ وفات ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ

۴۔ چشتیہ۔ حضرت خواجہ احمد ابدال ساکن چشت (المتوفی ۷۳۴ھ) سے یہ سلسلہ فقر شروع ہوا۔

۵۔ قادریہ۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب خاندان تصوف ہے۔

۶۔ مماثل۔ مانند اس سے مراد حضرت غلام مرتضیٰ بیرونی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۷۔ قصور شریف کے مزارات سے مراد حضرت خواجہ غلام محی الدین قصویٰ قصویٰ رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۰۷ھ) اور حضور کے صاحبزادہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ

(وفات ۲۱ محرم ۱۲۹۶ھ) جو کمال ولی اللہ تھے۔ خواجہ غلام محی الدین قصویٰ؛ حضرت غلام نبی تلمیذ کے پیر و مرشد تھے۔

ایسا نہ بخش جس پر میری تمام ارادوں کا خاتمہ ہو جاوے۔ اور میری طمانیت کا باعث ہو۔ ایک طرف یہ حالت تھی۔ اور دوسری طرف میری نگاہیں تلاش میں تھیں۔ کئی ایک بزرگوں کی مجھ پر خاص طور پر نظر الفت بھی تھی۔ اور مجھے اُن سے نیاز بھی تھا۔ لیکن اُن کے حسن و جمال میں وہ ادا نہ تھی۔ جو مجھ جیسے فلسفی یا شکی طبیعت کو شکار کر سکتی حتیٰ کہ بعض بزرگوں سے مؤدبانہ طریقہ سے میں نے یہ بھی عرض کر دیا۔ کہ موجودہ زمانہ میں کوئی ایسا نہیں ملتا جو صاحبِ حال و قال کیجا ہو۔ جتنے دیکھنے میں آئے یا صاحبِ قال ہیں یا صاحبِ حال۔ جواباً فرمایا۔ کہ ایسی نسبت عنقا ہے۔ اب تو کسی کے پاس بیٹھنے سے کچھ فائدہ باطنی ہو جائے تو نعمت ہے۔ لیکن اس جواب نے مجھے کوئی تشفی نہ بخشی۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ آتش اشتیاق بھڑک اٹھی۔ کیونکہ میں نے حضرت قبلہ جدامجد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تھا کہ وہ ایک طرف عالمِ عجم تھے اور تصوف کے باریک سے باریک مسائل کو معمولی اور آسان الفاظ میں ذہن نشین کر دیتے۔ تو دوسری طرف آپ کی ایک ہی نظر مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی تھی۔ ایک طرف وہ سب کچھ پورے پورے اور عاشق تھے۔ تو دوسری طرف خرق و کراوات کا سرچشمہ۔ عالم جاہل کیساں آپ سے فیض اٹھاتے۔ اور علمیت و جہلیت کی پیروی دونوں سے اٹھ جاتی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس کی طرح کہ وہ صغیر و کبیرا دنے والے فیض یاب ہوتے تھے۔ کسی سے خاص خطاب کرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ اپنے اپنے فہم و ادراک کے مطابق لوگ مطالبِ معافی سے لبریز ہوتے۔ جو نگاہ ایک جاہل کے مسحور کرنے کے لئے تھی۔ وہی ایک عالم کے شیدائی

۱۔ ارادت بمعنی عقیدت اور مرید کا لفظ اسی ارادت سے مشتق ہے۔

۲۔ حال و قال :- حال: نسبت باطن جب کسی سالک پر ظاہر ہو جائے تو اس ظہور کو حال کہتے ہیں اور جس پر ظاہر ہو، وہ صاحبِ حال کہلاتا ہے۔ قال: نسبت باطن کا صرف علمی بیان قال کہلاتا ہے۔ قال کے معنی بات چیت اور بیان اور باطنی امرا کے متعلق علمی بیان کرنے والا صاحبِ حال کہلاتا ہے۔

۳۔ نسبت: تعلق کو کہتے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں وہ باطنی تعلق باللہ ہے جو تمام احوال و کیفیات میں جان اور روح کی صورت قائم رہتا ہے۔

۴۔ مردہ دل سے مراد یادِ خدا سے غافل اور غفلت کی انتہائی زد میں آیا ہوا کوئی محروم انسان ہے۔

۵۔ خرق: خرق کے لفظی معنی پھاڑنے کے ہیں۔ یہاں مراد عادت کے خلاف ظہور میں آنا۔

۶۔ علم کا تجربہ نہیں رہتا تھا اور جمالت کی بے ادبیاں بھی نہ رہتیں۔

۷۔ مسحور: جس پر جادو کیا گیا ہو۔ سحر کے معنی جادو کے ہیں یہاں مراد ہے پوری طرح متاثر ہونے والا۔

کرنے کو کافی تھی۔ سلف صالحین کا طریقہ تھا۔ بناوٹ اور تکلف کو اس میں دخل نہ تھا۔ دیکھ کر خدائے ذوالجلال یاد آجاتا تھا۔ ادب کی وجہ سے بے حس حرکت تمام دکھائی دیتے تھے۔ کسی دوست کو یہ وہم نہ اٹھے کہ جتنے سلاسل کے بزرگ ہیں وہ ان اوصاف سے بالکلہ خالی تھے۔ معاذ اللہ خالی نہیں اپنی اپنی جگہ سب اچھے اور اپنے اپنے اخلاص مندوں کے لئے وہی آفتاب و مہتاب ہیں۔ لیکن ایک ایسی طبیعت کے لئے جس نے بچپن کی پرورش ایک صوفی کامل کے زیر سایہ پائی ہو۔ تسلیم و تعظیم انگریزی کالجوں میں کی ہو۔ اور اس کی بود و باش دہریت و فلسفیت کی فضا میں رہی ہو۔ جس کے دوست شیعہ۔ وہابی۔ نیچری وغیرہ رہے ہوں بھلا اس کی طبیعت کیونکر ظاہری نمود پر جم جائے۔ جب تک وہ ٹھوس نہ دیکھ لے اور نمود سے بڑھ کر اندر کی حقیقت نہ دیکھ پائے۔ جہاں کہیں ذرا خامی دیکھی بھاگ اٹھی۔

کسی زمانہ میں حضرت عبدالخالق صاحب کی لاہور میں زیارت ہوئی تھی جب کہ آپ بیمار تھے۔ اور معالجہ کے لئے تشریف لائے تھے۔ میں اجنبی تھا۔ دُور سے سلام عرض کر کے چٹائی پر بیٹھ گیا۔ صورت سیرت سلف صالحین کی طرح تھی۔ اور پرانے بزرگوں کی بُو آتی تھی۔ کچھ دیر کے بعد جب دُور سے سلام دینا ذکر کے رخصت ہونے لگا۔ تو اپنے مصافحہ کے لئے دونوں ہاتھ بڑھا دئے۔ میں مجبوراً آگے بڑھا۔ مصافحہ کیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے چہرے پر میرے سینہ پر پھیرا۔ اور ایک طویل دُعا دست اٹھا کر التجا زکال کر فرمائی۔ اور مجھے ذکر و فکر میں رہنے کی تائید فرمائی۔ ”کہ روزے چند است عاقبت با خداوند ہے“ اس کے علاوہ آپ نے مجھ سے

۱۔ سلف صالحین۔ سلف کے معنی گذشتہ بزرگ۔ یہ خلف کی ضد ہے اور خلف کے معنی بیٹا۔ صالحین صالح کی جمع ہے مراد نیک لوگ۔  
 ۲۔ ذوالجلال۔ بزرگی والا (اللہ تعالیٰ)۔ سلسلہ جمع سلسلہ اور سلسلہ کے معنی زنجیر، یہاں مراد خدا کو ڈھونڈنے اور پانے کے سلسلے جو بعض خاص خاص بزرگوں کی نسبت سے منسوب ہو گئے۔ مثلاً سلسلہ نقشبندیہ قادریہ چشتیہ، سرور دیر وغیرہ۔ سلسلہ دہریت۔ دہر پر ہونا، یعنی خدائے وحد لا شریک کو زمانا اور زمانے کو قدیم ماننا اور ہر قسم کے تغیرات دہر (زمانہ) سے منسوب کرنا۔ فلسفیت یعنی معنی دلائل ہی سے ہر چیز کو سمجھنا اور مافوق الادراک اشیاء مثلاً جنات۔ ملائکہ اور عالم امر وغیرہ کا انکار کرنا۔ نیچری۔ دہر پر قسم کے لوگ۔  
 ۳۔ حضرت عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ، ساکن بستی جہان خیلان ضلع ہوشیار پور، نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔

۴۔ سیرت۔ اخلاق و عادات اور اس لفظ سے مراد تمام زندگی اور زندگی کا کردار ہے۔  
 ۵۔ چند دوی کی زندگی ہے پھر اللہ تعالیٰ کے پاس رہنا ہے۔

کچھ دریافت نہ فرمایا۔ اور یہی میری غرض تھی۔ ان کی صورت و سیرت کا نقشہ آنکھوں میں رہتا تھا۔ اور دل میں خلش تھی۔ عرس کے موقعہ آپ بھی تیم خانہ عبدالحکیم صاحب میں اقامت پذیر تھے۔ ایک دو بار نیاز کے لئے حاضر ہوا۔ لیکن موقعہ نہ ملا۔ کیونکہ آپ کے گروا گروا اور رؤساء کا جھگڑا تھا۔ اور اپنے مدرسہ خالقہ کے انتظام میں مصروف تھے۔ ایک دو اور بزرگ بھی ایسے تھے۔ جن کی صورت نے میرے دل پر اثر کیا۔ اور مجلس کے لئے دل میں کشش ہو گئی۔ مگر آخر کار روضہ قدس سے باہر ساندہلی کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت خواجہ ابوبانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نظام الدین اولیاء و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہم جمعین کے مزارات پر حاضر ہوا۔ دل سوز و عا میں دل سے نکلتی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اپنی نامرادی پر ہزار ہا حسرتیں دل سے اٹھتی ہیں اور بیٹھتی ہیں۔

واپسی پر اتر سر اپنے مکرم دوست مولانا اکل فاضل بے بدل مولوی محمد عالم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے حرام کا تمام قصہ کہنا یا مولانا صاحب شاہ ابوالخیر شاہ صاحب دہلوی کے عقیدت مندوں سے تھے۔ مجھے بھی حضرت شاہ صاحب کی زیارت و مبارک نصیب ہوئی تھی۔ اور میرے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی بہت تعریف و توصیف فرمایا کرتے۔ اور اپنے دور دست احباب کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ارشاد فرماتے۔ اور اپنے ایک مکتوب میں ان الفاظ سے آپ کا ذکر فرماتے ہیں۔ ”گویا آیت من آیات اللہ“ آپ نہایت ہی قوی النسبت تھے۔ آپ کا وصال بھی ہو چکا تھا۔ لیکن آپ کی زندگی میں متروک رہا۔ کیونکہ آپ میں استغناء زیادہ تھی۔ اور محویت نامہ۔ ارشاد و رشد کا دروازہ گو بہت وسیع تھا۔ مگر صرف خوش قسمت لوگ ہی داخل ہو سکتے۔ ہر کہ و مسکی کیا مجال کہ اندر دیکھ بھی سکے۔ محنت و

علاوہ عرس مراد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مولانا عبدالحکیم صاحب تہی سرنہد کے ایک بہت بڑے متمول آدمی تھے۔ علاوہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر مرشد دہلی میں آپ کے مزار پر انوار سے علا حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ چشتی سلسلہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کی ایک شاخ نظامی چلتی ہے۔ آپ حضرت باویش فرید گنج شکر کے مرید ہیں اور نظامی سلسلہ کے بانی ہیں۔ یہ سلسلہ آپ کے خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں اور حضرت باویش فرید گنج شکر کے پیر مرشد علا مولانا محمد عالم رحمۃ اللہ علیہ اسی سلسلہ کے بانی ہیں۔ ان کے پیر مرشد تھے اتر سر میں عمر گزار دی بہت بڑے عالم تھے اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ شاہ ابوالخیر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ زمانہ حاضر کے بہت بڑے بزرگ تھے نقشبندی سلسلہ تھا صاحب جلال تھے خانقاہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ میں قیام تھا۔ عوام سے نہایت تھے حضرت اعلیٰ بیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق فرمایا۔ ”اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ قوی النسبت، وہ ہادی طریقت جس کی نسبت باطنی طاقتور ہوا۔ اور نسبت باطنی جتنی زیادہ طاقتور ہوگی اتنی زیادہ اثر انداز ہوگی۔“ علاوہ اس سے مراد بے نیازی ہے۔ ذاکال طور پر خیال کا کیسہ ہو جانا۔ باطنی صفائی کی طرف رہنا اور نادان چھوٹا بڑا، مراد عوام سے ہے۔



## مختصر حالات مصنف رحمۃ اللہ علیہ

قطب العالم محبوب الہی مرشدنا و مولانا حضرت محمد عمر صاحب بیر بلوئی  
 ذی الحجہ ۱۲۵۵ھ کو بیر بل شریف میں پیدا ہوئے۔ حضور کے دادا جان حضرت غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنے  
 وقت کے حامل ولی اللہ تھے اور بہت بڑے عالم، اس لئے بیک وقت ان کے زیر سایہ دینی مدرسہ اور خانقاہ دونوں  
 چل رہے تھے۔ فقر کا ماحول بھی تھا اور علم کا ماحول بھی۔ گھر کے دستور کے مطابق پہلے آپ نے حفظ کلام اللہ کیا۔ جب  
 آپ پندرہ برس کے ہوئے تو حضرت اعلیٰ بیر بلوئی نے وصال فرمایا۔ اس وقت تک آپ اپنے گھر میں شرح جامی تک نظامی  
 درس کی کتابیں پڑھ چکے تھے۔ پھر علم کی تکمیل کے لئے لاہور تشریف لے گئے اور وہاں بھی قیام فرمایا۔ اور نیٹل کالج لاہور  
 سے مولوی فاضل کیا۔ منشی فاضل اور ادیب فاضل بھی کیا اور انگریزی کے امتحانات بھی دئے۔ اس کے بعد اسلامیہ  
 کالج پشاور میں آپ پروفیسر مقرر ہوئے سات سال تک وہاں پڑھایا۔ جب حضور کے والد ماجد حضرت احمد سعید  
 رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین خانقاہ بیر بل شریف کا وصال ہوا تو حضور علمی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے اور مسند فقہ  
 کوزینت دی اور سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ لیکن سجادہ نشین بن جانے پر بلندی استعداد اور رحمت الہی نے اکتفا نہ کرنے  
 دی اور مرشد کی تلاش میں چل پھرتے ہوئے۔ گوشہ گوشہ ڈھونڈا، امید کی ہر جگہ تلاش کی اور اس سلسلے میں ہر تذبذب کو  
 عملی جامہ پہنایا۔ آخر ”جویندہ یا بندہ“ غوثِ زمان مجددِ طریقت میاں شیر محمد شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں  
 حاضر ہوئے۔ اگرچہ حضرت اعلیٰ شرفپوری کی پہلی ہی صحبتوں سے فقر کی نسبت حاصل ہو گئی تھی لیکن اس نسبت کی  
 پختگی کے لئے کامل مرد کی کامل جدوجہد جاری رہی۔ آخر ۱۹۲۸ء میں حضرت اعلیٰ شرفپوری کا وصال ہوا۔ اس وصال  
 کے بعد حضرت پروردگاری نسبت کی دو گونہ ذمہ داری عائد ہو گئی۔ خانقاہ بیر بل شریف کی سجادہ نشینی اور غوثِ زمان میاں  
 شیر محمد شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خلافت، حضور نے ان دونوں کو خوب نبھایا۔ خانقاہ بیر بل شریف پنجاب بھر میں  
 ایک بہترین علمی مرکز کی حیثیت سے بھی مشہور تھی۔ اور ہر قسم کے فتوے اور مقدمات آپ کے پاس آتے اور حضور  
 کے فتوے اور حضور کے فیصلے ایسے ہوتے کہ بڑے بڑے مفتی اور بڑے بڑے قاضی انگشت بندہ رہ جاتے۔  
 حضرت اعلیٰ شرفپوری کے وصال کے بعد انقلاب الحقیقت حضور نے تصنیف فرمائی اور اپنے خرچ سے دونوں جلدیں

طبع کروا کر منت تقسیم کیس۔ ۱۹۲۴ء کے بعد کا عرصہ فراق و وصال کا زمانہ تھا۔ اپنے پیرو مشد سے ظاہری فراق تھا اور اپنے محبوب اللہ جل جلالہ سے وصال۔ وصل و فراق کی ملی جلی کیفیات نے نیاز و بے نیازی کا ایک ایسا خوبصورت مجسمہ حضورؐ کی ذات کو بنا دیا تھا کہ سابقین اولین میں تو یہ مثالیں مل سکتی ہیں۔ فقر کے طالبین کو تربیت دینے کا طریقہ حضورؐ نے بالکل نرالا پیدا کیا۔ بس نظر کا فیض تھا اور باتوں باتوں میں رائے اور سالک کی کاپی پلٹ جاتی، طبیعت بدل جاتی، چہرہ پہ انوارِ الہی کا جلوہ چمک اٹھتا اور اکثر اوقات آنکھیں برس پڑتیں۔ وصل و فراق اگرچہ دونوں کیفیات بعض بزرگوں کی الگ الگ کیفیات رہی ہیں لیکن یہاں ان دونوں کیفیات کو باہم وصال کا درجہ نصیب تھا۔ غم اور خوشی حضورؐ کی نسبت پاک میں اکٹھے رہ سکتے تھے۔ یہ ناچیز ۱۹۲۲ء میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ محبت کی آنکھوں نے محبوب کو عجیب رنگ میں دیکھا۔ علم مکمل۔ فقر مکمل۔ تدبیر مکمل۔ تربیت مکمل۔ غرضیکہ ہر قسم کا حسن و کمال آپؐ کی ذات میں مکمل تھا۔ اور مردِ کامل کا لفظ آپؐ کی ذات پر خوب صادق آتا ہے۔ ۱۹۲۲ء کے بعد یہ بندہ اپنے آقا سے بہت قریب رہا اور دوری میں بھی محمد اللہ قُرب کی کیفیات سے سرشار۔ میں نے حضورؐ کو کیسا پایا اس کے لئے ایک دفتر چاہیے اور انشاء اللہ العزیز نے عنقریب حضورؐ کی سیرت پاک لکھی جائے گی۔ اور جزئیات کو بھی اُجاگر کیا جائے گا اور یہ مسلم ہے کہ حسن جزئیات سے بنتا ہے ورنہ کلیات تو ایک منصب کے بہت سے آدمیوں میں تقریباً یکساں حیثیت میں رہتے ہیں حضورؐ کو جس کوشش سے دیکھا جائے، عقل کو جیرانی کے سوا کچھ ملتا نہیں۔ کہ الہی یہ انفرادیت اور یگانگت تیری مہربانیوں کا وہ نمونہ ہے جو سالوں میں نہیں صدیوں میں دیکھا جاتا ہے۔

سہ قرنہا باید کہ تا صاحبِ جد سے پسیداشود      بایزید اندر خراساں یا ادسیس اندر قرن

حضورؐ نے جذب و سلوک کی دونوں کیفیات کی خوب لاج رکھی۔ قلندری کو بھی نبھا گئے اور سلوک کی منزلیں بھی آپؐ کو یاد کرنی رہیں گی۔ "کہ کوئی گزرا تھا" حضورؐ کی طبع مبارک ہمیشہ نجیف اور کمزور رہی۔ بیماری کو گویا حضورؐ سے محبت تھی۔ عمر بھر کسی نہ کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا رہے۔ گرمی کے روزے کی شدت برداشت نہ تھی اس لئے ہمیشہ گرمی کے روزے ٹھنڈے مقامات پر رکھتے۔ دو مرتبہ کشمیر گئے۔ کوہ سکیسر پر قیام فرمایا۔ اور کھوڑہ تو گویا حضورؐ کا گرمیوں کا وطن بن گیا تھا۔ حج بیت اللہ کیا۔ کیا حج تھا اور کیا زیارت تھی۔ میں آپؐ کو کیسے بتاؤں کہ آپؐ کا حج اور زیارت کیسے تھے۔ سخاوت اور مروت میں آپؐ کی مثال دیکھنے میں نہیں آئی۔

دُعا کا خاص اندازہ تھا ہاتھ اکثر لیے ہو جاتے گویا ابھی ابھی اجابت کو ساتھ لاتے ہیں۔ اور جو ہاتھ اٹھاؤہ کامیاب لوٹا۔ محبتِ الہی، قُربِ خداوندی اور معرفتِ الہی کا دریا سینے میں ٹھاٹھیں مار رہا تھا لیکن انہی کمالات کی تمنا بھی ہر وقت تھی۔ روحانی کمالات میں طبیعت مستقی بن جاتی ہے۔ کرامات کی کوئی حد نہیں۔ ہر آنے جانے والے نے دیکھا اور آزمایا۔ آپؐ کی ذات صبر و تحمل اور بردباری کا ایک عظیم پہاڑ تھی علم و عمل کا ایک خوبصورت مرکب

افراط و تفریط سے پاک اور مخلوقِ خدا کی بہترین خیر خواہ، آپ کی بصیرت قدرت کا ایک خوبصورت آئینہ تھی جس پر سامنے کی ہر تصویر نمایاں ہو کے آتی۔ اخفا کا یہ عالم تھا کہ کبھی اپنی زبان سے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ دعویٰ تو کجا ہمیشہ کسر نفسی کے الفاظ سے رطب اللسان رہتے۔ حضور کی مجلس کا انداز بالکل نرالا تھا۔ حاضرین کی طبع گویا آپ کی طبع ہوتی۔ نہایت لطیف نثرانت تھی خود تبسم زیر لب ہو کر بات میں ایسی لطافت پیدا فرمادیتے کہ سننے والے ان کلمات سے جہاں خوش ہوتے وہاں حکمت کے موتی بھی روکتے۔ مریدین اور متوسلین و متعلقین کا غم خود حضور کا غم ہوتا تھا۔ اور کسی کی تکلیف سن کر چہرے کے آثار اور ہوجانے۔ حضور کے دو صاحبزادے حضرت بشیر احمد اور رشید احمد فوت ہو گئے۔ حضرت بشیر احمد کی وفات کے بعد ان کی یادگار ایک صاحبزادہ حضرت سعید احمد صاحب ہیں۔ حضور نے اپنے دامن تربیت میں لیا اور ہمیشہ پرانہ شفقت رحمت سے رکھا۔ حضرت خالد سیف اللہ صاحب حضور کے صاحبزادے ہیں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے آج ماشاء اللہ جوان ہیں۔ حضور نے ان کی دینی تعلیم کے لئے دنیوی تعلیم کو بھی ضروری سمجھا تھا۔ اس لئے بی۔ اے تک تعلیم دلائی انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے کا امتحان دیا۔ حضور کی طبع مبارک بیماریوں کی عادی تھی بیماری آتی اور جاتی۔ اس مرتبہ بھی ہم اسی غلط فہمی میں رہے کہ چند روز کی تکلیف ہے چلی جائے گی لیکن یہ بیماری بیماری نہ تھی وصال محبوب کا پیغام تھا آئی اور اپنے ساتھ لے گئی۔ اور ہم غم نصیب ایک سال سے حضور کے فراق کی آگ میں جل رہے ہیں اور ٹھنک یہ کہ آنکھوں کا پانی اس آگ کو اور ٹھنکاتا ہے۔ حضور کا وصال ۱۹ جمادی الاول ۱۳۶۶ مطابق ۲۶ اگست ۱۹۴۶ء کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو ڈیڑھ دوں رحمتیں اس مقدس زمین پر نازل فرماوے جہاں حضور کا جسد اطہر زائرین کو گلاب کی خوشبود سے رہا ہے۔

انقلاب الحقیقت حضور کے فہم کا شاہکار ہے اور تصورات کی بہترین تعبیرات کا ایک خوبصورت مجموعہ اہل دل اور اہل ذوق کے لئے ایک بے بہا نعمت ہے، پڑھیں اور اپنے دل کی اصلاح کے لئے اس تحریر کو مرقی مشفق بنائیں۔ حضور کی بعض دوسری تصانیف بھی ہیں۔ مثلاً التوحید۔ طریقت کی حقیقت۔ قرآنی نظریہ جیسا سلوک و مقصد سلوک الہوی۔ صراط مستقیم۔ حقائق و معارف اور زینبیلہ سمیت یہ سب تحریرات حقائق کے بیان میں اپنی مثال آپ ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ پڑھنے کے بعد محسوس کریں گے کہ پہلے آپ کے اندر ایک کمی تھی۔ اور جب تک کوئی احساس بیدار نہیں ہوتا پہلی حالت اس بیداری احساس کے قائم مقام رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر غفلت سے بچائے اور ہر طرح کی بیداری عطا فرماوے۔ آمین۔

(فضل احمد)



## گزارش احوال

حضور قبلہ عالم پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد عمر بیرباوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی بڑی خدمت کی۔ زندگی تصوف کی خدمت میں گزار دی۔ حقائق تصوف کی تعبیر جدید میں حضور سے بڑھ کر ہم نے نہ کوئی تحریر پڑھی، نہ کوئی تقریر سنی۔ اور حضور کو خود اس امر کا احساس تھا اور ہمیشہ خواہش رہی کہ لوگ حضور کی تحریریں پڑھیں اور سمجھیں۔ آپ فرماتے کہ لوگ تیرتی نگاہ سے اخبارات کی طرح فن کی کتابیں پڑھتے ہیں صاحب فن بھی اس طرح پوسے معافی اخذ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ طالب فن۔ حضور فرماتے مہری تحریریں بار بار پڑھیں تحریریں خود آپ سے ہم کلام ہوں گی اور اپنا مفہوم خود پیش کریں گی۔“

انقلاب الحقیقت میں نے اُس وقت پڑھی جب حضور کی محبت کی چوٹ دل پر تازہ لگی تھی۔ لفظ لفظ پر آنسو تھے اور فقرہ فقرہ پر ٹھکھی بندھ جاتی۔ بعد میں حضور کا دیدار ہی اور آپ کی گفتار ہی آپ کی تحریرات کی قائم مقام رہی۔ آپ جو کچھ لکھتے وہ بار بار بیان بھی ہوتا۔ صرف پڑھنے میں تو دیدارِ یار کی کمی بھی رہتی لیکن سننے میں تو یہ نسبت در آتش ہو جاتی۔ سبحان اللہ! اب جبکہ حضور کی آواز لطیف پر دوں میں چلی گئی اور ہمارے کان مادی بندھوں سے پوری طرح نازاں ہوئے۔ اب حضور کی تحریریں آپ کی مجلسوں کی قائم مقام ہیں اور جیرانی ہے کہ تحریریں مجلس کی پاشنی موجود ہے۔ اور دیدار کا لطف تو جن کا مراتب اور تصور نچتے ہے وہ لے ہی لیتے ہیں۔

۵۔ دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار۔ جب ذرا گہ دن جھکائی دیکھ لی

انقلاب الحقیقت ختم ہوئی تو حضور کو یہ دلی شوق تھا کہ اب کے اس کی کتابت و طباعت کی نوعیت پوری طرح نئے ذوق کے تقاضے اپنے اندر رکھتی ہو۔ لیکن حالات سازگار نہ تھے ادارہ تصوف سلسبیل کی ذمہ داریوں سے بھی بصد مشکل عہدہ بڑا ہو رہا تھا۔ تا آنکہ ملک محمد امین شرقپوری مرحوم نے کسی بھلے وقت میں اس کا مطالعہ کیا اور بہت محفوظ ہوئے اور کسی مجلس میں مجھے کہا کہ میں انقلاب الحقیقت کے تمام اخراجات برداشت کرونگا اب انقلاب الحقیقت اپنے جدید حاشیوں سے بھی مزین تھی۔ کسی کتاب کے سُن کو کاتب کا فن کمال دو بالا کر دیتا ہے۔ میری نگاہ انتخاب وقت کے بہترین کاتب قریشی محمد صدیق صاحب المعروف الماس رقم پر پڑی وہ کافی مدت سے مجھے محبت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ الماس رقم صاحب نے کتاب لکھی۔ جب امین شرقپوری کے سامنے کا پیاں مکمل پیش کی گئیں تو انہوں نے کتابت کی اجرت نوازا کر دی لیکن کاغذ کی مہنگائی سے وہ خائف تھے۔ تاخیر مناسب سمجھی۔ حاشیہ لکھنے اور کتابت میں اتنی دیر لگی تھی کہ حضور پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ اس تاخیر پر

کچھ پریشان سے تھے جب میں نے ملک محمد امین صاحب کی ارادی تاخیر کا ذکر کیا تو حضورؐ فرماتے لگے کہ  
”اچھا چھپاتے رہنا“

میرا اتفاقاً وہیں ٹھنکا تھا کہ خدا خیر کرے یہ الفاظ کسی بھاری حادثے کی اطلاع دیتے ہیں۔ حکمت الہی محمد امین صاحب  
تو کتاب چھپواتے چھپواتے جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ اور حضورؐ قبیلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی وفات کا رنج  
بھی ہوا اور کتاب کی تاخیر کے لئے بھی آپؐ کچھ پریشان سے ہوئے۔ لیکن بہت ہی قلیل مدت گزرنے پائی تھی کہ  
قبیلہ عالم جانِ جہان بھی ہمیں داغِ جدائی دے گئے۔ یہ سال سارا غم کا سال تھا۔ ہماری آہوں کے دھویں ابھی ختم  
نہیں ہوئے۔ اور دل کے ریزے ابھی جڑے نہیں تاہم حضورؐ کی تمنا کہ انقلاب الحقیقت عمدہ روپ میں  
آئے۔ اس کے لئے ہم پوری جدوجہد کرتے رہے۔ اب عرسِ مبارک قریب تھا اور حضورؐ کی روح مبارک  
کافیض بھی ادھر متوجہ ہوا۔ اگرچہ مشکلات پہلے کی طرح موجود تھیں لیکن بہت سے پتھر پھڑکے اور خبر سے کی تیاریا  
ٹوٹ گئیں۔ کاغذ ادھار مل گیا۔ اور باقی طباعت اور جلد وغیرہ کے مراحل بھی بفضلہ تعالیٰ اسی طرح طے ہو گئے۔  
تختیہ۔ کتابت۔ طباعت۔ جلد وغیرہ سے مرکب آسمان کا ایک زیور آپ کے سامنے ہے۔ اس کو اپنے بازو کی زینت  
بنائیں اور انشاء اللہ یقین ہے کہ فیض کا یہ دربے بہا آپ کو خالی نہ چھوڑے گا اور روحانیت کی لطیف لہریں آپ  
کے طلبگاروں میں داخل کر دے گا۔ روحانیت کا راستہ طلب کی سواری سے اگڑے کیا جائے تو یہ کھٹن منزل آسان  
ہو جاتی ہے۔

اب آپ انقلاب الحقیقت کے بارے میں قبیلہ کعبہ پروردگار محمد مصطفیٰ علیہ السلام کی اپنے ہاتھوں  
تقریباً اپنی وفات سے چند ماہ پہلے آپ نے لکھی تھی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

(فضل احمد) مسجد عمر احمد پارک۔ موہنی روڈ لاہور۔ ۲ اگست، ۱۹۸۱ء بعد جمعہ

بسم اللہ، ربی اللہ، حبیبی اللہ، اعتمدت اللہ، ماشاء اللہ، لا قوۃ الا باللہ۔ طالبان حقیقت کا پیہم مطالبہ تھا کہ  
”انقلاب الحقیقت“ جلد شائع کی جائے۔ تبلیغ تصوف میں اس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہے۔ لیکن ہنگامی کے  
اس دور میں فیقروں کے ادارے کے لیے اخراجات طباعت ہم پہنچا نا جوئے شیر لانے۔ بعض مخلص احباب، مثلاً  
ڈاکٹر عبید الرحمن صاحب (ایم۔ بی۔ بی۔ ایس سرگودھا) میاں حمید الدین احمد صاحب (ماڈل ٹاؤن، لاہور) اور  
سید عبد سلیم صاحب (مالک آفتاب عالم پریس، لاہور) کی مساعی نے ہمارے لیے یہ مشکل حل کر دی۔

فجزاء ہم اللہ خیر الجزا۔  
الحمد للہ، تیسرا ایڈیشن شائع ہو گیا۔ آپ محبت اور توجہ سے پڑھیں۔ بار بار پڑھیں۔ تاثیریں آپ کے پڑھنے  
کی منتظر ہیں۔ ناچیز، فضل احمد۔ مورخہ ۲۸ رجب المرجب، ۱۴۰۲ھ، ۲ جون ۱۹۸۱ء

# حضورِ قبلہ عالم

## کے اپنے قلم سے



انقلابِ الحقیقت کے طبعِ اول کے وقت فقر غالب تھا۔ فقر نے ہی جو کچھ لکھوایا، لکھوایا۔ میں خود نہ تھا اور ظاہری حال بھی فقر سے پر تھا۔ یعنی تنگ دستی اور تہی دستی۔ ہر طرف قرض ہی قرض تھا اور بیوی کے زیور بیچ کر طباعت کرائی گئی۔

خیال تو تھا کہ اشاعت کے ساتھ ہی مصارف بھی آجائیں گے کیونکہ حضرت قبلہ میاں صاحب کے چہلم پر جو کتابچے میاں حسن علی نے شائع کیا تھا جس کے کل صفحات ساٹھ ستر کے قریب تھے وہ ایک ہی مہینہ میں تمام کا تمام نکل گیا۔ اب تازہ تاثرات نہ تھے۔ اہل طریقت کو دنیا جانتی ہے۔ کہ تصوف کی بنیاد مشاہدہ، محاذہ اور مکالمہ پر ہے یعنی مسند ارشاد کا دیکھنا دکھانا اور سنا سنانا۔ کسی صورت بھی وہ مطالعہ کتب کو مراقبہ حضور پر ترجیح نہیں دیتے۔ انہ کا وقت مراقبوں میں گزرتا ہے۔ مطالعہ مسیر، اپنا وقت دایگانے نہیں کوٹتے۔ بایں ہمہ متقدمین صوفیائے کرام اور اولیائے عظام پڑھنے پڑھنے پڑھاتے تھے لکھتے تھے لکھواتے تھے بھلا کونسا سا لک ہے جو قرآن حکیم، حدیث پاک، فقہ اور کیفیت تصوف سے بے نیاز ہو سکتا۔ سینکڑوں کتابیں تصوف پر صوفیائے کرام نور اللہ مرقدہم نے لکھیں اور ہزاروں کا مطالعہ فرمایا۔ وہ مراقب بھی ہوتے تھے اور مطالعہ بھی فرماتے تھے اور درس تدریس سے بڑھ کر مسند رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بیٹھ کر وعظ فرماتے تھے۔

اس صورت میں کتاب کیا فروخت ہوتی چنانچہ میں نے جب انقلاب کے چند نسخے حضرت شاہ صاحب کیلیا نوالے کی خدمت میں پیش کئے تو فرمایا کہ اگر حضرت میاں صاحب کے حالات ہیں تو ہم اس سے زیادہ جانتے ہیں۔ اگر کچھ اور

لے حضرتنا علی امیراں پیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں بعض اور کتابیں بھی لکھی گئیں۔ خزینہ معرفت، حیات جاوید۔  
آفتابِ ولایت، شیرِ بانی وغیرہ۔

ہے تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔

لیکن مستعد اور صاحب ذوق طبائع جن کا میلان علمی ہوتا ہے وہ ہر صورت گاہ گاہ ذوق مطالعہ سے بھی سرتار ہوتے رہتے ہیں۔ میری کتاب کی قیمت تو وہی تھی جو پہلے دن مجھے پچاس ساٹھ روپے مل گئے باقی میں نے مفت تقسیم کی بفضلہ تعالیٰ کتاب میں جامعیت و جاذبیت کامل اور ترتیب اعلیٰ تھی۔ اس لئے صاحب ذوق اور صاحب علم حضرات نے اسے بہت پسند کیا۔ اور علمی حلقہء طریقت سے میرے دستور تصوف کے طور پر تسلیم کئے گئے۔

تین سال بعد حضرت نور الحسن شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں کسی غیر معروف ذریعے سے انقلاب پہنچی تو سرسری مطالعہ سے اس کی جاذبیت اور جامعیت پر آپ کی تیز نگاہیں پہنچ گئیں۔ مطالعہ کے بعد جو مکتوب آپ نے لکھا وہ قریباً چار صفحات کا ہے۔ جس میں لکھا "میں شکستہ مگر تھا۔ کتاب پڑھ کر مہمت بندھ گئی" ایسے ہی بہت سے اکابرین کے خطوط موصول ہوئے۔ ملک محمد امین صاحب شرقپوری بھی اسی زمرہ کے اصحاب میں سے ہیں کہ جن کے دل پر انقلاب کی تحریر کا کامل اثر ہوا۔ ایک صاحب فن ادیب اور مصنف ہونے کی حیثیت سے ان کو اتنی پسند آئی کہ اکثر اپنی تحریرات میں اس کے اقتباسات اور حوالہ بات دیتے رہنے لگے۔

اب کتاب نایاب ہو گئی۔ اور اصحاب ذوق کو تلاش ہوئی جب ان کو پتہ چلا گیا کہ کتاب ختم ہے تو بعض اصحاب نے نہایت فراخ دلی سے اس کی اشاعت کی ذمہ داری پیش کی۔ لیکن سب سے بڑھ کر ملک محمد امین صاحب مدیر آئینہ وغیر نے کہا تمام اخراجات خود برداشت کریں گے۔ اور طباعت کے بعد تمام نسخہ جات ادارہ کے حوالہ کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کے بدلے ان کے کاروبار میں برکت ہو۔ لیکن کتابت کا مرحلہ حاجی فضل احمد صاحب کے ذمہ ڈالا گیا۔ مولانا نفاست پسند ہیں اور انہیں اس کتاب کے ساتھ گہری دلچسپی ہے۔ اس لئے انہوں نے کتابت کے لئے الماس رقم کو منتخب کیا جو سینکڑوں کتابوں کے استاد ہیں۔ چنانچہ ان کی نثرت کارگزاری کی وجہ سے ڈیڑھ دو برس میں کتابت تکمیل کو پہنچی۔ اور کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کے بعد اب دفتر آئینہ میں بھجی جا چکی ہے اور جلد ہاتھوں میں پہنچے گی لیکن جیسا میں اپنے مضامین میں لکھ چکا ہوں کہ میری تحریرات بغیر توجہ نہیں سمجھی جاتیں۔ اور اس نکتہ پر بہت کم لوگ پہنچتے ہیں جس نکتہ نظر سے میں نے لکھا ہوتا ہے۔ اس لئے میں درخواست کروں گا کہ میری تحریرات کو بار بار پڑھا جائے۔ خصوصاً انقلاب کو۔ یہ بہت بڑی کتاب مسائل سلوک پر ہے اور میاں صاحب کے حالات کے خدو خال دکھانے کے لئے عوام الناس سے لے کر خواص تک اور شکی مزاج لوگوں سے لے کر صاحب یقین تک اپنے مطالب ان کے مزاج کے مطابق انشاء اللہ پیش کرتی رہے گی۔ طریقت سے ناواقف لوگوں کو طریقت سے روشناس کرانے کی۔ سالکوں کے لئے رہنمائی کرینگی۔

اور شبکیوں کا شک دُور کرے گی اور صاحبِ یقین لوگوں سے خراجِ تحسین وصول کرے گی۔

طبع ہذا میں اسما ماکنہ اور مصطلحات تصوف کی وضاحت کے لئے ہر صفحہ کے نیچے تعلیقات دے دیئے گئے ہیں۔ تعلیقات مکہ می حاجی فضل احمد نے وضاحت کے لئے دے دیئے ہیں۔ بعض معلومات مہیا ہو گئے ہیں لیکن اصل افادیت اور مقصدیت کچھ آپ کی اس ذہنت پوری ہوگی۔ جبکہ کتاب ہذا کی فہرستیں مکمل ہوں گی۔ پہلی فہرست انقلاب کی حسبِ تہریہ دوسری فہرست ذکرِ محبوب الواصلین کی جس میں میاں صاحب کے حالات۔ افکار۔ تصرفات۔ عادات۔ انکشافات ایک مجموعی صورت میں لکھے جائیں گے۔ اور تیسری صورت میں مسائل السلوک والتصوف مکمل طور پر کتاب ہذا سے دکھانے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ فہرستیں حاجی صاحب موصوف ہی تیار کر رہے ہیں ان کا خاتمہ لکھتے وقت ہی ذہن میں تھا۔ کہ ہر پیرا گراف کا خلاصہ عنوان کی صورت میں لکھایا جائے۔

آخر میں میرے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مقبولیت عامہ نصیب فرمائے تاکہ لوگ تصوف سے روشناس ہو سکیں۔ آمین !

طالبِ دعا: محمد عمر کار، اللہ اکبر

بیٹھے تھے۔ اور آنحضرت کو رب العزت کی یاد میں کس طرح بیٹھنے کا طریقہ سکھایا۔ گویا یہ بھی تعلیمِ آداب کی جوہیں سمجھ گیا اور تلقینِ طریقہ فرمائی۔ ذکرِ قلبی کے لئے کسی آیات آپ نے تلاوت فرمائیں۔ اسم ذات۔ اللہ ہو یک دم دو اسم الگ الگ پڑھنے کو ارشاد فرمایا۔ الم نشرح ۱ بار اور اذ فقہ صبح ایک بار، اور الحمد شریف ۱۹ بار، سورہ حشر کے آخری تین آیات بعد شام سات بار اور درود شریف بعد تہجد بطور وظیفہ ۵۰۰ بار پڑھنے کے لئے فرمایا۔

زاں بعد آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ نماز تہجد پڑھا کرتے ہو میں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ ہر چیز کا جواب نہیں ہے۔ اور ذرا سا تقسیم فرما کر، رکعت نماز تہجد ادا کرنے کا ارشاد فرمایا میں نے عرض کیا کہ جاگ نہیں ہوتی۔ فرمایا کچھ تھوڑی دیر کے لئے طلوع فجر سے پہلے اٹھ بیٹھا کرو۔ جتنے میں چھ رکعت ہو سکیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ نماز میں جو درود شریف پڑھتے ہو۔ وہ پڑھ کر سناؤ۔ اس وقت عجب حالت تھی۔ میری زبان سے لڑکھڑاتے ہوئے یہ الفاظ نکلے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ فَرَمَا بَس اتنا ہی کافی ہے لیکن اتنا کیا کر وہ کلام مجید کی تلاوت سے پہلے یہ درود شریف تین مرتبہ۔ اور سورہ توبہ کی آخری دو آیات لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔ تین مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اور صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ كِي جگہ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اور وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كِي جگہ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ پڑھنا چاہئے۔ لیکن نماز میں پہلی صورت میں پڑھنا ہی اولے ہے۔ اور ان آیات

عل ذکر قلبی انقبندی سلسلے کا خاص انداز فکر کہ زبان خاموش ہو اور دل متوجہ الی اللہ اور ذکر ہو ویسے دل تو ہر انسان کا متحرک ہے لیکن ذکر کے خیال اور اس متحرک کے فخر سے اور کثرت ذکر سے دل سے عسوس انوار نکلتا شروع ہو جاتے ہیں اور حرکت قلب تیز ہو جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ مسلسل ترتیب سے تمام اعضا بدن ذکر سے معمور ہو جاتے ہیں بلکہ تمام بدن ایک لطیف بن جاتا ہے جو ذکر سے معمور رہتا ہے۔

ملا اور اذ فقہ حضرت امیر میر سید علی ہمدانی کی مرثیہ اوداد ہیں۔ آپ کی قبر مبارک سرنگر کشمیر میں ہے۔ اعلیٰ نماز تہجد سالک کے لیے فرائض مجاہدہ میں شامل ہے اور تمام سلاسل میں اس کی تاکید کی جاتی ہے کم از کم چھ رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں۔ دو دو رکعت کی نیت باندھی جاتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ فَرَمَا بَس اتنا ہی کافی ہے۔ اور تمہاری بھلائی کے بے حد طلبگار ہیں اور ایمان والوں کو بہت ہی مشفق اور نہایت مہربان ہیں اگر یہ لوگ سزا ہی کریں تو آپ کہیں کہ مجھے میرا اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہ عظمت والے عرش کا مالک ہے۔

کے بعد اَعُوذُ بِاللّٰهِ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ۔ پڑھ کر تلاوت کلام مجید کیا کرو۔

اور فرمایا اور اذ فتحہ۔ چالیس دن تو دو بار روزانہ پڑھنا تاکہ طبیعت میں اثر پیدا کرے۔ لیکن بعد میں صرف ایک بار ہی کافی ہے۔ یہ اور اڑبڑے ہی بابرکت ہیں۔

فرمایا درود شریف کی بہت برکات ہیں۔ اور تمام سلسلوں میں الگ الگ معمول ہے ہمارے بزرگ درود خضریٰ پڑھا کرتے ہیں۔ اکثر دوست دو اڑھائی ہزار روزانہ پڑھتے ہیں لیکن پانصد ہی کافی ہے۔ میں کبھی چار پانچ ہزار بھی پڑھتا تھا۔

فرمایا کہ میں ہاتھ پکڑ کر کسی کو بیعت نہیں کرتا۔ لیکن تم ہاتھ پکڑ کر جو طالب حق آئے بیعت کر لیا کرنا۔

پھر فرمایا۔ صفاتی نام میں بڑی برکت ہوتی ہے۔ اور خواجہ الحدیث صاحب ابتدا ہی وطنہ کے لئے فرماتے جو کوئی پوچھے۔ یا کریم۔ یا رحیم بتلایا کرو۔

یہ میری طرف سے نہ سمجھنا بلکہ اپنے آبا و اجداد کی طرف سے سمجھنا، اور آپ نے فرمایا کہ اپنے والد صاحب یا جد امجد صاحب کو اپنا پیشوا خیال کرنا۔ جو کچھ حضرت صاحب کیسے کہتے تھے۔ وہی کرتے رہنا اس میں سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔

اس کے بعد مجھے سینہ سے لگایا۔ اور دیر تک بغل گیر رہے۔ اور آپ کے وجود مبارک سے اس طرح آواز آتی تھی۔ جس طرح کوئی چیز اندر سے باہر نکالنا چاہتا ہے۔ اور شاید یہ آواز تین بار

ع۔ میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذمہ داری سے ہوئے شیطان سے۔

ع۔ درود خضریٰ: صَلَّى اللهُ عَلَى حَبِيبِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ۔

ع۔ بیعت کا طریقہ تمام سلاسل میں۔ بیعت الرضوان کی طرح ہے۔ مقام مدینہ میں صلح مدینہ سے پہلے حضور نبی اکرم

پرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر ان سے بیعت لی تھی۔

آئی۔ پھر ہاتھ ملا کر خصمت فرما دیا۔ کہ اب کل کھانا کھا کر چلے جانا۔ ہاں پھر صبح بھی ملیں گے۔ اور فرمایا کہ اپنے دادا صاحب کی قبر بیٹھنا۔ جتنا ہو سکے اتنا ہی رہنا۔ اور فیوض حاصل کرنا۔ آپ کے حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ اویسی نسبت عجب نسبت ہے۔ تیسرے دن میرے ساتھی اور رفیق میاں کرم الدین صاحب بھی گھبرا کر آگئے۔ یہ حضرت اعلیٰ صاحب کے خادم اسی طرح کچھ زمانہ رہے تھے۔ جس طرح اب میاں دین محمد صاحب آپ کی خدمت میں۔ والد علیہ الرحمۃ کے ساتھ بھی پر از اخلاص زمانہ گزار دیا۔ اور اس گنہگار کے ساتھ بھی نہایت عقیدت سے وقت گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

نیچے کے مکان میں ایک حکیم صاحب بنگلہ فاضلہ کا کے رہنے والے شمال کی جانب۔ میں اور میرا ساتھی جانب شرق اور خضری گلی (لاہور) کا ایک نوجوان میڈیکل کالج کا طالب علم جنوب کی طرف بیٹھے تھے۔ حکیم صاحب ایک معزینک صورت آدمی تھے۔ حضور تشریف لائے اور حکیم صاحب کے پاس دو زانوں گھٹنوں سے گھٹنے ملا کر بیٹھ گئے۔

آپ نے اپنے معمول کے مطابق (جیسا کہ بعد کو معلوم ہوا) بے دینی رسوم بد اور فرنگیت کا ذکر بایں الفاظ شروع کیا۔ کہ جس کلمہ شریف کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا اور اپنے صحابہ کا خون بہا کر لیا تھا آج مسلمان اس کو مفت دے رہے ہیں، جس داڑھی کے لئے سرور کائنات نے تمام مصائب اٹھائے تھے۔ اس کی مسلمان آج ذرہ بھر بھی قدر نہیں کرتے۔ نام کو مسلمان اندر سے کافر۔ فرنگیت کے غلبے نے اسلام کو تباہ کر دیا۔ اسلام کا

فیوض فیض کی جمع ہے اس کے معنی ہیں پانی کا بہنا۔ اہل تصوف میں یہ اصطلاح عام مستعمل ہے، اس سے مراد انوار کا نزول ہے مرقی کے سینے کے انوار مرید کے سینے میں ارادہ سے اور بے ارادہ آتے ہیں۔ ان انوار کی آمد کو فیض کہتے ہیں، جس کی مختلف صورتیں ہیں کبھی تو انوار کی بارش سینے پر برستی معلوم ہوتی ہے اور یہ بارش سامنے برستی بھی محسوس ہوتی ہے، کبھی جسم میں لطیف لطیف جھلکے محسوس ہوتے ہیں۔ کبھی غنودگی چھا جاتی ہے۔ اسی نسبت، حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ منسوب ہے۔ آپ جذب کامل رکھنے والے تابعی تھے اور عشق سرور کائنات میں سرمست۔ اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر زیارت نہ کی تھی۔ اسی واسطے باطن کی ایسی نسبت کو اویسی نسبت کہتے ہیں کسی غائب بزرگ سے محبت کی نسبت یا کسی صاحب قبر سے باطن کی نسبت جس میں جذب کی کیفیت غالب غالب ہو، کو نسبت اویسی کہتے ہیں۔

انگریزیت: انگریز کی سکیم تھی کہ وہ دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں خود مسلمانوں کو کھڑا کر دے اور ان کے دل سے دین اور دین کے لوازمات کی محبت نکال کر نفرت پیدا کر دے اور غلط نظریات اور غلط قسم کا معاشرہ ایسا پیدا کر دے کہ اسلام صرف نام کا اسلام بن جائے۔



نام ہی نام ہے وغیرہ۔ ابھی آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ نوجوان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کچھ کھوڑی ہی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ حکیم صاحب کے رخسارے بھی تر ہو گئے۔ زماں بعد میرے رفیق کے آنسو بھی پھوٹ آئے۔ مجھے بہت ہی کم رونا آتا تھا۔ لیکن اس کے بعد میرا نمبر بھی آگیا غرض چاروں پرغم آنکھوں سے سر ڈالنے بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن نوجوان کی نوچیں دیکھا تک بہت آگئی تھی۔

زماں بعد حضور میرے سامنے حسب دستور تشریف لائے۔ اور توحید کے مندرجہ ذیل اشعارِ محویت کے عالم میں پڑھتے گئے۔

ہر چہ آید در نظر از خیر و شر	جملہ ذات حق بود اے بے خبر
اوست در ارض و سماء و لامکان	اوست در ہر ذرہ پیدا و نہاں
پاس دارا نفاس سے اہل خود	تا ترا این قافلہ منزل برد
اوست پیدا و نہاں و آشکار	جلوہ پاک دست در ہر شئی نگار
ہوش در دم دارا سے مرد خدا	یک نفس یک دم مباش از حق جدا
نہی گوداں از دل خود ماسوا	تا نہ گنجد در دست غیر از خدا
زنگ دل از صیقل لاپاک کن	سینہ با تیغ محبت چاک کن
اے کہ بودی در حرم لامکان	چوں جدا گشتی بگور از نہاں
پاک بودی در۔۔۔ ریم کب ریا	از چہ پیدائش ترا حرص و ہوا

علاج دل سے جو آواز نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

۱۔ اشعار کا ترجمہ: ۱۔ بھلائی اور برائی سے جو کچھ بھی نظر آئے، وہ تمام کا تمام ذات حق کا جلوہ ہے ۲۔ زمین و آسمان اور لامکان میں وہی ہے، وہی ہر ذرہ میں ظاہر اور پوشیدہ ہے۔ ۳۔ اپنے سانس کی نگہبانی کر اے عاقل، تاکہ تجھے یہ قافلہ منزل مقصود تک پہنچائے۔ دم دم کے ساتھ اللہ اللہ نکلے اور یہی ذکر کی کثرت کا قافلہ منزل مقصود پر پہنچانے والا ہے۔ ۴۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے اور وہی جلوہ نما ہے اسی محبوب نے ہر ایک چیز میں جلوہ دکھایا ہے۔ ۵۔ اے خدا کے مژہوش کو سانس میں رکھ (ہوش در دم نقش بندی سلسلہ میں یہ اصطلاح ہے) اور ایک سانس بھی اللہ تعالیٰ سے جدا نہ ہو۔ ۶۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کی اپنے دل سے نفی کر دے تاکہ تیرے دل میں سولے اللہ تعالیٰ کے کچھ بھی نہ سمائے۔ ۷۔ اپنے دل کے زنگار کو لا (نفی ماسوا اللہ کی ریتی سے صاف کر دے اور اپنا سینہ محبت کی تلوار سے چاک کر دے)۔ ۸۔ اے انسان! تو تو لامکان کا ساکن تھا۔ تو کیسے جدا ہو گیا مجھے یہ چھپا ہوا زنبور تھا۔ ۹۔ تو تو کبر باطل جلال کے خاص پرروں میں تھا، تجھے لالچ اور خواہشات کہاں سے آگئے۔

خوش خرابیدی تو اذکتم عدم خوش نہادی برسہرستی قدم  
 زان بعد آپ نے مصافحہ کیا۔ اور چوتھے نوجوان سے جا کر فرمایا: "کہ کیا کہنا چاہتے ہو۔  
 اس نے جیب سے رقعہ نکالا۔ تو آپ نے فرمایا میں رقعہ وغیرہ نہیں جانتا۔ کچھ کہنا ہے تو کہہ لو۔  
 لیکن وہ اسی پر مصر رہا۔ اور روتا رہا۔ آخر آپ نے فرمایا: "کہ ہر کام سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھ لیا  
 کرو۔ رقعہ وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور آپ بالاحانہ پر تشریف لے گئے۔

سبحان اللہ نوجوان نے اپنی رومی ٹوپی پر چادر ڈال لی۔ اور لاہور تک پریم آنکھوں میں  
 سرمد ڈالے موڑ میں آیا۔ میری بھی عجب حالت ہو گئی۔ نہ

نہ تو میں رہا نہ ہی تو رہا جو رہی سو بے خبری رہی

جب میرا رفیق مجھ سے لالہ موسیٰ آکر جدا ہوا تو میں نے اپنے اندر نظر دوڑانی شروع کی  
 لیکن میں تمام تبدیل ہو چکا تھا۔ میری تمام خواہشات۔ میرے خیالات۔ میرے اطوار حتیٰ کہ میرا  
 جسم سب نے ایک دوسرا رنگ لے لیا۔ جس نے مجھے دیکھا کچھ اور ہی دیکھا۔ اجمعی لوگوں نے تعظیم  
 کرنی شروع کی۔ سچ ہے (پنجابی)

نظر جنہاں دی کیمیا سونا کر دے وٹ

اسی حقیقی انقلاب کا نام میں نے انقلاب الحقیقت رکھا۔

دل نے اقرار کیا ہے

قرار کے کردہ ام بادل نہ چیم سرازیں درگاہ

سراں جا بندگی اس جا، سجو و اس جا، نیا ز اس جا

۱۔ تو عدم کے پردوں سے اچھا آیا، اور ہستی کے عالم میں تو نے اچھا ٹھکانا کیا۔

۲۔ جن کی نگاہ میں کیمیائی تاثیریں ہوتی ہیں وہ مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں۔

۳۔ میں نے اپنے دل سے اقرار کیا ہے کہ اس درگاہ سے منہ نہ موڑوں گا۔ میرا سر بھی یہیں جھکے گا میری بندگی بھی یہیں ہوگی  
 اور میری نیاز مندی بھی یہیں ہوگی۔

صوفیائے کرام کی اصطلاحات میں سیر آفاقی۔ اور سیر نفسی کے خواہ کچھ ہی معنی ہوں۔ لیکن میں نے اپنی پہلی جلد و جہد تعلیمی و دینی و نبوی کا نام سیر آفاقی رکھا ہے۔ اور اس کے بعد جہد و جہد کا نام سیر نفسی۔ کیونکہ اب ظاہر (آفاق) کو چھوڑ کر باطن (نفس) کی سیر کو مقصود سمجھا۔ اور اس مقولہ مشہورہ کی طرف چلنے لگا۔ "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ" بعض احباب کو شاید اس پر کچھ تر دو ہو۔ اس لئے اس کے ساتھ اس آیت شریفہ کو بھی پڑھ لینا چاہئے۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ" اور "وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ" بھی پڑھ لیں۔

سیر نفسی کے محمل معنی "معاظت نفس خود کردن" یا "مراقب احوال خود شدن" رسمت خود در درون خود صرف نمودن۔ "دل نگاہ داشتن" "دل خود را در مقابل فیض او کردن" "در آئینہ دل بیدین" سب سے اعلیٰ "از ما سوا اعراض نمودن" جس طرح سیر آفاقی میں لاکھوں، کروڑوں عجائبات ہیں۔ اور دیکھنے والے کی طبیعت پر ان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ہی سیر نفسی کے کرنے والے کی طبیعت پر دار و مدار ہے۔ جتنی طبیعت بلند ہوگی۔ اتنی ہی سیر وسیع تر ہوگی۔ ظاہر و باطن سے بڑھ کر باطنی دنیا کے عجائبات نظر آئیں گے۔ سعدیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

برگِ درختان سبز و نظرِ مویشیار ہر ورقے دفترِ بیست نہ معرفتِ کردگار

بعینہ ہی حالت وہاں ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے۔ یہاں کائنات کی طرف توجہ بخنی اور نفس سے بے خبری اور وہاں اس کے برعکس۔

علی اصطلاح کی جمع ہے علمی اور فنی تشریحات کے لیے جو مختصر سے الفاظ وضع کیے جاتے ہیں اصطلاح کہلاتے ہیں۔

علا سیر آفاقی: ظاہری دنیا کی سیر علا سیر نفسی: اپنے باطن کی سیر (جس کے نتیجے میں انسان دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتا ہے)

علا جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔ علا تم ایسے لوگوں کی طرح مت بن جانا جو اللہ تعالیٰ کو بھول گئے (اس خدا فراموشی کی پاداش میں) اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے نفس فراموش کرا لئے۔ علا اور خود تباہی اپنے نفسوں میں (بہت کچھ پوشیدہ ہے) کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔ علا اپنے نفس کی حفاظت کرنا علا اپنے (اندرونی) احوال کی نگہداشت کرنا علا اپنی ہمت کو اپنے باطن میں صرف کرنا۔ علا دل کو محفوظ رکھنا (کہ غیر اللہ اس میں نہ آئے) علا اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کے فیض کے سامنے کرنا علا اپنے دل کے آئینے میں دیکھنا علا اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لینا۔ علا سبز سبز درختوں کے پتے ماحولِ آدمی کی نظروں میں ہر پتہ خدائے قدوس کی معرفت کا ایک دفتر ہے۔

## ساتھ کو پرانی کیسا پڑی اپنی بغیر تو

اس سیر سے وسعتِ نظر (دور و نزدیک برابر ہوتا ہے) وسعتِ علم (ہر ایک امر کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے) وسعتِ قوت (ہر طرح کے تصرف ہونے لگتے ہیں حتیٰ کہ اپنا نفس بھی تصرف سے باہر نہیں ہوتا) وسعتِ حوصلہ (پریشانی نام تک نہیں شداؤد اور مکائد پر صابر ہو جانا) پیدا ہو جاتا ہے۔

اس سیر کا مقصود کیا ہے؟ وہی "حَتَّىٰ يَتَّبِعَنَّ لَهُمُ اللَّهُ الْحَقِّ" ان دونوں سیروں کے بغیر یہ بات نہیں کھلتی جیسا کہ اس آیت کے مفہوم سے کھلتا ہے۔ سیر آفاقی تو جو دنیا میں آیا۔ اپنی آنکھ سے ظاہر اسباب سے کر لیتا ہے۔ لیکن سیر نفسی کی طرف توجہ کہاں۔ جب نفس کی طرف توجہ ہی نہیں۔ یا ہے تو آنکھ ہی نہیں۔ آنکھ بھی مل جائے تو سیر کرنے والا نہیں، تو بن رہا اس سیر بے پایاں کا کیا پتہ؟ کہ کہاں جا رہا ہوں۔ سیدھا یا الٹا۔ اور کہ اس منزل کا کیا نام ہے۔ اور میرا مقصود کیا ہے۔ اس سیر کے لئے کمال ہوشیاری مطلوب ہے اور اس سیر کا رہبر کامل۔

تم نے نہیں دیکھا کہ سیر آفاقی میں ہمارے بڑے بڑے رہنماؤں نے کتنی بڑی بڑی غلطیاں کھائیں۔ اور کتنے ہی اپنی رہنمائی میں ذلیل ہوئے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

وہی سیر نفسی کے علم سے ناواقف۔ کسی کے علم نے اسے گھٹا دیا۔ کسی کی نظر نے اسے گرایا۔ کسی کا حوصلہ بیٹھ گیا۔ اور کسی میں قوت نہ رہی۔ کوئی ایک بھی نہ بچا۔ الا ماشاء اللہ۔

۱۔ شداؤد۔ شدت کی جمع: سختی

۲۔ مکائد۔ مکیدت کی جمع: کمر و فریب (مراد دنیا اور اہل دنیا کی چالیں)

۳۔ یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔

۴۔ یعنی ظاہری علم کو سب کچھ سمجھ بیٹھا۔

۵۔ یعنی باطنی نگاہ کھل تو گئی لیکن کم ہمتی نے غیر محدود ذات کا خیال نہ کیا۔ اور قطرے کو دریا سمجھ لیا۔

۶۔ مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے۔

بھلا جسے اپنے پر تصرف نہیں۔ وہ ساری کائنات کو کبوتر صرف میں لاسکے۔ سیر نفسی والے (اللہ والے) لوگوں پر ایک نظر تو دوڑاؤ۔ کیا کیا ان لوگوں نے کیا۔ اور ان کے انجام کتنے بلند اور شاندار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان کے حق میں کتنا صحیح ہونگلا۔ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّكَ مِنَ الْأُولَىٰ۔

میں سچ کہتا ہوں۔ جس فقیر کا بزرگ کا، عالم کا، دیندار کا انجام اپنی ابتدا سے اچھا اور بہتر نہیں ہوا۔ وہ نہ فقیر ہے۔ نہ بزرگ۔ نہ عالم اور نہ دیندار۔

دور کیوں جلتے ہو۔ اسی مرد خدا کا جس کا میں مرقعہ لکھ رہا ہوں انجام دیکھو اور ابتدا دیکھو۔ اس نے دنیا کو اپنا انجام کتنا بلند اور شاندار دکھایا۔ سبحان اللہ وبحمده  
اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَىٰ

میں گھر آیا۔ میری عجب حالت ہو گئی۔ اجباب سے بے تعلقی اور خواہشات میں پڑمردگی آگئی۔ خلوت و انزوا میں بیٹھ گیا۔ گھنٹوں گزر جاتے لیکن خاموش۔ دنیا فانی کا نقشہ سامنے موجود۔

کئی بار خیال آیا۔ کہ کس طرح اس سرکش گھوڑے (نفس) پر چپکے سے بیٹھ گئے۔ جو کہ ایک مکھی سے بھی زیادہ بدکنتا تھا۔ اور کسی کو پاس آنا تو کجا قریب سے گزرنے بھی نہ دینا تھا۔ آخر ہوا کیا۔

۱۔ اور (اے نبی اکرم) آپ کی انتہا آپ کی ابتدا سے بہتر ہے۔

۲۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی تعریفوں کے ساتھ۔

۳۔ الہی تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور برکتیں نازل فرما اور سلامتی عنایت فرما۔

۴۔ انزوا۔ گوشہ نشینی۔

۵۔ کامل کی نظر کے اثر سے نفس خواہشات کی غلاطت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کو تزکیہ کہتے ہیں، گویا خواہشات مرحلے ہیں اس کو فنا کہتے ہیں۔ نفس فنا کی اثرات قبول کرے تو دنیا کا فانی ہونا سامنے آتا ہے۔

سوائے اس کے کہ شہ سوار کے کمال پر نظر پڑے۔ اور کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ میں وہی تھا اور نفس  
تارہ وہی تھا کس نرمی سے کس محبت سے اور کس جادو سے قید کیا۔

ایک طرف یہ حالت تھی۔ دوسری طرف یہ کہ ابھی بدستور منافقت ہے کسی سے یہ نہیں کہتا،  
کہ میرے سر کیا بیٹی۔ اور اپنی سرگزشت سنانے سے اسے عار آتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ لکھے پڑھے  
آدمیوں کا نفس بھی لکھا پڑھا ہوتا ہے۔ جو شرارت کسی کے دل میں نہیں آتی یہ اس کا ادنیٰ و طیرہ۔  
إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي - إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ

ہاں ایک پاک خیال بھی ساتھ تھا۔ کہ بعض موجودہ وقت کے مریدوں اور مجاوروں کی طرح  
میرا بھی انجام نہ ہو۔ اور اپنے ساتھ اس پاک ہستی کو بھی رسوائی نہ کر بیٹھوں لیکن اس راز سے ناواقف  
گفتہ اوگفتہ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

بھدا اللہ کہ آج تک لغزش نہ ہوئی۔ اس بارگاہ لایزالی سے پوری امید ہے کہ آخری دم  
تک اس پاک ہستی کے صدقے میرے قدم کو لغزش نہ دیں گے۔ اور قدیم الاحسان اپنی چادر سناری  
سے میرے عیوب کو ڈھانپنے رکھیں گے۔ اور ابتدا سے بڑھ کر انتہا پر رحم فرماویں گے۔  
رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

ع۱ مشرہ

ع۲ طریقہ - دستور

ع۳ یقیناً نفس برائی پر بڑا سرکش ہے۔ مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ بیشک میرا پروردگار غفور اور رحیم ہے۔

ع۴ اس کا کہا ہوا اللہ کا فرمان ہوتا ہے۔ اگر چہ اللہ کے بندے کی زبان (حلقوم، گلا) سے نکلتا ہے۔

ع۵ خدا کا شکر ہے۔

ع۶ ہمیشہ قائم رہنے والی بارگاہ۔

ع۷ ہمیشہ احسان کرنے والا۔

ع۸ پروردگار! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور رحم نہ کھائے گا تو ہم زیاں کاروں سے ہونچیں گے۔

# تربیت

حلقہ مریدی میں تو داخل کر لینا فی زمانہ آسان بات ہے لیکن تربیت مرید کرنا کالے داروں بعض مشائخ تو بالکل غیبیہ من طرف توجہ ہی نہیں فرماتے۔ اگر مرید کی استعداد اور محبت کامل ہوئی تو خود بخود کچھ لے نکلا ورنہ خیر حلقہ ارادت ہی کافی سمجھا جاتا ہے۔ بعض بزرگ تربیت دینے کے شائق تو ہیں لیکن کوئی ایک خاص تربیت مقصود بالذات کر لی جاتی ہے۔ اور اسی پر تمام قوت صرف کی جاتی ہے۔ چنانچہ ایک خاندان میں تربیت عملی (ذکر) سے کام لیا جاتا ہے۔ تو دوسرے سلسلہ میں تربیت روحانی (توجہ) کو مقصود بالذات سمجھا جاتا ہے۔ ایک تیسرا گروہ ہے کہ وہ تربیت علمی کے ادراک کو سلوک جانتا ہے۔ اور ظاہری پیروی حضور علیہ السلام اور سنت کے بغیر اندرون حقیقت سے واسطہ نہیں رکھتا۔ اور بعض چوٹی کے بزرگوں نے دو تربیتوں سے کام لیا لیکن حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ صالِحین کی طرح چو طرفہ تربیت فرمایا کرتے تھے اور کسی ایک حاضر ہونے والے کو واکذار نہ فرماتے تھے۔ بلکہ اپنی تمام مہمت صرف فرماتے۔ اور جو کچھ اس کی قوت میں ہوتا تھا۔ اسے باہر نکال کر چھوڑتے۔ اور جس جس تربیت کے لئے کوئی استعداد ہوتا تھا۔ اس سے دریغ نہ فرماتے الحمد للہ کہ خاکسار کو ہر قسم تربیت دی گئیں۔

علم مراد باطنی قابلیت۔ یہی بہت بڑی تربیت رہتی ہے۔ اور اس کے بغیر کوئی جوہر جوہر قابل نہیں بن سکتا۔ اگر استعداد کامل کو تربیت کامل تو پھر نتائج دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہے۔ علم کسی کو اپنی بیعت میں لے لینا۔ علم حقیقت؛ شریعت ظاہر اجمال کی پابندی سکھلاتی ہے۔ طریقت؛ باطن کا راز نہ چلنے کا ہے اور حقیقت حقائق عالم اور حقائق اشیاء کا ظہور ہے اس کے آگے معرفت الہی ہے جو مقصود پیدائش عالم ہے اور اس مرتبہ کو پانے سے اپنی استعداد کے مطابق ذات و صفات الہی کا پر تو انسانی سینہ قبول کرتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

# تربیتِ عملی

اس تربیت کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ افعالی ہے۔ دوسرا حصہ لسانی۔

۱۔ افعالی کی بابت آنحضرت کا معمول تھا کہ سر سے لے کر آپ ایڑی تک حاضرین سے تارتا تے جو کوئی فعل یا معمول خلاف سنت نظر آتا۔ بلا تردد بلا تاحاشا اسے جا پکڑتے۔ جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ وہ پہلے اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کر لیتے۔

آدابِ مجلس سے تھا کہ آنے والا دامنِ قدم پہلے رکھے۔ دوزانو بیٹھے۔ اور اپنے سینہ میں

نظر جمائے رکھے۔ لباس میں کرتے پر عام خیال ہوتا تھا۔ کہ قمیض نہ ہو۔ جوتے پر توجہ تھی کہ سیاہ نہ ہو۔ آپ فرماتے تھے: "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا زرد رنگ ہوتا تھا۔" ٹوپی کو یا صرف پگڑی کو بہت برا جانتے تھے۔ آپ کی زبان فیضِ ترجمان پر اکڑ جوتا تھا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ صرف ٹوپی نصرانی پہنتے ہیں۔ اور صرف پگڑی یہودی۔ مسلمان آدمی دونوں

رکھتا ہے۔"

کئی بار ایسا دیکھا کہ جب کسی کی پگڑی میں سے چوٹی تنگی دیکھ پاتے تھے فرماتے۔ اور ٹوپی منگا کر اپنے دستِ مبارک سے پہنا دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک بوڑھے ساربان کو آپ نے ٹوپی

ابقہ حاشیہ صفحہ ۲۶

علا سلف: گذشتہ بزرگین دین۔ صالحین: صالح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں عمدہ کام کرنے والا۔ مستعد: صاحب استعداد۔  
ع ہر کے راہر کار کا مقصد۔ کام کی تقسیم استعداد پر ہے، اسی طرح باطن کی بھی مختلف استعدادیں ہیں اور وہی شخص تربیتِ نفس کو اپنے جس کو قبول کرنے کی استعداد ہو۔ علامتیں ہم کی تربیت: علمی (ظاہر) تربیت کی اتباع) عملی (ذکر) روحانی (توجہ)۔  
حاشیہ صفحہ ۲۷۔

علا یعنی جو لوگ خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہوہ اپنا ظاہر ٹھیک کر لیتے اور ظاہر آداب سیکو کر جاتے۔  
علا تامل یعنی ہونا (لفظی معنی آگاہ کرنا۔)



پہنائی۔ سبحان اللہ! اسی وقت اسی کی صورت میں نور آگیا۔ لیکن آپ فرمانے لگے۔ ”میں تو پیروی سنت کے لئے ٹوپی پہناتا ہوں۔ لیکن بعض لوگ خیال کر بیٹھتے ہیں کہ یہ خلافت کی کلاہ ہے مجھے خلافت سے کیا واسطہ ہے!“

ایک بار بوڑھے ہندوستانی صاحبزادی صاحبزادی سے تعلق رکھنے والے کسی ضرورت (دیوبندی) دعا کے لئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے دعا کے لئے بہت التجا کی۔ پہلے آپ حسب عادت انکار فرماتے رہے۔ لیکن آخر رحم غالب آگیا۔ آپ نے ہاتھ اٹھا کر ان کے لئے دعا کی اور ہاتھ ملا کر رخصت فرمایا۔ لیکن جب وہ جوتے چمنے لگے۔ تو آپ کی نظر جوتے (سیاہ گرگابی) پر جا پڑی آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ”کہہتے ہیں بزرگوں سے تعلق ہے اور یہ سن (عمر) ہے۔ پھر بھی انگریزی سیاہ جوتے نہ چھوڑا۔“ وہ بے چارے معافی اردو زبان میں مانگتے تھے کہ جی حضور پھر نہ پہنوں گا۔ آخر آپ نے ان کی گرگابی پکڑ لی۔ اور ناپنے لگے جب آپ ناپ چکے۔ تو میاں دین محمد صاحب سے کہا کہ میرا جوتا جو آیا ہے اس کو لے آؤ۔ جب انہوں نے پیش کیا تو پھر اُسے ناپا۔ اور بوڑھے میاں کے قدم کے سامنے کیا ”کہ پہنو درست آتا ہے“ جب ان کو درست بیٹھ گیا تو آپ نے دوسرا جوتا بھی ان کے سامنے کر دیا اور پہنا دیا۔ زان بعد بوڑھے میاں حسب عادت ملک ہندوستان سلام کرتے جاتے تھے۔ اور آپ گرگابی کے لے جانے کے لئے اصرار فرماتے۔ آخر ان کے ہاتھ میں آپ نے دے دی۔ سبحان اللہ! یہ ہے پیروی سنت۔ اور یہ ہے عشق و محبت آں سرور کائنات علیہ التحیۃ والسلام اور یہ ہے۔ ایثار۔ اور یہ ہے تواضع

علیہ السلام آپ کے دست مبارک کا تھا علامہ حضرت علاؤ الدین صاحب سے منسوب ہے اور آپ حضرت شیخ بابا فرید کے خلیفہ تھے مزار مبارک کلیہ شریف۔ چشتی سلسلہ حضرت شیخ فرید سے دو شاخوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک نظامی و دوسرا صابری۔ نظامی، حضرت نظام الدین محبوب الہی سے منسوب ہے جن کا مزار مبارک دہلی میں ہے اور چشتی کے ساتھ نظامی یا صابری کی نسبت لگتی ہے علامہ سن۔ عمر۔ بڑھاپے میں لباس میں جوانوں کا سا تکلف ناپسند ہوتا ہے۔ نیک محبت کا ایک ظہور یہ ہے کہ شکل صورت، لباس وضع محبوب ہی کی پسند ہوتی ہے۔ آپ پروردگار سلام ہو۔

علیہ السلام۔ اپنے آپ پر ترجیح دینا۔

میری موجودگی میں ایک صاحب بزرگانہ صورت تشریف لائے۔ جن کو آپ نے کسی با  
 یاد بھی کیا تھا۔ اور حضرت شاہ صاحب کے متوسلوں سے تھے۔ اور تھانہ شرفپور میں کسی زمانہ میں  
 حوالدار رہ چکے تھے۔ اچانک فقر کی لگن میں ملازمت سے الگ اور سیاح ہو چکے تھے۔

باہر گورستان ڈاہر انوالہ میں انہوں نے ڈیرا کیا۔ بہت کچھ سنتے سنا تے تھے۔ قمیص پہنی ہوئی  
 تھی۔ اور بالکل سادہ لباس تھے۔ ان کے ساتھ آپ مجلس خاص فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن تو  
 گذر گیا۔ آپ نے نہ ٹوکا۔ دوسرے دن آپ نے فرمایا: ”یہ خلاف سنت ہے۔ اور تپتے  
 بہ نصارے“ انہوں نے کچھ چنداں پرواہ نہ کی۔ تیسرے دن آپ نے۔ ان کی آستین پکڑ کر  
 کف پھاڑ دیئے۔ انہوں نے ہر چند کہا۔ میں خود پھاڑتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ تکلیف میں ہی  
 کر لیتا ہوں۔ آپ کیوں کریں؟ چوتھے روز جمعہ تھا نیا کرتا پہنا دیا۔

آپ نے فرمایا۔ میں پانی پیت گیا۔ امام صاحب تشریف لائے۔ تو بلا عمامہ ٹوپی ہی  
 سے جماعت کرانے لگے۔ میں نے کہا: ”کہ عمامہ کہاں؟“ تو وہ کہنے لگے۔ یہ ٹوپی درباری ہے۔  
 ”میں نے کہا کس کے دربار کی۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ٹوپی اور عمامہ سے  
 جماعت فرمایا کرتے تھے۔ یہ کس دربار سے آئی؟“ امام صاحب نے کہا۔ کہ یہ دربار انگریزی سے  
 اجازت ملی ہے کہ دربار میں ٹوپی ہی سے آجایا کرو۔ اتنے میں میں نے اپنی پگڑی نصفاً نصف  
 کر دی۔ ایک نصف ان کے سر پر بند ہوا دیا۔ دوسرا نصف اپنے سر رکھ لیا۔ اور کہا، کہ اب

عکس عاجزی اور کمتری

عکس حضرت شاہ صاحب سے مراد شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی سے۔

عکس متوسل۔ توسل کرنے والا۔ وسیلہ بنانے والا یعنی مہدی۔

عکس تشابہہ نصاریٰ۔ عیسائیوں سے مشابہت۔

جماعت کراؤ۔ تو وہ حیران ہو کر مجھے دیکھنے لگے۔ جب ان کو معلوم ہوا تو معافی مانگی۔

ایک بار آپ نے مجھ سے فرمایا کہ شریعت تو رسول سکھا دیتے ہیں۔ اگر پیر نے ادب بھی

نہ سکھایا۔ تو پھر کیا کیا۔ اور سچ یہ ہے کہ طریقت کی جان بھی ادب ہے۔ ع

بے ادب محرومِ مشقت از لطف رب

اور طریقت کا لباس بھی ادب ہے۔ ع

ادب تا جسیت از لطف الہی

زمانہ حاضرہ میں فرنگیت کے زور نے تمام لوگوں کی صورتیں مستحکم کر دی ہیں۔ اکثر دیکھا

ہے کہ نمازی بھی ہیں۔ صومِ صلوة کے پابند بھی ہیں۔ لیکن چہرہ ہے کہ فرنگیانہ۔ نہ ڈاڑھی ہے نہ

مُوچھ۔ یا ڈاڑھی صفا۔ موچھیں بڑی بڑی۔ یا سر پر فرنگیانہ صورت کے بال تراشے ہوئے۔ جب

کوئی صورت بھی ایسی آپ کے سامنے آجاتی۔ بیتاب ہو جاتے۔ اور اپنے اس مقولہ کے مطابق

کہ ”مسلمان آدمی جب کسی امر خلافِ شریعت کو دیکھے تو ایسا ہو جائے۔ جیسا بھوکا بھیرا کبری

پر۔ آپ ایسے ہو جاتے۔ چنانچہ کئی ایک اشعار بچشمِ خود دیکھے۔ ایک دو واقعہ لکھتا ہوں۔

جمعہ کے دن آپ کا معمول مطابق سنت سید آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا کہ آپ

غسل فرماتے۔ لباس تبدیل فرماتے۔ ملنے والوں کے لئے یہ دن انتظار کا ہوتا تھا۔ اور بہت سے

لوگ جمع ہو جاتے۔ تو آپ کو موقعہ نیچے نشتر لیت لائے کا ملتا۔ ایک جمعہ کو آپ جب بالا خانہ

سے نشتر لائے۔ تو زائرین سے مکان پر تھا۔ آپ حسبِ عادت داہنے طرف سے دیکھنے

ع۔ ہے ادب اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں سے محروم رہ گیا۔

ع۔ ادب اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا تاج ہے۔

ع۔ انگریزیت۔ اس بیٹھے زہرنے کٹی بلند استعدادیں برباد کیں۔ استقامت کے پہاڑ راستہ بھول کر ادھر آئے اور اپنی نسل

نسل کے لیے خدا پرستی کی راہیں بند کر گئے

ع۔ مسخ کرنا۔ بگاڑ دینا۔

ع۔ مقولہ۔ قول (بات)

ع۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات نے فطرت کی ہر جائز خواہش کو اپنا معمول بنا لیا اور ظاہر کی زینت اور صفائی کو بھی اپنے

سنت قرار دیا، اس لیے اہل سلوک و فقر کا وہ طریقہ جو سنت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو وہ ہر طرح محمود ہے۔

لگے۔ اور برابر بائیں طرف نظر دوڑاتے گئے۔ مگر خلافتِ عادت بائیں طرف سے ملنا شروع کیا۔ پہلے شخص کو بلا تردد فرمایا۔ کہ مسجد کو چلے جاؤ۔ دوسرے کو دیکھ کر بھی یہی فرمایا۔ تیسرے کے پاس آکر دوڑا تو آپ بیٹھ گئے۔ اور اس کے چہرے کو نہایت غور سے دیکھا اور پوچھا، کیا نام ہے۔ اُس نے عرض کی بہاؤ لہ۔ آپ نے فرمایا بہاؤ لہ کیا ہے۔ بہاؤ الدین نام ہو گا۔ ساتھ ہی آپ اپنا ہاتھ بڑھاتے گئے۔ اور اس کی منڈی ہوئی وارٹھی پر جا رکھا کہ بہاؤ الدین یہ کیا نام بہاؤ الدین اور چہرا یہ۔ مسلمان کے مسلمان بے ایمان کے بے ایمان۔ پھر تو آنا جذب آیا۔ کہ آپ بے اختیار ہو کر اس کی دونوں مچھلیں پکڑ کر زور زور سے کھینچنے لگے۔ اور فرمانے لگے تمہارا کلمہ تو یہ ہے۔ لا الہ الا اللہ انگریز رسول اللہ اور آہستہ سے طمانچے بھی چند لگائے۔

زاں بعد دریافت کیا کہ کس کے ہمراہ آئے۔ اُس نے کہا میاں صاحب کے ہمراہ۔ آپ نے کہا کون سے۔ تو اس نے ایک آدمی چھوڑ کر دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ اُس کو چھوڑ کر میاں صاحب کی طرف متوجہ ہو گئے۔ میاں صاحب ایک خوبصورت پچیس سالہ وارٹھی صفا نوجوان تھے۔ آپ نے نام پوچھا تو کہا حسین۔ آپ نے فرمایا کیا حسین ہے؟ اس نے کہا، جی ہاں۔ آپ نے ٹھوڑی سے پکڑ کر اُس کا منہ دائیں بائیں پھرایا۔ اور فرمایا دیکھو۔ یہ حسین کی شکل ہے۔ یہ حسین ہے۔ اتنے میں دو تین طمانچے آپ نے رسید کر دیئے۔ زاں بعد فرمایا۔ کہ کہو۔ لا الہ الا اللہ انگریز رسول اللہ۔ لا الہ الا اللہ لندن کعبۃ اللہ۔ وہ بے چارہ معیت سے لرز رہا تھا۔ اور مجلس بھی دم بخود تھی۔ اور برابر پڑھ رہا تھا۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ باپ داوا

عک دوڑا تو بیٹھا۔ التحیات کی صورت بیٹھا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے نام تربیت یافتگان کا یہی دستور ہے۔ زیادہ دیر تک اس طرح بیٹھنا کافی مشکل ہے۔ عادت سے یہ آسان ہو سکتا ہے یا پھر ذکر و فکرِ مستی اسے آسان بنا جاتا ہے۔ اچھا نام رکھنا انسانیت کی عزت ہے اور سالم نام سے پکارنا عزت افزائی ہے اور یہ ادب اور تقویٰ بنیاد ہے۔ عک جذب، اندرونی جوش۔ اور یہی ایک ایسی قوت ہے جو بے انتہا موثر ہے اور بعض خواص میں یہ اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔

عک یعنی اطاعت کرنی چاہیے تھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، تم عمل انگریز کی اتباع کرتے ہو اس لیے گویا تمہارا رسول انگریز ہے۔

بھی دیکھے تھے۔ اُس نے کہا کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کی صورت بھی یہی تھی؟ اُس نے کہا جی نہیں فرمایا کہ پھر تجھے کیا ہو گیا۔ میں نے سنا ہے کہ بزرگ تھے۔ اُن کی قبر پر اب بھی لوگ حاجات طلب کے لئے جاتے ہیں۔ کیا ایسے ہی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں ایسے ہی۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر تجھے کیا ہو گیا۔ پھر دو چار طمانچے اور لگا دیئے۔ زماں بعد فرمایا۔ کہ کتنے مربعوں کے مالک ہو۔ اس نے کہا کہ چودہ کے۔ آپ نے پھر دو طمانچے لگائے کہ اللہ نے اتنا دے رکھا ہے اور پھر یہ حالت۔ پھر فرمایا کہ کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ زماں بعد پوچھا۔ کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا ذیلدار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہاں کیوں آئے۔ اس نے عرض کیا کہ کپتان آیا ہوا ہے۔ اُس سے کچھ کام تھا۔ آپ نے نہایت نرم طبیعت سے فرمایا۔ کہ لوگوں کے فیصلے گھری کر دیا کرو۔ جتنا ہو سکے گھری مٹایا کرو۔ صورت و سیرت مسلمانوں کی پیدا کرو۔ انگریزوں کے افسر جو گھر آجائیں۔ ان کی خدمت کر کے ان کو مال دو۔ اور خود ان کے پیچھے نہ دوڑا کرو۔ اب تمہاری پیشی صاحب کے پاس کس وقت ہے۔ وہ چونکہ آپ کی طبیعت سے ناواقف تھا اس سے اُسے کچھ معلوم نہ ہوا بلکہ حیران اُس نے سمجھا کہ شاید پھر کچھ تادیب ہو۔ پھر فرمایا کہ دوپہر کا کھانا یہاں ہی کھانا۔ زماں بعد اُس کا ہاتھ پکڑا اور پر کی منزل میں اسے لے گئے۔

دہر شناسوں نے کہا کہ مار پیٹ تو بہت کھائی۔ لیکن حسین جس کام کے لئے آیا تھا۔ وہ ہو گیا۔

اس قصہ سے ہمیت۔ جلال و جمال۔ خلافِ شریعت پر غصہ اور اشراقِ غرض کتنی باریں

۱۔ اولیاء اللہ کی قبور اپنی اپنی تاثیرات میں مشہور ہیں۔ چونکہ فانی فی اللہ اور مقبول بارگاہِ الہی قبر میں دفن ہوتا ہے اس لیے قربِ الہی کے متلاشی وہاں مراقب ہوتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔ اور قبولِ دعا کا مقام بھی وہ ہوتا ہے اس لیے بعض دنیوی اغراض رکھنے والے لوگ بھی وہاں جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی حاجات پوری فرماتے ہیں۔

۲۔ اس سے مراد ہے کہ ظاہر، باطن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اقرار کرو۔

۳۔ تادیب۔ تنبیہ

۴۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کے جلال میں جمال پوشیدہ تھا۔ جس پر کچھ سختی فرماتے اس کا کام ہو جاتا۔ حضور کی طبع مبارک نہایت نرم تھی آپ رحیم تھے لیکن خلافِ شرع کام پر بھڑک اٹھتے تھے۔

ہیں۔ جو آپ کی ذات بابرکات کے لئے نظر آجاتی ہیں۔

جماعت کی سخت پابندی فرماتے۔ کسی کی مجال خادموں سے یا زائروں سے نہ ہوتی۔

کہ مشرق پور شریف حضور کے لنگر میں ہو۔ اور جماعت سے غائب ہو۔ مجھ جیسے سست و کاہل کی دو نمازیں بلا جماعت ہو سکتیں۔ وہ بھی ایک تو میں علیل تھا۔ اور عین وقت جماعت پیٹ کے اندر خلل ہو گیا۔ اور دوسری جماعت ظہر کے پونے گزر گئی۔

ایک دن امام دین خادم عصر کے وقت نلکہ سے پانی بھرتا رہا۔ اور اس بیچارے کو وقت معلوم نہ ہوا۔ آپ ایک دم نہ معلوم کیوں نیچے نشریف لائے۔ سوائے امام دین کے اندر کوئی نہ تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تو جماعت پر نہیں گیا۔ وہ بہرا تھا۔ آپ بے تاب غصہ سے ہو گئے۔ اور بار بار فرماتے کہ تمہارے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم نے جماعت کی پروا نہیں کی۔ لیکن اس نے کچھ نہ سنا۔ اتنے میں میاں دین محمد صاحب آپ کے خادم آئے۔ تو آپ نے فرمایا یہ کیوں نہیں یہاں سے چلا جاتا۔ انہوں نے کہا بہرا ہے۔ سنا نہیں آپ نے فرمایا کہ اس سے کہو کہ اب کی تو گزر گئی کہ تو نے سنا نہیں آئندہ جماعت میں نہ پہنچو گے تو نکال دوں گا۔

آداب جماعت کا ہمیشہ خیال رہنا۔ صفیں نہایت تاکید سے سیدھی کر والنے۔ اور قدموں کی طرف دیکھتے۔ اگر کسی کے پاؤں میں زیادہ یا کم فاصلہ ہوتا۔ تو آپ اپنے ہاتھ سے اس کے قدموں کے فاصلے کو درست فرماتے۔

خطبہ میں دوزانو بیٹھنے اور سینے کی طرف دیکھنے کے لئے ہمیشہ وعظ فرماتے۔ اور کسی کو

علا نماز اور جماعت اسلام کے اولین اصول ہیں طریقت میں بھی ان کو اولیت کا درجہ ہے۔ جلیل القدر اولیاء اللہ ہمیشہ سجد و سجد کے فریضے منقول بند پر پہنچے۔ نماز اور جماعت سے بے نیازی طریقت محمدی کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ ۲۔ جماعت کے آداب میں صفوں کو سیدھا رکھنا نہایت ضروری ہے۔ حضور سرکائنات علیہ السلام نے فرمایا اِسْتَوْدَادًا لَّا تَخْتَلِفُوْا فَا تَخْتَلِفُ قُلُوْبُكُمْ کہ صفوں کو سیدھا کرو اور ٹیڑھا نہ ہونے دو مبادا تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ اپنی خلافت کے زمانے میں صفوں کے اندر پھرتے تھے اور صفیں سیدھی کرتے تھے۔ سالک جزئیات میں اگر سنت کو ملحوظ رکھے گا تو عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے سرفراز ہوگا۔

۳۔ خطبہ جمعہ، نماز جمعہ کا ایک حصہ ہے۔ اس لیے اس کے بھی آداب نماز کے آداب سے ملتے جلتے ہیں۔ خطبہ میں دوزانو بیٹھنا۔ اپنے سینے کی طرف دیکھتے رہنا۔ اور سرنگے نہ بیٹھنا اور مکمل سنت ٹوپی پر گپٹی باندھنا ہے۔ اس لیے حضرت صرف ٹوپی کو پسند فرماتے۔

اس وقت ننگے سر یا ٹوپی پہننے دیکھ نہ سکتے۔ اور کوئی سامنے آجاتا تو وعظ میں اسی بات پر زور دیتے۔ لیکن خاص طور پر کسی کو نمایاں نہ فرماتے۔

آداب مسجد میں سے دامنے قدم سے داخل ہونا ننگے سر مسجد میں نہ بیٹھنا۔ دوزا نور نہنا۔ بلند آواز سے کلام نہ کرنا۔ اور تنگے نہ ٹوڑنا، پر اکثر زور ہوتا تھا۔

ایک بار میں مسجد سے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو پہلا لفظ آپ کی زبان نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مسجد کے تنکوں کو توڑنا خلاف ادب ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ میں اکثر الگ بیٹھتا تھا۔ اور کبھی خیال میں غرق ہو کر ایسا ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اس دن بھی یہ ٹوڑ موڑ رہی۔ سبحان اللہ کتنا کشف بلند ہے۔

آداب طعام میں تھا کہ کھانا سفرہ پر ہوتا۔ ہاتھ دھونے کی تاکید ہوتی۔ ایک زانو لٹائے اور دوسرا اٹھائے۔ کھانا کھایا جائے۔ اور دو دو چار چار کھائیں۔ سالن بچے تو پی لیا جائے اور برتن صاف کیا جائے فراغت کے بعد انگلیوں کو چاٹ لیا جائے۔ یہ تمام وہ باتیں ہیں جو سنت بھی ہیں۔ لیکن کسی کی توجہ موجود تمدن میں ان پر نہیں رہی تھی۔

حقوق اللہ سے بڑھ کر حقوق العباد کی طرف توجہ تھی۔ فرماتے تھے کہ اس میں دو حق ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کا اور ایک بندہ کا۔

اکثر خدا پرستوں کے پاس بیٹھ کر یہ فرمایا کرتے تھے ”جو کچھ ہیں معاملات ہی معاملات ہیں جو معاملات میں اچھا ہے وہی اچھا ہے۔ میرے نزدیک تو معاملات کا درجہ دیگر اعمال صالحہ

علا آداب مسجد: ذکر جو مفسد ساک ہے اور ذکر کے سوا ہر معرفت مقام ذکر میں ذکر کی مانع ہے۔ اس لیے پوری توجہ اور یکسوئی کی خاطر پابندی توجہ رہنا ضروری ہے، اور دربار خداوندی کی حاضری میں مقرر آداب کے ساتھ جانا اور بیٹھنا چاہیے۔  
علا فرنگی تہذیب نے کھانے کے آداب بدل دیئے ہیں ورنہ کھانے کا مسنون طریقہ وہی ہے جس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ پوری تاکید سے پابندی کراتے۔

علا معاملات: آپس میں برتاؤ کو کہتے ہیں۔ اچھا برتاؤ اسلام کا ماہر ناز دستور ہے۔ اخلاق محمدی کا نمونہ سامنے ہے حقوق العباد کی پرستش حقوق اللہ کے مقابلے میں ہے گویا عبادت گزار لوگوں کو اپنی دونوں آنکھیں یعنی (حقوق اللہ اور حقوق العباد) برقرار رکھنے کے لیے معاملات (یعنی دین باہم برتاؤ خوش خلقی وغیرہ) کا خیال رکھنا چاہیے۔

سے بلند ہے۔

ہمارے خانگی معاملات میں کئی طرح کے جھگڑے تھے! اور آپ اکثر ذرا ہنر مہربانی خود ہی استفسار فرماتے! اور حقیقت دیکھنے کے بعد فرماتے: "میں خوب جانتا ہوں۔ حق تمہارا ہے۔ لیکن تم ہی جانے دو۔ وہ خوش ہو جاویں گے۔" اس پر ذیل کا مسئلہ فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ جماعت کے داہنے طرف بہت ثواب ہے۔ اصحاب داہنے طرف کھڑے ہونے کے لئے

اکٹھے ہو جاتے پھر فرمایا۔ جو صف بقیہ کو پورا کرے۔ اس کو اس سے زیادہ ثواب ہے۔ پھر تمام پہلی صف میں پھیر ہونے لگی پھر فرمایا کہ جو اپنے بھائی کو جگہ دے کر آپ پیچھے ہٹ جاوے اس کو پہلی صف سے بھی زیادہ ثواب ہے۔ فرمایا اصل تو یہی ایسا ہے کہ ایسا حق دوسرے کے پیچھے

اور قربان کر دیا جائے۔"

سجادہ نشینوں عالموں اور مفتیوں کی خانہ جنگیوں سے اکثر آپ کو درد رہتا تھا۔ اور گاہ بگاہ بیتاب ہو کر علی الاعلان فرماتے: "کہ ان لوگوں نے ہم لوگوں کو تباہ کر دیا۔ چونکہ نظر مبارک نہایت وسیع تھی۔ تمام پنجاب کے بڑے بڑے گھرانوں اور خاندانوں کے واقعات سے آپ باخبر رہتے تھے اور نہایت درد سے یہ ذکر فرماتے۔ اور حقیقت حال کبھی نہ چھپانے کی بار بیربل اور مکان شریف کا قصہ و قضیہ احباب سے فرماتے۔ اور علاج سوچتے۔

یہ اس پاک ہستی کی برکت ہے کہ ان دونوں خاندانوں میں بہت کچھ اصلاح ہو گئی۔

آداب تو اور بھی بہت کچھ ہیں۔ لیکن آپ کا زیادہ زور اور آپ کی توجہ ان پر زیادہ اس

علاوہ ایسا ہے جس سے خلق خدا کی خوشنودی اور خائے الہی اور قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے، نفس پرستی اور اپنے آپ کو مقدم کرنے سے خلق خدا کی طرف سے نفرت اور اللہ تعالیٰ سے دُری ہوتی ہے۔ فقر و تصوف کا مقصد ہی قرب الہی ہے اس لیے فقیر کے لیے اس جذبے کی عملی تربیت از بس ضروری ہے۔ اولیاء اللہ کے زلزلے ناری، اگر استوحافی سے بہرور نہ ہوں تو عام دنیا داروں میں اور ان میں کچھ فرق نہیں اور ایسی صورتیں مادی قسم کے جھگڑوں کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہوتا ہے بلکہ جہز۔! کی اولاد میں تربیت یافتہ ہوتے ہیں ان کو نازیت یافتہ پریشان کرتے ہیں ان کی ذاتی خوبیوں اشار اور ہمدردی کے باوجود وہ انہیں تنگ کرتے ہیں۔ بیربل شریف مدلیے جلم کے کنارے ایک مبارک گاؤں سے تقریباً تین ہزار کی آبادی ہے اور حضرت قطب العالم محبوب الہی حضرت قلم شہنا مصنف بدظنہ کامولاً و مکین ہے (محشی) مکان شریف ضلع گڑھی پور بھارت میں ایک مبارک گاؤں جو حضرت امام علی شاہ صاحب مرشد علی حضرت میاں شہر محمد صاحب شہر قہرہ اور حضرت شاہ حسین بھونے والی رکار کا شہر ہے۔ یہ دونوں مقدس ہستیوں میں توفیق ہیں۔ ان کا اولاد کے خیال کی برکت سے حالات بدل جاتے ہیں بلا رزمہ کے آداب مثلاً آداب مجلس لباس صورت شکل جمعہ کے آداب جامعہ شرح بندہ، آداب مسجد آداب طعام پھر حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی پابندی آپس کے معاملات میں ایسا سے کام لینا اور دگندہ کرنا وغیرہ، آداب اسلامی وزراء کا معمول ہو رہا ہے۔



لئے تھی۔ کہ دوسرے صوفی۔ بزرگ شیخ۔ علم۔ مولوی اور واعظ ان کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ اور ان کا اعتبار ان کی نظر سے ساقط ہو گیا۔ اور کسی ایک کی بھی توجہ میں نے ان کی طرف نہ دیکھی۔ بلکہ خود اس رو میں چل رہے ہیں۔ تفریحاً ایک قصہ بھی لکھ دیتا ہوں۔

ایک دن یہ خاکسار مولانا احمد علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں ان کا ایک مخلص آپ سے ذکر کر رہا تھا کہ مولانا غلام قادر رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے محمد مظهر مہجور سے سنت پر میری تکرار ہوئی۔ کہ تم فاتحہ نہیں پڑھتے آمین نہیں کہتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب مولانا صاحب چلے گئے، تو باتوں باتوں میں میری طرف متوجہ ہو گیا۔ میں نے دبی زبان سے جواب دیا۔ کہ موجودہ زمانہ میں تو سنت پر چلنے والا مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ اس نے کہا کہ نہیں خدا کے فضل سے ہماری جماعت بہت ساری ہے جو سنت کے عاشق اور اس پر جان نثار ہیں اور ہر چیز سے اسے مقدم رکھتے ہیں۔ ذرا بعد میں نے نہایت مناسبت سے کہا۔ کہ اچھا بھائی صاحب یہ ٹرک ش کیپ سنت ہے؟ وہ خاموش! پھر کہا۔ فرمائیے۔ یہ فرنگیانہ چھوٹے ہال سنت ہیں یا کانوں تک۔ پھر خاموش! میں نے عرض کی کہ چادر رکھنا سنت نہیں؟ ذرا دیکھو تو سہی آپ کی جماعت میں پیروی سنت کہاں گئی ہے۔ بے چارہ چپ رہ گیا۔

بیچ تو یہ ہے کہ اس آخری زمانہ میں میں نے تو صرف حضرت قبلہ میاں صاحب کی ذات بابرکات کو دیکھا تھا۔ کہ جو کتاب و سنت میں نظر آیا۔ اس پر فعلاً قولاً کار بند ہو کر دنیا کو دکھا گئے۔ نماز کے اوقات کی سخت پابندی تھی۔ اور حاجی عبدالرحمن صاحب کی خدمت یہ ہی تھی۔ آپ

علی اعتبار ساقط ہو گیا۔ نظروں میں کوئی قیمت نہ رہی۔ علی مولانا احمد علی صاحب مرحوم امیر جماعت خدام الدین شیراؤالہ دروازہ لاہور بہت بڑے عالم تھے اور قادری سلسلہ کے مجاز تھے علمی اور حالی حلقہ ہر دور رکھتے تھے۔ ۱۴۔ رمضان ۱۳۸۱ھ میں فوت ہوئے۔ میانی صاحب لاہور کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ علی مولانا غلام قادر صاحب مرحوم بہت بڑے عالم اور صوفی تھے۔ بیگم شاہی مسجد تھی دروازہ لاہور میں قیام تھا۔ بھیرو ضلع شاہ پور کے رہنے تھے۔ تاریخ وفات ۱۹۔ ربیع الاول ۱۳۲۴ھ بیگم شاہی مسجد میں مدفون ہیں۔ علی سنت کو محدود مان کر عشق سنت کا دعویٰ کرنا آسان ہے۔ کہ فرخ یدین سنت ہے آمین بالجبر سنت ہے اور تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنا سنت ہے لیکن حضور پینور رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی مقدس کے ظاہر و باطن کے تمام اعمال و اشغال، حالات و کیفیات کو سنت ماننا اور ان کے حصول کے لئے کوشش کرنا مشکل سنت ہے اولیاء اللہ اور ان کے متبعین اسی شکل سنت کی اتباع میں اپنا ظاہر باطن درست کرتے ہیں۔ حاجی کے خلیفہ تھے اور ساری عمر اپنے پیر مرشد کی خدمت میں گزار دی وفات مزار مبارک تصور شریف۔ ضلع

اکثرۃ المحققین (جو اپنے اپنے مصارف سے چھپوائی تھی) احباب کو ہدیہ دیتے ہوئے فرماتے تھے کہ اس میں اوقات نماز کی بہت عمدہ تحقیق ہے۔

نوافل میں سے تہجد پر زیادہ توجہ تھی۔ اور اکثر چھ رکعت فرمایا کرتے تھے۔ مجھے بھی چھ ہی رکعت ادا کرنے کے لئے فرمایا۔ اس کے علاوہ میں نے کوئی ترتیب آپ کی زبان سے نہیں سنی۔ البتہ میں کہیں تو آیتہ الکرسی سورہ حشر کی آخری آیات۔ قل تشریف بکرار پڑھ کر لطف اٹھاتا ہوں اور کبھی سورہ بقرہ کا آخری رکوع۔ اور سورہ نور میں سے اللہ نور السموات پڑھ کر ذوق پاتا ہوں۔ اور گاہ سورہ انعام سے اِقْبِ الصَّلٰوةَ کا رکوع۔ اور خاص کر یہ آیت تشریف مجھے بہت بھلی معلوم ہوتی ہے۔

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ  
سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا

وقت ہوتا ہے تو بس تکرار یا سورۃ منزل کو دو گانہ میں جوڑ لیتا ہوں۔

البتہ ایک بار مجھے خیال آیا کہ آپ نے دوسرے نوافل کا ارشاد کبھی نہیں فرمایا۔ تو اپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرائض پر تو یہ نہیں فرمایا۔ کہ میں آنکھ اور کان بندے کا ہو جاتا ہوں۔ یہ صرف نوافل کا ہی درجہ ہے کہ انسان کو اس درجہ پر پہنچاتے ہیں۔ نوافل پر ہی یہ عنایت کہ جس طرف چاہو۔ منہ کر کے پڑھتے جاؤ۔ اور جو چاہو۔ تکرار کثیر پڑھو۔

ترتیب بالا میں مجھے ہمیشہ ہی ارشاد ہوتا۔ کہ جو کچھ حضرت صاحب (دادا صاحب) کرنے

۱۔ یہ کتاب حضرت سیدالادب الحاج حسین بھوسے الی سرکار کے حالات اور کلمات طیبات میں ہے اور حضور قطب العالم میاں صاحب نے اپنے خرچ سے چھپوائی۔  
۲۔ نماز تہجد۔ یہ وہ نماز ہے جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر فرض تھی اور صحابہ تابعین کے وقت تک عوام خواص عموماً تہجد پڑھتے تھے لیکن بعد میں جب علم نے غلبہ پایا اور سست قسم کے علماء مقتدا بنیہ سنت مبارک صرف مالکین طریقت کے لیے فوری قرار پائی۔ اکثر سلاسل میں ۱۲ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں حضرت میاں صاحب اور حضور کے خلفاء اپنے متوسلین کو ہر رکعت فرماتے ہیں۔

۳۔ اور آپ کہیں کہ لے میرے پورے رکوع اور مجھے داخل کر صداقت کا داخل کرنا اور مجھے نکال صداقت کا نکالنا اور مجھے اپنے ہاں سے ایک ایسا غلبہ عطا فرما جو دو گار ہو۔  
۴۔ حدیث مبارکہ ہے۔ وما يزال عبدی يتقرب الی بالنوافل حتی اجبتنا فاذا اجبتنا سمعنا الذی یسمع بہ ودمر الذی یصبر بہ ویدہ الی یطش بہا درجلہ الی یشی بہا (الحديث) ترجمہ: اور میرا بندہ نفلوں کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں۔ جب میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں مجھ سے سنا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں۔ مجھ سے دیکھتا ہے اور میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ مجھ سے پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے چلتا ہے۔

تھے۔ وہی کرتے جاؤ۔ کیونکہ ان دونوں بزرگوں کی طبیعت آپس میں بالکل یکساں تھی۔ انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر موازنہ دکھاؤں گا۔ یہاں پر اس پاک ہستی کا مرقعہ مولانا سوہاوی رح کے اشعار پنجابی سے دیکھتا ہوں جس کی تاکید آپر وی میرے لئے فرض کی گئی ہے۔

### اشعار

کروں میں صفت کیا مہن اُس واپس دی  
پڑھاؤں وچہ گزاری عسرداری  
اوہ علم ہے تے فائل ہے ولی ہے  
رہے مسجد دے اندر بیٹھا اوہ  
پیر مہر دی محبت ایسی رکھے  
جو ائی جس نے ہے سنت نبی دی !  
فقیری دا بھی واہ وافیض جاری  
خدا دے راہ وچہ نائیب نبی ہے  
کدی باجھوں ضرورت دے نہ لولے  
سو سنت دے پانی بھی نہ چکھے

یا حضرت اس عشق تیرے وچ عسرداری ساری  
اُجھالماں میں سمجھ ڈھونڈیا بہتے دھوئیں پھولے  
ہو رفیق غاراں وچ وڑ کے چھپ چھپ جتے گزارن  
شرع موافق طور صحابہ ابو بکر و اچھا لا  
میں بھی اس طفیلوں چا ہاں تیسری مددیاری  
ستھ صفناں وچہ اس جہا میںوں نظر نہ آیا مولے  
پیر میرا مسجد دی زینت مخلوقات سوارن  
ظاہر شغل زیادہ ایہا پڑھن پڑھاؤں والا

اوہ اک لحظہ جدا نا ہووے رب تھیں دے خاموش حیراں اس سبب تھیں

۱۔ نبی کی طبیعت جیسی ہوگی امت کی طبیعت بھی ویسی ہوگی۔ اسی طرح ولی اللہ کی طبع جیسی ہوگی مریدین بھی اسی سانچے میں ڈھلین گئے کیونکہ فقر فقیری کا مدار طبع پر ہے اور طبیعت ہی اولین فیض ہے جو کسی بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے پھر اس کی تربیت ہوتی ہے۔ پیر کی طبیعت اور مرید کی طبیعت میں مطابقت ہو تو پہلے دن فیض کا باب کھل جاتا ہے، جن بزرگوں کی طبائع آپس میں ملتی ہیں ان کے فیض کے نتائج بھی ملتے جلتے ہیں۔ مولانا محبوب عالم سوہاوی ساکن موضع سوہاؤہ ضلع گجرات۔ آپ حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ پیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اپنے پیر مرشد کے ساتھ کمال محبت تھی، ظاہری باطنی علوم میں لیگانہ تھے۔ اپنے پیر مرشد کی زندگی میں وفات پائی۔ مولانا حیرت معرفت الہی میں بہت بلند درجہ ہے اور ٹھوڑے خوش نصیب پر مقام حاصل کرتے ہیں۔

لوڑے ہر کوئی اس دولت نول باہجہ نصیب نہ پاوے  
کیڑا جس رس کرے سلیمانی تخت میرے ہتھ آوے

مدینے تک نہیں پہنچیں جسے دا دیکھے وچہ بیرل نامب نبی دا  
دوا شعار فارسی بھی دیکھ لیجے۔

نیست فقط ظاہر اور شرع باطن اور شمع حقیقت۔ بورع  
تن پئے تدریس مزع نشیں دل پئے تفتدیس بعرش بریں

آپ فرماتے تھے۔ کہ حضرت صاحب نے مستحب کو فرض کر کے ادا کیا۔ سبحان اللہ یعنی جس طرح فرض کی ترک سے نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح ان کے نزدیک ان کی نماز مستحب کے بغیر ادا نہ ہوتی۔

مرض الموت میں جب بر خوردار بشیر احمد (طو ل عمرہ) کو قاری صاحب نے پیش کیا۔ تو تلقین کرنے کے بعد فرمایا۔ "حضرت مولانا حافظ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی فنا دیکھو اور بقا دیکھو۔ وہ کیسی فنا تھی۔ اور کیسی بقا تھی۔ جتنا موقع ملے۔ ان کی مزار شریف پر بیٹھنا اور غنیمت جانا۔ ۶۶  
آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی امر کو نہایت عظیم الشان دکھانا ہوتا۔ تو بلغا کی طرح استغمام اور ابہام سے تغیم پیدا کرتے۔ چنانچہ اس خاکسار کو بیان فرمایا کہ میں حضرت صاحب کے پاس تین دن بادشاہی مسجد میں رہا۔ سبحان اللہ معلوم نہیں۔ وہ کیا تھے اور حضرت صاحب اللہ والہ نے دیا کیا، اور بیرل والوں نے لیا کیا، زالا بعد فرمایا۔ گھبٹا پکا تھا۔ اور آپ ہاتھ ڈال کر کھڑا گھبٹا تلاش فرماتے تھے۔ لیکن اس سے آپ کے کمال میں کوئی نقص تو نہیں آتا۔" یہ اشارہ تھا۔ اس امر کا

صرف آپ کا ظاہر ہی شریعت کے نور سے منور نہیں ہے بلکہ پرہیزگاری کی وجہ سے آپ کا باطن شمع حقیقت بنا ہوا ہے آپ کا جسم مبارک جس تدریس کیلئے زمین پر تشریف لایا ہے اور دل پاکیزگی کے حصول کیلئے عرش عظم پر ہے۔ حضرت محبوب اللہ قبلہ عالم مصنف مدظلہ العالی کے بڑے صاحبزادہ صاحب جوانی میں حاصل فرمائے تھے۔ مٹا فنا، سلوک میں سالک کو کئی مقامات سے گزرنا ہوتا ہے، ایک مقام فنا ہے سالک پر پیر شدگی بکت سے اور ذکر کے انوار سے عالم امر کا ایسا عکس پڑتا ہے کہ اسکی انا دنیا سے منہ موڑ لیتی ہے جسکے ساتھ ساتھ انا کی ہر پیدوار بے قیمت بن جاتی ہے اور اس کی روح اس بوجھ سے الگ بیٹھتی ہے۔ مٹا فنا کی منزل میں رہ رہ کر اور فنا کی آغوش میں پل پل کر سالک پھر جب اللہ عالم کی تربیت کیلئے مستحب ہوتا ہے تو صفات اللہ کا پر تو قبول کرتا ہے پھر صفات کے ہر نظر کی قدر اسکی نظروں میں قائم ہو جاتی ہے اب انہیں شیا کو اعتنائی نگاہ سے دیکھتا ہے جسکی کوئی قیمت اسکی نظروں میں نہ تھی فرق یہ ہے کہ پہلے ہر چیز کو اپنی انانیت کی آنکھ سے دیکھتا تھا، لیکن اب وہ اسے صفات اللہ کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ مٹا فنا، جمع بیخ کی مختصر الفاظ میں بڑے معانی پیدا کرنے والے مٹا فنا استغمام سوال کرنا، ابہام۔ بے خبری کا اظہار۔ تغیم۔ عظمت پیدا کرنا۔

کہ ظاہری حالت سے باطنی کمالیت کا پتہ نہیں چلتا۔ جیسا کہ آج کل لوگوں کا دستور ہے کہ ظاہر پر جانتے ہیں۔ اور ظاہر کی فریب کاری کو حقیقت کا ترازو جانتے ہیں۔ قدر سید۔

مجھ سے اور کئی احباب سے ذکر فرمایا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صاحب نے نہانے وقت بھی ٹوپی سر سے کبھی نہیں اتاری تھی۔ جس دوست نے پہلے ذکر مجھ سے کیا۔ اس کو حقیقت کا پتہ نہ چلا۔ آپ کا مطلب فوراً میرے دل میں اتر آیا کہ آپ نے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شہود کا ذکر فرمایا کہ وہ اس درجہ شہود میں غرق تھے کہ ٹوپی سر مبارک سے نہ اتار سکتے تھے۔ اور ہر وقت زیر نعلی تھے۔ اور درحقیقت ایسا ہی تھا کہ آپ ہمیشہ محویت اور حیرت کے عالم میں ہوتے کوئی جاکو کچھ کہتا تو جواب دیتے۔ ورنہ خاموش حیران۔ بلکہ اپنے مشاغل دینی میں بھی یہ محویت اور حیرت نہ جاتی۔ سچ تو یہ ہے کہ شہود تو یہی ہے جو دائمی اور درجہ تکمیل تک پہنچ گیا ہو۔ ایک گھڑی تو ساری دنیا کو ہوتا ہے ورنہ وہ حق خدائے تعالیٰ کو تسلیم کیونکر کریں۔

ایک دن آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ کے حضرت صاحب کس طرف منہ کر کے بیٹھتے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ شمال کی طرف۔ اس پر آپ نے فرمایا، کیا جانب شمال؟ میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے۔ اور ہاتھ سے شمال مغرب کے گوشہ میں اشارہ فرمایا۔ اور فرمایا کہ تم بھی اسی طرف

رخ کر کے بیٹھا کرو۔ اس میں بڑی برکت ہے جب میں نے گھر آکر حضرت صاحب کے خاص خادموں سے معلوم کیا۔ تو آپ کا یہ فرمانا کہ مجھے تو ایسا دکھائی دیتا ہے۔ صحیح ہونگلا۔ اور اس ارشاد سے پیشتر مجھے اس سمت سے روحانی تعلق خود بخود پیدا ہو چکا تھا۔

۱۔ قدر : اب آپ خود سوچ لیں۔ حضرت قبلہ غلام تھکے پیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ  
۲۔ شہود : "جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے" کا مقام ہے۔ عجل تجلی الہی کا ہر وقت آپ پر غلبہ تھا۔  
۳۔ محویت اور حیرت یہ دونوں الفاظ ایک ہی حقیقت کے ترجمان ہیں یعنی ماسوا سے کلی بیگانگی اور بتکل اور ذات و صفات میں کامل مشغولیت  
۴۔ درجہ تکمیل۔ قیام و دوام کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تجلی الہی کا دوام بڑی دولت ہے۔ کاملین میں سے بعض کو یہ یہ مرتبہ ملتا ہے۔

۵۔ نقطہ پنجاب سے عراق شمال مغرب کے رخ ہے۔ اور بغداد میں حضرت غوث الوری شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ

کا مزار ہے۔ اس لیے اس سمت کو صوفیاء احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حضرت۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت

۶۔ روح جب زمین پر لطف ہو جاتی ہے تو قلبی احساسات بہت بڑھ جاتی ہیں الفت اور نفرت کی لہریں ورنہ نزدیک سے پہنچ جاتی ہیں اور جہاں نسبت کا فیض ہوتا ہے وہاں سے پہنچ جاتا ہے۔

اس قصہ سے آپ کا کشف عیانی کتنا عیاں ہے۔ گو آپ کتنا ہی اس امر کو چھپاتے تھے۔  
لیکن بات بات پر صاحب نظر کو دکھائی دیتا تھا۔ آپ کشف میں کشف عیانی کا درجہ رکھتے تھے  
اور ایسا ہی دیکھتے تھے۔ جیسے ہم سامنے اشیا کو دیکھتے ہیں۔

اس امر میں میرے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ بھی یہی تھا۔ آپ کے پیرو مرشد حضرت لیلیٰ  
رحمۃ اللہ علیہ کے کئی ایک مکتوب مغیبات کے تفسار کے لئے ملے۔ اور برادران طریقت آپ  
سے اپنی اپنی نسبت دریافت فرماتے۔ آپ نہایت صحیح جواب دیتے۔ آپ کا اپنا مقولہ ہے  
"کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے شیشہ بھی دیا ہے۔ اور تلوار بھی"۔ الحق ایسا ہی تھا۔ جو کچھ کشف کی وجہ سے  
فرماتے پورا پورا صحیح ہونکلا۔ اور جس کسی پر غیرت کی نظر پڑی تھی تھکے الٹ دیا۔ کچھ دیر نہ ہوئی۔

ہر دو حضرات کی نسبتیں آپس میں بہت کچھ ملتی ہیں۔ اور اسی اتحاد فی النسبیت نے حضرت  
قبلہ مرشد کو حضرت جد امجد سے ایک عقیدت پیدا کر دی تھی۔ اور ہر امر میں آپ کی مثال  
رہا کرتے تھے۔ حضرت جد امجد ایک مکتوب میں اپنی نسبت کی بابت یہ الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔  
"کہ نسبت میں فقیر مزدوجہ قلندر یہ است"۔ اس نسبت قلندر یہ کے یہ کوشش تھے۔ کہ شیشہ اور تلوار  
سے ہر وقت آپ کی طبیعت مشابہ رہا کرتی تھی۔ اپنی نسبت قلندر یہ کے امتزاج نے ہمارے قبلہ  
مرشد کو درجہ تقرب پر سرفراز فرمایا۔

۱۔ کشف عیانی کشف کی ایسی بلند قسم ہے کہ صاحب کشف ماضی اور مستقبل کے پردوں پر واقعات کی تصویریں اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے۔

۲۔ حضرت اعلیٰ غلام نبی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ مغیبات۔ غیب کی باتیں۔

۴۔ شیشہ سے مراد کشف عیانی اور تلوار سے مراد مؤثر جلال کہ کسی کے خلاف غیرت آئی اس کی تباہی پھر گئی۔

۵۔ اتحاد فی النسبیت = نسبت میں اتحاد۔ یعنی ایک جیسی نسبت۔

۶۔ اس فقیر کی نسبت قلندر یہ نسبت سے ملی جلی ہے۔

سلوک اور جذب و دراستے ہیں سفر الی اللہ کے۔ جذب کی نسبت میں ظاہر سے بے توجہی اور باطن کی جانب کامل توجہ اور سلوک میں ظاہر  
آداب پر کامل توجہ اور باطن ظاہر کے تابع۔

نسبت مزدوجہ وہ ہے جس میں ظاہر و باطن پر یکساں توجہ ہو اور دونوں نسبتیں برابر اپنا کام کریں۔

# ذکر

ذکر کو میں نے لسانی ذکر کی وجہ سے عملی تربیت میں ذکر کیا۔ ورنہ درحقیقت یہ روحانی تربیت ہے۔ لیکن اگر ذکر کے ابتدائی مراحل کا ذکر عملی تربیت میں لکھا جائے تو نامناسب اور ناموزوں نہیں ہوگا۔

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ اور حاذق حکیم کی طرح وہ نسخہ تجویز فرماتے۔ جو نوعی نسخہ سے بڑھ کر شخصی نسخہ ہو کر تا۔ اور پورے اپنے آقاؐ کے نام دار حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم تھے۔

جیسے کسی کی طبیعت دیکھی۔ ایسا ہی ارشاد بھی فرمایا۔ نابالغ بچوں کو بالکل ذکر کی تلقین نہ فرماتے اور بوڑھے سن رسیدوں کو بھی بہت مختصر ذکر فرماتے۔ البتہ جوانوں اور ادھیڑ لوگوں پر آپ کی توجہ زیادہ ہوتی تھی۔ اور حتی المقدور ان سے خوب کام لیتے۔

نو وارد کے لئے کبھی تو بسم اللہ شریف فرماتے۔ کہ ہر کام سے پہلے پڑھ لیا کرو۔ کبھی فرماتے سوتے ہوئے گیارہ بار یا کم و بیش کسی کو صفاتی نام کا سبق فرماتے۔ اور اکثر یہ بھی دیکھا کہ اسی کے نام سے صفاتی نام باری عز اسمہ کا ذکر کے لئے فرمادیتے۔

عبد العزیز آیا تو یا عزیز۔ عبد الحق نام ہے تو یا حق۔ کئی ایک کو صفاتی نام یا کریم یا رحیم

ذکر کی اہمیت قرآن پاک میں بہت زیادہ بیان ہوئی ہے۔ ذکر کی ابتدا ایک ظاہر عمل ہے اور اسی ظاہر سے باطن کی طرف سفر کیا جاتا ہے۔ ذکر بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت قلبی مشکلات میں پہلے درجے پر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ذکر کیسویٰ کے بغیر دوام نہیں آتا اور ہمارے کھلے ہوئے حواس کیسویٰ ہونے نہیں دیتے۔ عام طور پر اپنے اپنے سلسلہ کے اذکار شیخ اپنے مریدوں کو بیان فرماتے ہیں اور فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دستور یہ تھا کہ جو شخص جس طبیعت اور جس استعداد کا ہوتا اسی کے موافق ذکر کی تلقین فرماتے۔

۱۔ جو عام لوگوں کے لیے تجویز ہو۔

۲۔ جو خاص خاص اشخاص کے لیے تجویز ہو۔

۳۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر صحابی کی الگ الگ تربیت فرمائی۔

۴۔ عزت والا ہے نام اس کا۔

الگ الگ یا جمع پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔ اور بعض کو سوتے ہوئے کلمہ شریف کے تکرار کا حکم فرماتے اور بعض کو ہر نماز کے بعد گیارہ بار قل شریف (سورہ اخلاص) غرض اس میں ذکر لینے والے کی طبیعت پر دار و مدار ہوتا۔ ذراں بعد آپ تبدیل حسبِ ضرورت فرماتے: تا ایتکہ اہم ذات پر پہنچاتے۔

اچھی طبیعت اگر مل جاتی تو پہلی بار ہی اہم ذات کی تلقین فرماتے اور خفیہ ذکر پر تاکید فرماتے کہ لوگوں نے ذکر کو فقر کے لئے لازم سمجھ رکھا ہے۔ حالانکہ یہ قرآنی حکم ہے۔ جو ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری۔ **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** ؟

آپ ہر حالت میں ذکر رہنے کے لئے یہ آیت شریفی پڑھ کر تاکید فرماتے۔ **فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ** ؟

**اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيًا** آپ کی زبان فیض ترجمان پر اکثر ہوتا۔ اور اتنا اخصا کی تاکید تھی کہ تسبیح تک ہاتھ میں نہ ہو۔ کیونکہ یہ بھی ٹوٹتا ہے اور ذکر خفیہ نہیں رہتا۔ اکثر یہ مصرع بھی فرماتے۔

چنانچہ پوشیدہ کن ذکرش کہ اندل نیز اخصا کن تسبیح کا استعمال صرف درود شریف کے لئے جائز تھا۔ اور وہ بھی پوشیدہ۔ کپڑے کے اندر۔

دوسری بار جب میں حاضر ہوا تو حسبِ عادت طبیعت تسکینہ میرے دل میں شبیال آیا کہ بار بار اللہ اللہ کرنے سے کیا فائدہ۔ تو آپ نے جھٹ پڑھا۔ جو خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

۱۔ نقشبندی سلسلہ کے بزرگان عموماً اہم ذات سے ہر سالک کی ابتدا فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت میاں صاحب کا ۴۔ سورہ اللہ نے آئی طرف سے ۱۰۔ جس طرح ذہانت علم کے حصول میں بڑی کھلم کھلا آمد قوت ہے اسی طرح طبیعت کا ذوق شوق اور توجہ الی اللہ اور باطنی استعداد حصول معرفت الہی کے لیے شرط سلوک ہے۔

۲۔ اللہ کا بہت ذکر کیا کرو تا کہ بہتری پاؤ۔  
۳۔ تم کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (بیٹھے) ذکر کیا کرو۔

۴۔ بیضر تب (تعالیٰ) کو عاجزانہ اور پوشیدہ پکارا کرو۔  
۵۔ دل کے معاملات عجیب و غریب ہیں اس میں ہر چیز آسانی سے پہنچ جاتی ہے۔ نفس پر اگر فنا کی تاثیرات غالب نہ ہوں تو سالک کو نانش اور فوج کا جذبہ ترقی سے روکتا ہے۔

۶۔ اس کا ذکر ایسا پوشیدہ کریں کہ اپنے دل سے بھی پوشیدہ رکھیں۔



یقین بدان کہ تو با حق نشسته شوی و روز چو پنجمشین تو باشد خیال نام خدا

اور فرمایا کہ یہ خواجہ معین الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔ اسے کہتے ہیں اشراق اور یہ ہے کامل کی تربیت۔

ایک بار حاضر ہوا تو ذکر کی وجہ سے کوفت زیادہ ہو جاتی تھی۔ کہ ہُو کی ضرب دل پر زیادہ کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ طویل ضرب سے دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ صرف اللہ۔ ہو مختصر ضرب کافی ہے۔ سبحان اللہ اس کے بعد کوفت نہ رہی اور ذکر بھی دل میں جم گیا۔

اگرچہ حاضری سے پیشتر مختلف اذکار میں نے لئے۔ اور بہت ذوق بھی اٹھائے۔ لیکن ذکر نہ ہوتا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو بھی تقریباً دو سال یہی حالت رہی۔ اور حیران تھا کہ اس کٹھن منزل سے کیونکر نکلوں گا۔ کیونکہ میری طبیعت کسی ایک جگہ بیٹھ کر کام کرنے والی نہ تھی۔ اور فطرت سے بے چین پائی تھی۔ لیکن صرف قبلہ مرشدیم رحمۃ اللہ علیہ کی نظر مبارک کا کرشمہ تھا کہ بے چین کو سبق از بر ہو گیا۔

ایک بار حاضر ہوا تو فرمایا۔ کہ بزرگ تو تصورِ بے پر فرماتے ہیں۔ لیکن میں تو اسم ذات اللہ کا تصور ہی کافی جانتا ہوں۔ اور اس نقش کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی۔ چنانچہ نہایت عمدہ کاغذ پر نہایت شاندار اپنے ہاتھ سے خاک تیار فرما کر طبع فرمایا۔ اور احباب میں تقسیم فرمایا۔

آپ اپنی انگلیوں کو سامنے کر کے اسم ذات کا عمدہ تصور جاتے کہ انگوٹھا کو انگلی شہاد سے حلقہ بنا کر گویا لام سے کا پیوند لگاتے۔ سبحان اللہ آج تک نقشہ سامنے ہے۔

ع۔ تو اس بات کا یقین پیدا کر کہ اگر تو اللہ کے نام کے خیال میں قائم ہے تو یوں سمجھ کہ تو خدا کے ساتھ رات دن بیٹھا ہوا ہے۔ ع۔ سلطان السند فاجہ میں الدین اجیری ہندوستان میں چشتی سلسلہ کے بانی حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرید و فاضل مبارک اجیر شریف میں ہے جو عوام و خواص کا مرجع ہے۔ ع۔ جزئی اور کلی حالات و کیفیات کا کھل کر سامنے آجانا تصوف میں اشراق کہلاتا ہے ہر سالک اپنی اپنی قابلیت اور استعداد کے مطابق اس دولت سے بہرہ ہوتا ہے۔ ع۔ اللہ کی ضمیر سے اور ایک مستقل ذکر بعض حضرات نے تو صرف ہُو، ہُو کو اتنا پختہ کیا کہ یہی صُورگ و ریشہ میں سما گیا۔ ع۔ تصورِ شیخ میں بعض حضرات کا معمول یہ ہے کہ باقی وظائف کی طرح یہ بھی ایک وظیفہ ہے لیکن اصل تصور وہ ہے جو بے تکلف پیدا ہو جائے۔ محبت جب سالک میں جوش مارتی ہے تو محبوب تریں مظهر کی تلاش میں ہوتی ہے اور قریب تریں اور محبوب تریں مظهر اپنے شیخ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے اس صورت میں از خود طبیعت ادھر مائل ہوتی ہے اور شیخ کامل کی صورت عموماً سامنے رہتی ہے۔ ایسے تصور کی حضرت مجدد الف ثانی نے بھی تعریف فرمائی ہے۔

اسم ذات کا تصور دوام ذکر کے حصول کا ایک عمدہ ذریعہ ہے اور یہ حضرت اعلیٰ امیاں صاحب شرقی رحمۃ اللہ علیہ کا اجتہادی کارنامہ ہے۔

ایک دفعہ فرمایا۔ درود شریف پڑھتے ہوئے اگر اسم ذات کا تصور دل میں ہو۔ تو بہت مفید ہے۔  
پھر فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کے وقت اسم ذات کا تصور دل میں ہو۔ تو عجب لطف آتا ہے  
پہلے پہلے تو یہ باتیں بہت مشکل ہوتی تھیں۔ لیکن کچھ تھوڑی مشق کے بعد آپ کے ارشاد  
کی وجہ سے آخر نہایت آسان ہو گئیں۔

یہاں ایک اور بات یاد آگئی۔ ایک بار آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت جدامجد علیہ الرحمۃ کی  
خوئے بُوئے پیدا کر لو۔ میں نے یہ بات جناب برادر مہاجری صاحب سے ذکر کی۔ کہ آپ ہمیشہ ایسا فرماتے  
ہیں۔ حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ کے ان الفاظ میں انشاء اللہ برکت ہوگی۔ چنانچہ اکثر دیکھا کہ  
جو ارشاد آپ کی زبان فیض ترجمان سے کسی کے بارے میں نکلتا۔ ضرور اس کا اثر خوب ظاہر ہوتا۔  
جب میری یہ تمام منازل طے ہو گئیں۔ تو آپ نے آخری منزل کے لئے بدیں الفاظ ارشاد فرمایا  
تو ہمیشہ اصلاً کمال میں است و بس تو دروگم شو وصال میں است و بس

اس سے پہلی منزل وہ تھی کہ ”چنانچہ پوشیدہ کن ذکرش کہ از دل نیز اخفا کن“۔ لیکن سبق  
کے چلانے میں آپ مُستشرقین (سالمین) سے دریافت نہ فرماتے۔ بلکہ اپنی نسبت سے طالب کی  
نسبت دریافت فرماتے اور کوئی خامی ہوتی۔ تو اشارۃً اس کی طرف توجہ دلاتے۔ یا تنبیہ فرماتے  
یہ خاصہ موجودہ عصر میں صرف آپ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا۔ دوسرے تمام مشائخ  
طالب کے حال پوچھتے ہیں۔ لیکن آپ ہرگز دریافت نہ فرماتے۔ البتہ کبھی کبھی ازراہ محبت زبانی بھی  
دریافت فرماتے۔ لیکن بہت کم۔ چنانچہ اس خاکسار بد کردار سے بھی بوجہ محبت، جب

عَل رُوغَانِ سِلْسِلَہِ مِیْنِ اَبْتَدَاہِیْنِ ہَرْ جِزِیْہِیْ مُشْکَلِ ہُوْتِیْ ہِیْ اُوْر اِس مُشْکَلِ کَا حَلِ بِیْشِکِ کَامِلِ پِیْرِ کِی تُوْجِہِ ہِیْ لَیْکِن ذَاتِی مَحْنَتِ اُوْر مُشْتَقِ بِہِیْ اَنْتہائی ضروری ہے۔  
عَلِ حَاجِی عِبَالِ الرَّحْمٰنِ صَاحِبِ عَل۔ ہر ارتقائی مقام کے منازل اور مراحل ہیں۔ فقر و تصوف کی آخری منزل فنا کی تکمیل ہے۔ سالک جب راہِ مولا  
میں سفر کرتا ہے تو دنیا سے دل اچاٹ ہو جاتا ہے پھر آہستہ آہستہ یہ عالم اسباب ایک کھلونا نظر آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی معرفت بڑھتی ہے تو  
ماسوا کا ڈھانچہ نظر میں نہیں رہتا اور تمام احساس ماسوا سے بیٹ کر روح پر لگ جاتا ہے اور اس محویت میں اپنا آپ بھی بھول جاتا ہے بس تو  
ہی ٹورہ جاتا ہے اور یہی وصل و وصال ہے جو وہ ہونے میں ہوتا نہیں ہوں۔ یہی دیوانے کو غم کھا گیا ہے  
عَل تِیْر سے مرتبے کا کمال یہ ہے کہ تو مت رہ اور تو اس (ذات) میں گم ہو جاہی وصال ہے اور بس۔

عَل میرے قبلہ و کعبہ دام ظلہ (حضرت مصنف مدظلہ) نے جہاں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تمام خصوصیات حاصل کیں وہاں یہ خصوصیت  
بھی بدرجہ اتم حاصل فرمائی۔ کہ طالب کی حالت سے طالب کے کوائف معلوم فرما کر اپنی نظرِ کرم سے اور نورِ بھرے سینے سے سالک کی تربیت  
باطنی فرماتے ہیں۔ (مثنوی)

میں تیسری بار حاضر ہوا تو آپ نے فائدہ باطنی دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کی کچھ ہوا۔ حالانکہ جذبہ سے فنا تک آپ نے پہلے ان پہنچا دیا تھا۔ یہ میری عادت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ فائدہ باطنی تھوڑا بھی ہو تو تھوڑا نہ سمجھنا چاہئے۔ یہ تھوڑا بھی بہت ہے۔ پھر حضرت قبلہ عالم جد امجد علیہ الرحمۃ کے ایک مکتوب سے بھی بعینہ ہی الفاظ نکل آئے۔ ”اندک نسبت بزرگان اندک نباہد شرد“ اور ایک بار جب میں گذشتہ رمضان ۱۳۷۲ھ سے پیشتر حاضر ہوا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ اب اٹھتے بیٹھتے۔ چلتے پھرتے اور سوتے کیا حالت رہتی ہے۔

سبحان اللہ! آپ کے کمالات کا صرف اسی سوال سے اندازہ کیا جاتا ہے۔ جب تک ان تمام حالتوں میں طبیعت بحال نہ رہے۔ تو سلوک کے تمام کرنے سے کیا فائدہ۔ بہتیرے دیکھے کہ سلطان الذکر بھی انہیں جاری ہو گیا۔ مراقبات بھی طے ہو گئے۔ لیکن حالت وہی ہے۔ اخلاق ہیں تو وہ۔ افعال ہیں تو وہ۔ گفتگو ہے تو وہ نشست و برخاست ہے تو وہ۔

الغرض اس راہ میں جو کچھ ہے۔ حالت ہی حالت ہے اور میں جس کا حال بدل گیا اس کی حقیقت بدل گئی وہ اپنے مقصود پر کامیاب ہو بیٹھا۔ اس کے بغیر سب کچھ بیکار ہے۔

۱۔ ظاہر کو چھوڑ کر باطن کی طرف مڑنا بھی مشکل نزیں امر ہے باطن کی لذتیں ظاہر کی لذات کو مٹا دیتی ہیں۔ اور مقصود حیات بھی یہی راہِ صِدْق ہے۔ اس لیے اس راستے پر چل نکلنا ہی کیا کم ہے کہ اس کی انتہا کی طلب تھائے۔

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں۔ میری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں۔

۲۔ بزرگوں کی تھوڑی نسبت کو تھوڑا نہ سمجھنا چاہئے۔

۳۔ ذکر کی ایک جامع اور آخری کیفیت ہے جس میں روائی روائی ذکر محسوس ہوتا ہے۔

۴۔ مراقبہ کی جمع ہے۔ انتظارِ فیض میں متوجہ الی اللہ ہو کر شیخے کو مراقبہ کہتے ہیں اور اس کی کئی اقسام ہیں

## دیگر اُوراد

۱-۱۔ درود شریف۔ قبلہ علیہ الرحمۃ تمام متوسلین کو درود خضریٰ صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ حبیبہ محمدیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔ فرمایا کرتے تھے۔ عموماً پانصد بار بعد نماز تہجد اور زیادہ سے زیادہ تین ہزار۔

فرمایا کہ اللہ کی ضرب دل پر پڑھتے ہوئے لگے۔

فرمایا کہ پہلے تو وَاَصْحَابِهٖ کے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ اب وقت اور آگیا۔ اب ضروری

ہے۔ چنانچہ پہلے متوسلین یہ نہیں پڑھتے تھے لیکن مجھے خاص طور سے فرمایا۔  
باوضو۔ دو زانو تاکید فرماتے۔

ایک بار مجھے خیال آیا کہ اکثر لوگ درود باوضو اور باادب پڑھتے ہیں۔ اور قرآن مجید اس ادب سے تلاوت نہیں کرتے۔ حاضر ہوا تو فرمایا کہ حضرت صادق علی شاہ صاحب دو زانو بیٹھ کر درود شریف پڑھا کرتے اور کلام اللہ شریف کی تلاوت کرتے وقت اپنا کپڑا از انوکھے کر کے لپیٹ لیتے تھے۔ (اپنی عادت مبارک کے مطابق فرمایا) کہ معلوم نہیں کیا بات تھی۔ اس درود شریف کے باادب پڑھنے کے برکات اور انوار دکھانے کی چنداں ضرورت نہیں ہر ایک دوست نے خود دیکھے اور دوسرا چہرے اور پیشانی سے دیکھ سکتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر اور سلام بھیجا۔

۲۔ درود شریف کا بہترین وقت ہے۔ فضا ستھری ہوتی ہے۔ دل افکار دنیا سے علیحدہ ہوتا ہے اور اثرات دل پر چھا جاتی ہیں۔

۳۔ آل کا لفظ تمام صالحین امت پر شامل ہے لیکن بعض لوگوں نے آل کے لفظ کو حضرت فاطمہ الزہری رضی اللہ عنہا کی اولاد کے

لیے مخصوص قرار دیا ہے اس لیے "واصحابہ" کا اضافہ ہمہ گیری کے لیے ضروری ہوا۔

۴۔ حضرت میر صادق علی شاہ صاحب، زینت غوث وقت امام علی شاہ صاحب کے صاحبزادہ اور سجادہ نشین تھے۔

۲) الحمد شریف تین بار سے لے کر ایک سو ایک بار مختلف اصحاب سے معلوم ہوا کہ آپ نے اجازت بخشی۔ اور مختلف طریقوں سے کئی ایک کو تکرار آیت ہفت بار۔ سہ بار بھی فرماتے مجھے اکائونے بار بوقت شام پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔

۳) سورۃ الم نشرح بھی خواص کو فرماتے۔ تعداد بھی کم و بیش ہوتی۔ مجھے اکائونے بار پڑھنے کا ارشاد بعد نماز صبح فرمایا۔ ان دونوں سورتوں کے برکات اور فیوضات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور پڑھنے والا اپنے اندر ان کے برکات اور فیوضات دیکھ سکتا ہے۔ اکثر میری حالت پر فرماتے: ”مجھے تو اتّٰمَعَ الْعَسْرِئِيلَ اِنَّ مَعَ الْعَسْرِئِيلَ سے سب کچھ نظر آتا ہے۔“

۴) اور اد فحجیہ بھی خواص کو فرماتے۔ چنانچہ مجھے پہلی بار ہی اجازت بخشی۔

ایک دفعہ بندہ حاضر خدمت ہوا۔ اور مولوی محمد حسین علی صاحب کا رسالہ دربارہ نداء ”یا رسول اللہ“ مجھے کہیں راستہ میں مل گیا۔ جو علم غیب کی بابت لکھا گیا تھا۔ اور یا رسول اللہ کہنا ناجائز اس میں قرار دیا گیا۔ وہ میری حبیب میں تھا۔ چونکہ اور اد فحجیہ میں صلواتِ ندائیہ تھے جنہوں کی خدمت میں بیٹھا ہی تھا۔ کہ آپ نے فرمایا کہ اور اد فحجیہ کے تمام اذکار اور دعائیں نہایت صحیح اور مانورہ طریقہ سے مروی ہیں۔ اس میں کسی طرح کا تذبذب (ترو) نہیں۔ بڑی ہی برکت سے پڑ ہیں۔

پھر فرمایا: ”کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ لیکن حاضر و ناظر بھی۔“

پھر فرمایا: ”ہم نے تو کلامِ زبانی بھی آپ کی ہی زبان سے سنا۔“

۱۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔

۲۔ حضرت امیر کبیر حضرت شاہ علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا مجموعہ اور اد و ظائف ہے نہایت بابرکت ہے اور سلسلہ شرفیوری کا معمول بہا ہے۔ آپ کی قبر مبارک سرنگرد کشمیر میں ہے۔

۳۔ حاضر ناظر۔ حضور رب البشر کا نور اللہ تعالیٰ کے نور کے بعد تمام انوار سے وسعت اور دلپذیری رکھتا ہے۔ نور کو دیکھنے کے لیے فدیہ کی ضرورت ہے اس لیے یعرفان اور مشاہدہ کا نہایت اہم مسئلہ ہے اور نازک تر بھی۔ اس لیے اہل مشاہدہ باتفاق اس کے قابل ہیں۔ اگر کسی وقت کوئی صاحب اس حضور میں کمی محسوس کرے تو وہ اس کی اپنی کمی ہے۔ اور رسالتِ آتہ کی ہمہ گیری میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا۔

۴۔ عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم بھی حضور کے واسطے سے ہوا۔

پھر فرمایا۔ "قرآن شریف بھی آپ کی زبان سے ہے۔ اور حدیث شریف بھی آپ کی زبان سے۔"

پھر فرمایا: "اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کو دور سننے اور پہچاننے کی طاقت دے سکتا ہے۔ تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کان دور سننے کے لئے نہیں بنا سکتا۔"

۱۳۳ سورۃ توبہ کی آخری دو آیات لفتحاء کہ رسول اور سورۃ حشر کے تین آیات آخری اور کلام اللہ شریف سے پہلے درود شریف اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد كما صليت علی سیدنا ابراهیم وعلی آل سیدنا ابراهیم انک حمید مجید ط اور اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطان الرجیم ط کا ارشاد فرماتے۔ اس کے علاوہ آیتہ نور اور آیتہ اللہم مالک الملک وغیرہ جس کا اتفاق آپ کے سینہ مبارک میں ہوتا۔ کسی کسی کے لئے اس کے پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔

۱۔ وما ینطق عن الہوئی کی تفسیر ہے۔

۲۔ "بعد از خدا بزرگ توئی" کی تسلیم کے بعد ہر قسم کے کمالات کی تسلیم ایمان بن جاتی ہے۔ لیکن فرشتوں کی ہر قسم کی عظمت ماننے کے لیے اہل علم تیار ہیں اور رسالت کے کمالات کی تسلیم کے سامنے بشریت کا پردہ حائل رکھتے ہیں حالانکہ نبوت اور رسالت تو بشریت کی تمام کمزوریوں سے بلند و بالا ہیں۔

۳۔ البتہ تحقیق تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔

بھلا ان اشعار کے کیا معنی؟

چو اول شب آہنگ غاب آدم بہ تسبیح نامت شتاب آورم

چو در نیم شب سر بر آرم ز خواب ترا خواہم در نیم از دیدہ آب

آپ مکر رہ کر پڑھتے تھے۔ اور میرے آنسو نہ ٹھمتے تھے۔

۱۳۷ (۳) مجلس شریف میں اکثر موجودہ تمدن کا ذکر فرماتے۔ کہ پیسوں کے بتوں نے ہمارے اندر بھی بت پیدا کر دیئے۔ حَبَّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ انگریزی کلوں نے ہمیں تباہ کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان فقروں میں کبار و حانیت ہوتی تھی۔ کہ تمام مجلس کی آنکھیں پر غم ہو جاتیں۔ اور استدلال سے نہیں بلکہ عیاں ان امور کی حقیقت دکھائی دیتی مسلمان ہیں بلکہ غیر مسلم زاثرین بھی رونے لگتے۔

۱۳۸ (ب) اس کے بعد دوسرا درجہ توجہ کا دست مبارک سے تھا کسی کے چہرہ پر ملنے لگتے کسی کے سینہ پر کسی کی پیشانی پر۔ اور کسی کو کندھوں سے پکڑ گا ہے بنمائش محبت۔ اور گا ہے بنمود خفگی۔ کسی کے کان پکڑ بیٹنے۔ اور کسی کو آہستہ آہستہ پھیرا (طمانچے) لگاتے۔ اور یہ دونوں صورتیں دیکھنے میں آئیں۔ اور کسی کو یہ کہہ کر میں بولا ہوں۔ اپنا کان اُس کے منہ سے لگاتے اور اس کے گلے لگ جاتے۔ اور گا ہے گا ہے ہاتھ سے مصافحہ کر کے اپنا فیض روحانی پہنچاتے۔

۱۳۹ سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اس کے بندوں پر کس طریقہ پر کرم فرماتے

۱۔ جب میں پہلی رات کو نیند کا ارادہ کرتا ہوں، تو تیرے نام کا ذکر تیزی سے شروع کر دیتا ہوں اور جب آدھی رات نیند سے بیدار ہو جاتا ہوں تو اس وقت (اے محبوب حقیقی) میں تجھے پکارتا ہوں اور آنکھوں سے آنسو برساتا ہوں۔  
۲۔ دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے۔ ۳۔ الفاظ حقیقت کا لباس ہیں جن لوگوں پر حقائق کھلتے نہیں وہ لباس کا ذکر کرتے ہیں اور اصل حقیقت اسی طرح پردوں میں چھپی رہتی ہے جب حقائق کھلتے ہیں اور شرح صدر سے ان کا بیان ہوتا ہے تو تاثیریں سامعین پر چھا جاتی ہیں۔ ۴۔ ناراضگی کے رنگ میں۔

ہیں۔ کہ ذرہ بھر نو بھی نہ ہو۔ اور احسان بھی نہ ہو۔ بلکہ خود مسائل کو پتہ تک نہیں کہ کس طریقہ و طرز پر اس کا دامن مقصود بچھڑا گیا۔ کج رو ہیں کہ کہتے پھرتے ہیں۔ کہ آپ کے اخلاق نہیں۔

۲۹  
۹

آپ بدسلوکی سے پیش آتے۔ بھلا کوئی یہ بدسلوکی کر کے تو دکھائے۔ اور پھر اس کے پاس کوئی

اس درد۔ اس محبت اور اس عشق کے ساتھ جاتا بھی ہے؛ انسان تو انسان ہیں۔ بلکہ

حیوانات لایعقل تک نہیں جانتے۔ اور پھر کیوں سینکڑوں انسان عالم و جاہل۔ امیر و غریب

کس و ناکس۔ لنگڑے۔ ابا بچ و دولت پر گر رہے تھے۔ آخر اس کی وجہ بدسلوکی اور بد اخلاقی

تھی؛ یا کچھ اور۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يَتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا

۱۳۰

أَذَى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ط

ایسے ولی اللہ کے لئے ادا شاد ہوا۔ خواص کے لئے اکثر توجہ کا طریقہ آپ کے زیر معمول یہ

تھا۔ کہ آپ اپنا دست مبارک معمول کے زانوؤں پر رکھ دیتے۔ اور آپ خیال (مراقبہ) میں

ہو جاتے اور خیال (اور عالم مراقبہ میں) آپ کے وجود میں روحانی لہریں چلتی ہیں اور ہاتھ مبارک

کو آہستہ آہستہ جھٹکے لگتے۔ اصل میں یہ آپ کے دل کے جذب ہوتے تھے۔ جو بجلی کی

طرح معمول کے رگ و ریشہ میں اثر کر جاتے۔

۱۳۱ ایک بار میں اور ضلع شاہ پور کے رہنے والے ایک سید صاحب اور ایک گجرات کے

رہنے والے مولوی صاحب اکٹھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ مراقبہ فرمایا

کرتے۔ ایک دن حسب معمول تشریف لائے۔ اور اپنا ہاتھ مبارک شاہ صاحب کے زانو

۱۔ بعض لوگوں کی فطرت ناقابل ہوتی ہے اور وہ دریا کے کنارے بیٹھ کر یا سے رہتے ہیں اور بعض لوگوں کو شیطان اس طرح گمراہ کرتا ہے کہ

وہ مٹھی سنائی ان باتوں کی تصدیق و اشاعت کرتے ہیں جو حقیقت سے بہت دور ہوتی ہیں اور اللہ والوں کے مخالف لوگ زیادہ تر اسی مرض

کا شکار ہوتے ہیں۔ بے عقل ۲۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور پھر کسی طرح کا احسان نہیں جلاتے اور نہ کسی قسم کی

تکلیف پہنچاتے ہیں تو ان لوگوں کے ایسا اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر ہے نہ ان کو کسی طرح کا خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

۳۔ ہر کامل ولی اللہ کے زیر تربیت و قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ عوام اور خواص۔ عوام کی عمومی استعداد کے مطابق ان کے لیے سلسلے میں داخل

ہونا اور فرائض کی پابندی تو اسی سے منہ موڑنا اور شکل و صورت میں تبدیلی کافی ہے لیکن جن کی استعدادیں بلند ہوتی ہیں اور صلاحیتیں کمال ان کی جانب خصوصی توجہات ہوتی ہیں اور ذکر و فکر اور مجاہدات کی طرف پوری رہنمائی ہوتی ہے اور وہ توجہات کا ملکہ کامرکز ہوتے ہیں اور وہی لوگ فقر کی نسل اور روحانیت کا رہتے ہیں۔



پر رکھا۔ اُن کے آنسو فوراً گرنے لگے۔ زان بعد دوسرا ہاتھ مولوی صاحب کے زانو پر جاٹھکایا۔ اور اپنے بازوؤں پر زور دے کر آپ اُکڑاٹے۔ دونوں کے آنسو بارش کے قطروں کی طرح گرتے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ انہیں تو اثر ہو گیا۔ میں محروم سخت دل ہوں۔ آپ ذرا بڑھ کر میرے قریب تشریف لائے۔ اور دست مبارک میرے زانو پر بھی رکھا۔ کیا کہوں رکھنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ میری حالت بھی وہی ہو گئی۔

۱۲۲ اس خاکسار بدکردار کے ساتھ ہر طرح کی مہربانی فرماتے اور اپنی ہمت کسی قسم کی دبیغ نہ فرماتے۔ یہ آپ کی عنایات تھیں کہ پانچ سال کے قبل عرصہ میں مجھے وہ کچھ دکھایا۔ جو عمر بھر کے مجاہدوں سے بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ میری طبیعت بے چین اور شکنجی ایسی طبیعت کو قابو کرنا کارے دار وہ ہے۔ لیکن بزرگوں کا احترام تھا۔ کہ میرے تمام بوجھ کو خود اٹھا لیا۔

۱۲۳ آخری ایام (جب سے میں حاضر ہونے لگا) آپ مراقبہ صورت میں دکھائی نہ دیتے لیکن جب کبھی میں حاضر ہوتا۔ ایک دو بار موقعہ اور فرصت پا کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ۔ مراقبہ صورت میں مجھے توجہ فرماتے۔

۱۲۴ لطف یہ ہے کہ یہ بھی نہ فرماتے۔ کہ اس خیال میں بیٹھو۔ خود بخود توجہ کے زور سے طبیعت اپنا راستہ آپ پیدا کر جاتی تھی۔ چنانچہ جب پہلی بار میاں دوست محمد صاحب میرے ہمراہ گئے۔ تو مجھے کہا کہ حضرت سے میری بابت کچھ عرض کرنا۔ میں سخت گنہگار ہوں

علم انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم کی پہلی بارش انہیں قابل اور لائق طبیعت عطا فرماتا ہے۔ اور ہر قسم کی طبع میں اس کے جوہر پوشیدہ ہوتے ہیں اور وہ ابتدائی کوششوں میں کھل کر سامنے آجاتے ہیں، بے قرار طبیعت فطرتاً متجسس ہوتی ہے۔ اور سکون و قرار کی طالب، فقر رازر سکون ہے۔ بے چین طبع فقر سے اس طرح مطمئن اور فیض یاب ہوتی ہے جس طرح پانی سے پیاسا مطمئن ہوتا ہے۔ کامل پیر کی نظر کرم سے جب جوہر کھل جاتے ہیں تو پھر حصول کمال میں دیر نہیں لگتی۔ جس طرح ذہین بچے کو کامل استاد مل جائے تو وہ علم کا دریا دنوں میں عبور کر لیتا ہے۔

مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمائیں۔ لیکن اس جلال و عظمت کے شہنشاہ کے سامنے مجھے کیا مجال کہ عرض خود بخود کرتا۔ آپ کا معمول تھا کہ کسی کے خادم یا رفیق و تابع سے کچھ نہ پوچھتے۔ آپ نے ان سے کچھ دریافت نہ کیا۔ اسی طرح دو دن گزر گئے تیسرے دن جب میں مکان شریف سے ضرورت کے لئے باہر نکلا تو دوست محمد صاحب بھی میرے ہمراہ ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ تمہارے ہمراہ تو میں اس غرض سے آیا۔ کہ آپ توجہ زیادہ میرے حال پر فرمائیں گے۔ یہاں الٹا کام ہے۔ تم ضرور آج کچھ میرے بارے کہنا تا کہ آپ کی توجہ میری طرف زیادہ ہو۔ یہ صاحب فوجی ملازمت میں۔ مصر۔ فرانس۔ عرب وغیرہ دیکھ آئے تھے اور اپنے منہ سے کہتے تھے۔ میری حالت بہت خراب ہے۔ اور درحقیقت تھی بھی ایسی ہی۔ جب با وضو ہو کر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ تو حضورؐ برسے ولے بادل کی طرح تشریف لائے۔ اور خود بخود فرمایا: "کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ ان کا تعلق تم سے کیا ہے؟" میں نے عرض کی کہ قریب کے رہنے والے مجھ سے کچھ ترجمہ پڑھتے ہیں زبان آپ بلاخانے پر تشریف لے گئے اور مجھے بلوایا۔ حاضر ہوا تو فرمایا: "کہ ان کی کیا حالت ہے؟" میں نے کہا پہلے تو بہت خراب تھی۔ اب اچھی ہے۔ آپ نے فرمایا: "ہاں اب تو کچھ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ ان کو کچھ گھر ہی کہہ دینا تھا۔" میں نے عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں اسی لئے حاضر ہوئے۔ فرمایا: "کہہیں بلا کر کچھ کہہ دو۔" میں نے عرض کیا۔ کہ نہیں حضورؐ خود ہی کچھ فرمائیں۔ زان بعد فرمایا۔ اچھا۔ ان کو اپنے ساتھ بٹھایا کرو۔ میں نیچے چلا آیا۔ ان کو اپنے ساتھ بٹھایا۔ لیکن حضورؐ کو اس دن تو موقع نہ ملا۔ اور تشریف نہ لائے۔ جب باہر نکلے تو مہیاں دوست محمد صاحب نے دریافت کیا سب

۱۔ "ان کو کچھ گھر ہی کہہ دینا تھا"

یہ اور اس قسم کے الفاظ بھی حضرت اعلیٰ

شرقی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اجازت نامے

تھے جو اپنے خلفاء کو عنایت فرمائے۔

حقیقت کہ سنائی۔ کہنے لگا۔ کہ ساری حقیقت تو نہ کھولتے۔ بد کرداری کا خیال کر کے شاید توجہ تک نہ فرماویں۔ میں نے کہا نہیں میں نے تو اسی واسطے تمام حقیقت کہہ دی۔ کہ زیادہ نظر رحمت فرماویں۔

۱۳۵ الغرض دوسرے دن آپ تشریف لائے۔ اور ایک دم آپ مراقبہ میں ہو گئے ابھی ایک منٹ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ان کو حالت اور وجد ہو گیا۔ گھنٹہ بھر آپ مراقبہ میں رہے اور وہ بدستور اسی حالت ہوئے میں سر دھن رہے ہیں۔ زان بعد حضور قبلہ چکے سے تشریف لے گئے۔ انہیں بعد میں افاقہ ہوا۔ لیکن بخار ہو گیا۔ یہ ہے إِنَّا سُلِّقْنَا عَلَيْكَ قَوْلًا نَقِيذًا كَمَا حَاصِلٌ۔

۱۳۶ درمیان کے واقعات چھوڑ کر اپنے مدعا کی طرف جاتا ہوں۔ جب چلنے لگے تو مجھے اجازت ہو گئی۔ تو دوست محمد نے کہا کہ اگر اجازت مل جائے تو میں بالا خانے پر جا کر حضور سے ذکر کی تلقین لے آؤں۔ اجازت کے بعد حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ پہلے کیا پڑھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں آپ نے تبسم فرما کر فرمایا کہ یوں ہی ہو ہو کر رہے تھے۔ الغرض اس حالت کے لئے آپ کچھ نہ فرماتے یہ خیال کرنا یا نہ کرنا بلکہ مراقبہ کی حالت میں آپ کی زبان مبارک سے گاہ گاہ حسب طبیعت باتیں سرزد ہوتی ہیں۔

۱۳۷ ایک بار آپ مراقبہ ہوئے۔ جب کہ میری باطنی حالت بالکل نا درست تھی اور ابتدا تھی۔ طبیعت میں تذبذب (تردد) پریشانی وغیرہ عالم مراقبہ میں بھی ہوتی۔ آپ نے

کامل پیر اپنے خاص اوقات میں خاص منظر ذات الہی ہوتا ہے۔ کبھی اس کی طبیعت عام دریائے رحمت ہی کہ ہر خشک و تر کو سیراب کرتی جاتی ہے۔ ایسے وقت میں اگر کوئی ہا پانی بھی آگیا تو وہ دھل کر گیا" (رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ)

اور کبھی مچان ہیں کی الہی باریکیاں عکس ریز ہوتی ہیں کہ خاص نیکیاں جرح قدح کی زد میں

آجاتی ہیں۔ (اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ غَضَبِكَ وَغَضَبِ أَوْلِيَائِكَ)

عکس ہم آپ پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔

سراٹھلتے فرمایا۔ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن تَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

۱۲۸ میں سمجھ گیا کہ

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکم قصا ہے

یاسٹ زیادہ ہو گئی۔ اور امید وصول کم۔ یہ یاد نہیں اسی حاضری میں یاد دوسری حاضری میں آپ نے اپنے روشن ضمیر سے یہ بات دیکھ لی۔ اور فرمایا کہ اپنی طرف سے تو کوشش

فرض ہے۔ "کوشش انسان کبھی نہ چھوڑے۔ لیکن بھروسا اس پر ہو۔ کیا ہوا؟ اگر وہ

کوشش بار ورتہ فرماوے۔ یہی عین سعادت ہے۔" لیکن تقریباً دو سال بعد آپ نے ایک

طویل مراقبہ کے بعد عالم محویت اور استغراق میں مندرجہ ذیل اشعار نہایت درد سے بیساختہ پڑھے

بہ نفعی لا الہ از خود رہا غم  
ز جام بے خود بہا ساز مستم  
خیال غیب از من دور گرداں  
مراد من تو باشی در دو عالم  
شود اثبات الا اللہ ز جام  
فنا غارت کند سامان ہستم  
بدر و عشق خود رنجور گرداں  
ز جام بر نیب آمد جز خدا دم  
کلام اللہ باشد بر زبانی  
حدیث مصطفیٰ صوت دہانم

میں نے یہ اشعار سن کر الحمد للہ کہا۔ اور دل نے کہا

آج کو طے ہو گئی منزل میں مسافت میری

۱۔ بے شک فضل و کرم اُس کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عنایت فرماوے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

۲۔ انسان میں بہت سی متضاد قوتیں ہیں اور یہی تضاد اس کی روحانی اور جسمانی تربیت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ جب ناامید لوگوں میں کامیابی اپنی جھلک دکھاتی ہے تو یقین اور خوشی میں بے انتہا اضافہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ انسان محنت کے لئے بنا ہے اور محنت اس کا فرض ہے۔ اب محنت اپنا نتیجہ آپ ہے۔ رہا مزید نتیجہ تو وہ اُس کا فضل و کرم ہے۔ جو یقیناً محنت اور مجاہدہ ہی پر ہو سکتا ہے۔

۴۔ (۱) لا الہ (کوئی معبود نہیں)۔ اس میں پہلی اور سب سے بڑی نفی اپنے نفس کی ہونی چاہیے (نفس کی نفی سے مجھے اپنی خودی یعنی الہوی سے نجات بخشیں)۔ اور (۲) الا اللہ (کے اثبات میری جان سے پیدا فرمادیں)۔ (۳) بے خودی کا پیالہ پلا کر مجھے مست بنا دیں اور فنا میری ہستی کے ساز و سامان کو غارت کر دے۔ (۴) غیر اللہ کا خیال بھی مجھ سے دور فرمادیں اور اپنی محنت کی بیماری کا مجھے مریض بنا دیں۔ (۵) دونوں جہان میں تو ہی میری مراد ہو جائے۔ اور میری جان سے سوائے اللہ کے کوئی سانس نہ نکلے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں میرے منہ سے نکلتی رہیں اور عثمان کریم میری زبان پر ہو۔

۱۳۹ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خیالات کم ہونے شروع ہو گئے اور آہستہ آہستہ طمانیت نے وہ جگہ حاصل کر لی۔ اور آخری توجہ میں یہ حالت تھی۔ کہ حضور گھنٹوں بیٹھے۔ لیکن خیال تک نہ آیا۔ نہ شیطانی نہ روحانی۔ بلکہ عیانی اور وجدانی طور پر ایسا معلوم ہوتا کہ حضور کا سینہ مبارک میرے سینہ کی جگہ رکھ دیا گیا۔ سوائے ٹھنڈ (برد) کے میرے سینہ میں اور کوئی کیفیت نہ تھی۔

### ذوقِ اینے شناسی جسدِ انا پختی

۱۵۰ اس کے بعد پھر آپ نے نہ مراقبہ فرمایا نہ توجہ فرمائی۔ یہ واقعہ آخر شعبان ۱۳۳۷ھ کا ہے اور اسی حاضری میں آپ نے آخری کیفیت باطنی دریافت فرمائی جس کا ذکر کیا گیا۔

۱۵۱ غیر طریقہ کے لوگ نقش بند یہ۔ قادریہ۔ چشتیہ بھی حاضر ہوتے۔ آپ کسی سے اجنبیت

نہ فرماتے۔ بلکہ ایک دفعہ خود حضرت مغفور و مرحوم، فداہ روحی نے فرمایا۔ کہ پہلے تو اجنبیت تھی۔ جب کہ تمہارے بھائی مولوی فخر الدین صاحب آئے تھے۔ لیکن اب نہیں۔ سب کو

ایک جانتا ہوں۔ اور اکثر ”چشتیہ ہشتیہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) فرماتے۔ اور فرماتے

”چشتیہ ہشتیہ بڑے بابرکات بزرگ ہوتے ہیں“ قادریہ میں سے غوث الثقلین حضرت

پیر دست گیر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ان الفاظ سے نہایت اشتیاقاً لہجے میں فرماتے

”بغداد والی سرکار نے اسی طرح فرمایا“ ”بغداد والی سرکار اس طرح فرماتی ہے اور آپ

کی مبارک آنکھیں اس جانب ہو جاتی تھیں۔ گویا دیکھ رہے ہیں۔ متاخرین سے خواجہ شمس الدین

۱۔ اس شراب کی لذت خدا کی قسم جب تک تو خود نہ پیئے گا محسوس نہیں کر سکتا۔ میری جان آپ پر قربان ہو۔

۲۔ حضرت قبلہ عالم مجرب الہی مصنف مدظلہ کے چچا زاد بھائی میرا شریف ضلع کیمبلپور میں حضرت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(جو آخری خلیفہ تھے حضرت سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے) سے بیعت تھی اور آپ ان کے خلیفہ مجاز تھے۔ وفات ۱۳۶۲ھ

۳۔ غوث الثقلین (جن وانس کا غوث) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ہے۔

۴۔ حضرت خواجہ شمس تونسوی، حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے تھے اور حضور کے

سجادہ نشین۔ ان کے عہد میں بھی فقر و تصوف کو خوب رونق ہوئی۔

(تاریخ وصال ۱۳۱۹ھ)

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے۔ اور خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی رح۔ اور حضرت بابا فرید شکر گنج رح۔ اور حضرت علی احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے اکثر اشعار مبارک نہایت ذوق سے موقعہ بموقعہ حسب ضرورت پڑھتے۔ ایک دوست سے ذکر فرمایا کہ پہلے میری آنکھیں مکان شریف کو دیکھتی رہتی تھیں۔ لیکن اب تو خواجہ معین الدین صاحب کی طرف ہی میرا رخ رہتا ہے۔

۱۵۲ ان خاندانوں سے توسل رکھنے والے کو تلقین ذکر نہ فرماتے۔ لیکن فیوضات باطنی سے آپ دریغ نہ فرماتے۔ معمول تھا کہ آپ فرماتے۔ ”جو کچھ بزرگوں نے فرمایا۔ وہی کرو۔ اس میں برکت ہوگی۔“ ہاں اگر کوئی کہتا کہ تلقین ذکر حاصل نہیں۔ تو آپ تلقین ذکر بھی فرمادیتے۔ لیکن عجب حالت تھی۔ کہ زبان سے کچھ نہ فرماتے۔ لیکن اندر ہی اندر تمام کام بن جاتا۔ اس پر ایک دو واقعہ پیش کر دیتا ہوں۔

۱۵۳ ایک بار سرگودھا کے قریب رہنے والے ایک مولوی صاحب آئے۔ جن کا تعلق روحانی حضرت قبلہ میروی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ حاضر ہوئے تو آپ نے حسب دستور و معمول وقوف قلبی کی تاکید فرمائی۔ اور زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ ان کو مسجد سے گئے ہوئے ہوں گے۔ کہ واپس آگئے۔ جانے سے پہلے بھی میں نے ان کو دیکھا تھا۔ باتیں کی تھیں۔ آئے تو حالت ہی بدل گئی۔ خاموش سہرافتادہ چہرہ میں حیرت۔ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ صرف وقوف قلبی فرمایا۔ بلکہ یہ بھی ان کی طرف سے تھا۔ آپ ایسے

۱۴ ضلع گورداسپور میں ایک مبارک مقام ہے۔ جہاں حضرت امام علی شاہ صاحب اور حضرت شاہ حسین بھڑے والی سرکار کا مزار مبارک ہے۔ تقسیم کی وجہ سے یہ مقدس مقام بھی ہندوستان میں چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان مقامات میں حاضری آسان فرماوے۔

۲۴ وقوف قلبی۔ دل کی طرف متوجہ ہو کر ذکر رہنا۔ اور ذکر میں ذاتِ حق جل جلالہ کا خیال سامنے رکھنا۔

۲۵ سر نیچے ڈالے۔

اصطلاحات صوفیہ کبھی اپنی زبان پر نہ لاتے۔ اور طالب کو مفت کے جنجال میں نہ بھناتے سیدھے سادے الفاظ میں جو کچھ فرمانا ہوتا فرما دیتے۔

۱۵۴ ایک بزرگ حضرت قباہ مہر علی شاہ صاحب مدظلہ کے مریدوں سے حاضر ہوئے ان کی ریش نصف سے کم سفید تھی۔ اور کپڑے پرلنے اور بوسیدہ۔ آن قدوة الساکین شریف

لائے۔ ان سے دریافت حال کیا۔ فرمایا۔ کہ اللہ الصمد پڑھتے ہو۔ تو انہوں نے کہا

کہ جی حضور۔ فرمایا کہ دو نام ہیں۔ اللہ الصمد۔ لیکن وہ اس رمز کو نہ تاڑ سکے۔ فرمایا

کہ پیر صاحب کے پیشوا (پیر) سیال شریف والے تھے؛ انہوں نے کہا، جی۔ فرمایا کہ وہ

انگریزوں کے اندر (ملک میں) بھی رہتے تھے۔ لیکن ان سے باہر (بے تعلق) بھی تھے فرمایا

کہ مومن کا نشان ہے

از حسداً اول تو دل را پاک دار

۱۵۵ زان بعد آپ ان کے چہرے پر ہاتھ ملتے جاتے۔ اور فرماتے یہ نور ایمان ہے یہ

نور ایمان ہے۔ معلوم نہیں کتنی دیر آپ اسی طرح کرتے رہے کہ ان کا چہرہ آہستہ آہستہ

بدل گیا۔ اور ایک گھڑی کے اندر ہی آفتاب کی طرح ان کے چہرہ سے نور برسنے لگا یہ ہے

بد شہیضا۔ کہ جس کو مس بھی کر گیا۔ آفتاب بنا گیا۔

۱۵۶ ایک معمر بزرگ سانگلہ کی مسجد تعمیر کر وہ حاجی محمد دین صاحب قادری گجراتی کے امام

آئے آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ مسجد کا امام ہوں لیکن دوسرے

۱۔ حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ سیالوی کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں مقیم

تھے۔ وہیں مدفون ہیں۔ وقت کے نہایت جلیل القدر اولیاء اللہ ہیں۔

۲۔ وہ اللہ والوں کے پیشوا ۳۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی خلیفہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی۔

۴۔ پہلے حسد سے اپنے دل کو صاف کر دو۔

۵۔ سفید ہاتھ۔ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ جو معجزے کے طور پر آفتاب کی طرح چمکتا۔

ملاؤں کی طرح نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کیسے۔ انہوں نے کہا کہ وہ تو مسجد کے وظیفے کھاتے

ہیں۔ فرمایا۔ اگر کھاتے ہیں تو کیا مضائقہ۔ آخر آپ کیا کھاتے ہیں۔ انہوں نے کہا، کہ

حاجی صاحب خرچ دیتے ہیں۔ فرمایا تو پھر یہ کیا ہے، (مسجد ہی کا نہیں تو)۔

۱۵۷۔ زان بعد آپ نے توجہ تو کسی اور طرف ظاہر کر دی اور کسی اور سے مخاطب ہو

گئے۔ لیکن چپکے سے اپنی شہادت کی انگلی ان کے قلب پر جا ٹکائی۔ ابھی سینہ سے مس ہی کیا

ہو گا کہ انہیں حال (وجد) ہو گیا۔ پگڑی گر گئی۔ اور دیر تک سر پٹکتے رہے۔ یہ ہے توجہ اور یہ

ہے تصرف قلبی۔ کہاں تک ایسے واقعات لکھوں۔ چشم خود سینکڑوں دیکھے۔ اللہ تعالیٰ حضور

کو ملا علیین اور اپنے قرب میں منزلت عنایت فرما کر تاقیامت ان کے رُوح مبارک پر

رحمت برسائے۔ آمین ثم آمین۔

۱۵۸۔ یوں تو توجہ حاضرانہ سے ہمیشہ سرفراز فرماتے۔ اور حاضری کے دنوں میں کبھی دل سے

کبھی چشم مبارک سے۔ اور کبھی ہاتھ مبارک سے کبھی مراقبانہ صورت میں توجہ فرماتے لیکن احباب

کو غائبانہ توجہ بھی فرماتے تھے حضور کی خدمت سے واپسی کے بعد اتنا اثر ہو جانا کہ بیان سے

باہر ہے۔ اور حضور میں اس کے مقابلہ بہت کم اثر ہوتا تھا۔ یا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ہی

توجہات کا فیض روز افزوں ہو جاتا جیسا کہ ایک بزرگ قادری سے ایک (بزرگ) نے بیعت

کی۔ اور بدستور حالت عیاشانہ میں رہے۔ کسی نے شاہ صاحب کی خدمت میں جا کر کہا۔ کہ

فلاں بزرگ زادے نے آپ سے بیعت بھی کی تھی۔ لیکن اس کی حالت بدستور ہے۔ آپ نے

۱۔ وہ روٹیاں جو اہل محلہ مسجد میں پہنچاتے ہیں۔ بلا تصرف قلبی۔ دل پر تصرف (یعنی دل کے حالات میں رد و بدل کی قوت)

۲۔ جماعت علیین۔ بلند مقام والے۔ آسمان پر ایک مقدس مقام سے۔ جہاں صالحین عالم کی روحیں جاتی ہیں۔

۳۔ توجہ۔ اس کے معنی ہیں متوجہ ہونا۔ شیخ کامل اپنے دل کی گرمی اور نور کو اپنے مخاطب پر القا فرماتا ہے۔ شیخ کا قلب منور اور جان پاک مرید

کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس کے باطن کی گرمی مرید کے دل کو اور اس کے جسم کو تاثرات سے بھر دیتی ہے اور دل اور جسم کو جنبش دیتی ہے۔ ایسی صورت

میں پیر کا قلب اس کے تمام حواس پر غالب ہوتا ہے۔ آنکھ سے متوجہ ہو گا تو آنکھ تاثیر کر جائے گی۔ اٹھ سے مس کر گیا تو اٹھ کے ذریعے نورانی لہریں

مرید میں سرایت کر جائیں گی۔ یہ گرمی نور اور جنبش، شیخ اور مرید کی قابلیت اور قوت کے مطابق ہوتی ہے۔

۴۔ غائبانہ توجہ سے مراد وہ توجہ ہے جو پیر اپنے اس مرید پر القا کرے توجہ فرماوے جو حاضر نہیں غائب ہے اور دور ہے۔

پیر کامل کے قلب کی گرمی اور نور کی لہریں دور و نزدیک میں یکساں عمل کرتی ہیں۔

۵۔ بقید منزل نہ بود در سفر روحانی



سراٹھا فرمایا۔ کہ ناگ (زہر پلایا سانپ) کے ڈسے کو ایک دن زہر چڑھ جائیگا (اثر ہو جائے گا)۔ چنانچہ شاہ صاحب تو وصال پا گئے۔ مگر بعد میں بزرگ زادے واقعی بزرگ ہو گئے۔

۱۵۹ اس خیال کی تائید برادر مکرم حاجی عبدالرحمن صاحب نے بھی فرمائی۔ جب کہ میں نے اس کی شکایت ابتدا میں کی۔ کہ توجہ کا اثر مراقبہ میں مجھے بہت کم ہوتا ہے۔ جواباً آپ نے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ گھر جا کر دیکھنا اور کہ حضور نے ابتداء زمانہ میں مجھے ایک بار توجہ فرمائی۔ زان بعد آپ نے حالت دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا۔ کچھ تبدیلی نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا اللہ ہمارے توجہ خالی نہ جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا آخر کار بار آور ہوئی۔

۱۶۰ میں نے اپنے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیال شریف رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اللہ شریف رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مرید اور توسل رکھنے والے دیکھے۔ جنہوں نے اپنی طرف سے کوئی جدوجہد اس راہ میں نہ کی۔ لیکن ان کی صورت و سیرت اتنی دل پسند ہوتی ہے کہ دل خود بخود کہہ دیتا ہے کہ یہ فلاں بزرگ سے تعلق رکھنے والا ہے۔ کیونکہ ہر بزرگ کی ایک نورانی (خاص) صورت نوعی ہوتی ہے۔ جس کا پرتو اس کے تمام مریدوں پر ہوتا ہے اور بعینہ ہی صورت ہمارے قبلہ حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین کی ہے کہ اسٹیشنوں پر۔ بازاروں میں، گھروں میں اور مسجدوں میں اپنی صورت نوعی (نورانی) سے بالکل یہ ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور دنیا کہنے والی ہوتی ہے کہ یہ میاں صاحب کے مرید جا رہے ہیں۔ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس خصوصیت میں حضرت اللہ شریف رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پلہ ہیں۔ اور دیگر بزرگوں

۱۔ حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۵۔ رجب ۱۳۲۱ھ)

۲۔ حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ حضرت غلام نبی لٹھی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۲۴۔ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ)

سے ممتاز۔ کیونکہ حضرت لیلہ شریف والے کے مریدوں کے چہرے بھی بہت نمایاں نورانی دھلے ہوئے دیکھے۔ جتنے بھی دیکھے اس خاصہ میں یہ دونوں بزرگ اپنے مثال آپ ہی ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہما اور اپنی پوری ہمت مرید پر صرف فرماتے۔

۱۶۱ حضور غائبانہ توجہ بھی فرماتے۔ کئی بار آپ نے مجھ سے فرمایا۔ ”کہ جاؤ مسجد جا کر کچھ

کر لو۔ اسی طرح خیال کرنا کہ تم میرے سامنے ہو۔“ اور حضرت صاحب کی مزار چھوڑ کر آنے کی

کیا ضرورت ”میرا خیال وہاں بھی تمہاری طرف رہتا ہے۔“ میں تو تم کو اپنے پاس جانتا ہوں

تم بھی اپنے پاس مجھے دیکھا کرو۔“ اور قرب و بعد میں کچھ فرق نہیں جب دل قریب ہو۔ قریب

ہونے سے کیا فائدہ جب دل قریب نہ ہوں۔ کبھی قریب ہونے میں وہ لطف نہیں رہتا۔

جو دور میں تھا۔

۱۶۲ ان بالا ملفوظات میں صاحب ہوش کے لئے بہت کچھ معافی اور بہت سے ہدایات

ہیں اور تشریح کی ضرورت نہیں۔ اپنے اپنے فہم طبیعت کے مطابق فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

۱۔ مثال - ایک جیسے

۲۔ کامل شیخ اپنے مریدوں کو اپنے روحانی فرزند خیال فرماتا ہے۔ اور ان کو اپنی توجہات سے ہمیشہ

نوازتا رہتا ہے۔ اگرچہ یہ توجہ بعض مرید اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کھل کر قبول کرتے ہیں اور بازی

لے جاتے ہیں۔ ، انہی مسلسل توجہات اور پوری نگہداشت اور تربیت میں جزئیات کو بھی ملحوظ

رکھنے کو ہمت صرف فرمانے سے تعبیر فرمایا گیا۔

# اویسی نسبت

۱۔ حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اویسی تعلقات بہت تھے اور خاص کر آپ کو بھوپرہ شریف (مکان شریف) کے حضرت سے نہایت گہرا تعلق تھا۔ اور اکثر علاموں کو انجنا کی مزار شریف سے فیض اٹھانے کے لئے ارشاد ہوتا تھا۔

خوش قسمتی سے جب میں دوسری بار شوال ۱۳۳۳ھ میں حاضر ہوا۔ تو حسن اتفاق سے عرس مکان شریف کی تقریب پر حضور جانے والے تھے۔ قدم بوس ہوتے ہی فرمایا۔ مکان شریف عرس پر جانے کا ارادہ ہے۔ تمہاری کیا مرضی ہے۔ عرض کیا جس طرح حضور کا ارشاد ہو۔ فرمایا اچھا ہے کہ تم بھی دیکھ لو۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کتنے دوست حضور کے ہمراہ جانے کے لئے تڑپ رہے ہیں۔ آخر وہاں پہنچے۔ تو فوراً میاں محمد علی صاحب خیاط کو میرے اور پیر محمد لطیف صلح کے ہمراہ کیا۔ کہ انہیں بھوپرہ شریف میں لے جاؤ۔ چنانچہ با وضو ہو کر فاتحہ کہا اور مراقبہ بیٹھے۔ لیکن اس وقت میری اتوار استعداد نہ تھی۔ مگر یہ سمجھ گیا کہ یہ میری عین سعادت ہے۔ کہ ایسے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات نے شرق پور شریف پہنچایا۔ جب کہ یہ دولت نصیب ہونے کا وقت تھا۔ اور یہ ابتداء تھی آئندہ کی سعادت کی۔ اس کے علاوہ بہت سے بزرگوں سے آپ کو روحانی تعلقات

۱۔ حضرت اویسی قرظی سے یہ نسبت منسوب ہے کہ جیسے حضرت اویسی قرظی کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے غائبانہ نسبت تھی۔ اسی طرح بعض سالکوں اور بعض بزرگوں کو بعض اہل قبور سے غائبانہ نسبت ہوتی ہے۔

۲۔ حضرت شاہ حسین بھوڑے والی سرکار۔ (وصال ۱۲۴۴ھ)

۳۔ مراقبہ۔ غالب الذہن ہو کر متوجہ الی اللہ ہونا مراقبانہ صورت میں کچھ پڑھا نہیں جاتا بلکہ حصول فیض کی انتظار ہوتی ہے۔

تھے۔ اور ایسی ایک کو دوسرے سے محبت تھی۔ جیسے دو احباب زندہ میں ہوتی ہے۔ جب آنحضور رحمۃ اللہ علیہ کسی بزرگ تعلق والے کا ذکر فرماتے۔ تو آپ کی آنکھیں اس طرف ہتھیارتا اٹھتیں۔ جیسا کہ کوئی مشتاقانہ نظر دیکھنے کے لئے اٹھاتا ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ آپ فرماتے کہ ہم تو آپ کو بیشتر بھی کہتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی۔ کیونکہ درمیانی حجب روحانیت کے نور نے اٹھا دیئے تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک جمعہ کو وعظ کے اندر فرمایا۔ کہ ایک تین سو ہوتے ہیں۔ ایک چالیس ہوتے ہیں۔ اور ایک تین اور ایک ایک۔ اس ایک کی روحانیت سے ستر درجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک لطیف تر ہے یعنی غوثؑ کی روحانیت سے آپ کا جسم عنصری ستر درجہ لطیف تر ہے۔ فتاویٰ بر فی ذالک۔

۱۶۵ ہم خاک کی سیاہی دل کیا تمیز کر سکتے ہیں۔ کہ وہ کیا ہیں۔ اور یہ کیا ہیں۔ بلکہ اپنی طرح ہی ان کو بھی بیشتر کہتے جلتے ہیں۔ اور اپنی طرح ہی مردہ رُوح۔ صاحب مثنوی نے اس بارے میں خوب فرمایا ہے

بندگانِ خاصِ علام الغیوب در جہانِ جاں جو اسیں اقلوب

۱۶۶ حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ظاہری نسبت کے علاوہ ایسی نسبت کئی بزرگوں سے حاصل تھیں۔ سائیں گلاب شاہ صاحب رحم مرحوم جن کا مزار شریف رسول نگر ضلع گوجرانوالہ میں ہے اور بڑے کامل مجذوب ہو گزرے ہیں۔

میراں سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مزار مبارک بھیرہ) ضلع سرگودھا اور بادشاہ صاحب

۱۔ بشر اور نور کی بحث اس زمانے کا بڑا علمی جھگڑا ہے۔ اولیاء اللہ کا مسلک یہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر ہیں، بیشک، لیکن بشریت پر نور کا اتنا علیہ ہے کہ حضور حاضر، ناظر ہیں۔ ہر گل میں ہر پتھر میں محمدؐ کا نور ہے۔ علامہ جسم اور روح کے فرق کو کون نہیں جانتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اظہر بھی انا لطیف ہے کہ غوثِ وقت کی روحانیت سے ستر درجہ جسم مبارک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا لطیف تر ہے۔ حضور ستر درجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی لطافت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ علامہ غوث، روحانیت کا بلند ترین درجہ ہے۔ اور ایسے مارج روحانی جن حضرات کے پیر ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں کی دینی و دنیوی مشکلات میں مدد فرماتے ہیں تاکہ آپ اس مقام پر خود کریں۔ علامہ مولانا جلال الدین دہلوی مصنف مثنوی مولانا روم علامہ الغیوب (اللہ تعالیٰ) کے خاص بندے روح کے عالم میں دلوں کے مجید جاننے والے ہیں۔ علامہ حضرت مولانا غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ بیر بلوی۔ علامہ مجذوب، سلوک اور جذب فقر کی دو نسبتیں ہیں۔ پہلی نسبت تشریحی یعنی ظاہر شرح کے امور سے متعلق ہوتی ہے اور دوسری نسبت تنکوینی ہے۔ جو دنیا کے کارخانہ کی جان ہوتی ہے۔ علامہ میراں سید احمد صاحب۔ مزار مبارک بھیرہ۔ مقبول خواص و عوام ہیں۔

مقبرہ خوشاب سے روحانی تعلقات بہت تھے۔ حضرت قبلہ فرماتے: ”کہ یہ بزرگ ہمارے دوستوں سے ہیں۔“ اور ہمارے مخلصوں سے جو ان کے مزارات پر جائے گا۔ ان کے فیض سے محروم نہ آئے گا۔ چنانچہ حضرت قبلہ میاں صاحب کی شرفیابی سے پیشتر یہ خاکسار بھی حضرت شاہ صاحب کی مزار پر انوار پر نہایت ارادت مندی سے حاضر ہوا۔ اور اسی طلب رسول نگر میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حالانکہ یہ وہم گمان بھی نہ تھا۔ نہایت پستہ قد نحیف البدن چھوٹے قدم۔ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دئے۔ لیکن اپنی طبیعت کے مطابق میں نے اس خواب کو بڑی اہمیت نہ دی کہ خواب و خیال ہے۔ لیکن جب دوبارہ مزار پر حاضر ہوا۔ تو بعینہ آپ کا جوڑا (جوٹا) مبارک اور وہی نقشہ نظر آگیا۔ میں نے لوگوں سے حلیہ آپ کا دریافت کیا۔ تو بعینہ وہی صورت بتلائی جو میں نے دیکھی تھی۔ دونوں بزرگوں کے کمال کا معترف ہو گیا کہ اپنے اپنے وعدے اور ارشاد میں پورے ہو اترے۔ اس کے علاوہ میں نے بہت کم بزرگان سلف کی صورت عالم رویا میں دیکھی۔ اور جو دیکھی بھی تو پورے یقین سے فیصلہ نہ کر سکا کہ کون تھے۔

۱۶۸ اس کے سوا حضرت قبلہ جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کو کسی ایک کامل مجذوبوں سے بھی فیض حاصل تھا۔ شادے خاں جو اپنے وقت کے یگانہ قطب دارہند تھے۔ اور ہندوستان سے آکر تحصیل خوشاب کے لوقہ ریگستان میں رہا کرتے تھے۔ ایک بار حضور ان کی خدمت میں بھی تشریف لے گئے۔ اور کوئی گھنٹہ بھر مراقبانہ صورت میں دونوں بزرگ بیٹھے رہے۔ لیکن منہ سے کسی ایک نے بھی ایک لفظ نہ فرمایا۔ پھر چلے آئے۔

۱۔ خوشاب میں دریاٹے جہلم کے کنارے قبرستان کی شمالی جانب مزار مبارک ہے۔ ایک روضہ مبارک ہے اور روضہ میں دو قبریں ہیں۔ ساتھ ہی ایک عالیشان مسجد ہے۔

۲۔ اول حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ، دوم حضرت سائیں گلاب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ خواب کی حالت۔

۴۔ شادے خاں مجذوب بزرگ تھے۔ ہڈالی ضلع سرگودھا میں قبر مبارک ہے۔

انہی مجذوبانہ اور ایشیاناہ نسبتوں نے آپ کو سالک مجذوب بنا دیا تھا۔ انہیں نسبتوں کے غلبے کی وجہ سے آپ کو یہ الفاظ کہنے پڑے۔ کہ نسبتاً میں فقیر مزوجہ بقلندریہ امت لیکن حق یہ ہے کہ انہی مختلف نسبت کے امتزاج نے سونے کو کندن کر دیا۔

۱۶۹ اس کے بعد میں آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس ملفوظ کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ کہ آپ کے حضرت صاحب فرمایا کرتے "کہ اویسی نسبت ایک عجیب نسبت ہوتی ہے۔ سو اس میں تین اشارے تھے۔ ایک اپنی نسبت۔ ایک جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کی اس نسبت کی طرف، اور ایک میری طرف۔ جیسا کہ آپ نے کئی بار تاکید فرمایا "کہ دادا صاحب کی مزار کو نہ چھوڑنا۔ دادا صاحب کی مزار ہوتے یہاں آنے کی کیا ضرورت۔ دگو میں آنے کی ضرورت سے خوب واقف

تھا اور آں قبیلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی جانتے تھے۔ اپنی محبت اور میری تاریکی دل سے بھی کامل واقف تھے۔ کتنا دماغ ٹھیرتے ہو اور کس وقت جاتے ہو اور کس وقت واپس آتے ہو۔ میرا خیال تو ہے کہ تم وہیں جماعت کرایا کرو۔ کبھی اندر بیٹھ گئے کبھی باہر۔ کبھی مسجد میں کبھی مزار شریف پر۔ زیادہ نہ سہی، ایک رُبع پارہ مزار شریف پر اور امر و منہا ہی کا خیال رکھ کر تلاوت کر لیا کرو۔

۱۶۹ اس مقدس مزار کے علاوہ دو اور مزارات کا بھی ذکر فرمایا۔ ایک تو میرا صاحب کی بابت فرمایا۔ "بیربل سے مشرق کو میں نے ایک مزار بڑا برکت والا دیکھا اور ایک حضرت جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کے دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ کا ذکر فرمایا۔

کہ قادری نسبت کے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔" وہاں دو مزار ہیں۔ ایک تو حضرت دادا صاحب کے

۱۔ ایک ایسی نسبت ہے جس کی برکت سے صاحب نسبت تشریحی اور تکوینی دونوں نسبتوں کا مالک ہوتا ہے ایسا فقیر بے حد صاحب کمال ہوتا ہے۔ ۲۔ اس فقیر کی نسبت قلندری نسبت سے مرکب ہے۔ ۳۔ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا مین کے مزارات کے فیوض اظہر من الشمس ہیں لیکن ترتیب یافتگان کے لئے اور صاحب استعداد سالک صاحب قبر کی نسبت پوری طرح مستفیض ہو سکتا ہے۔ ۴۔ قرآن کریم پڑھنے میں یہ خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کے کرنے کا حکم دے رہا ہے اور اس چیز سے منع فرما رہا ہے۔ پھر تاثیرات کا باب کھل جاتا ہے۔ ۵۔ کامل بزرگ صاحب مزار کی نسبت بھی محسوس کرتے ہیں اور قادری نسبت سلسلہ قادریہ سے منسوب ہے اور اس مقدس سلسلے کے بانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

و ادا صاحب کا ایک اُن کے چچا صاحب کا۔ آپ کے چچا جو ایک مجذوب بزرگ تھے۔ اور دونوں کے نام علی الترتیب حضرت مولوی صدر الدین صاحب اور میاں وڈا صاحب لیکن مجھے صرف حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کی مزار سے اکتساب فیض کے لیے۔ ارشاد ہوا کہ فاتحہ سے پہلے پاپھیے خالی الذہن (النسبت) ہو کر بیٹھا جایا کرو۔ اور سمجھا کرو کہ فیوضات سینہ میں آ رہے ہیں اور ایسا ہی ہوتے ہوتے واقعی معلوم ہونے لگیں گے۔

۱۶۹ ب چنانچہ پہلی شرف یابی سے آیا۔ تو حسب ارشاد جا بیٹھا۔ حیران ہوں باونسیم کے جھونکوں کی طرح فیوضات وارد ہونے لگتے۔ اور میرے وجود کو آہستہ آہستہ جھولا دیتے۔ بعض مزارات پر جا کر رقت طاری ہو جاتی۔ اکثر میں شام کے بعد بھائی مرحوم مولوی محمد معصوم کی مزار پر جایا کرنا۔ اور بھی بہت سے خاندانی ویاں مزارات ہیں۔ اور حضرت کے والد بزرگوار کا مزار شریف بھی گل بہر سجدہ کی طرح ویاں ہے۔ سورہ فات (قی) فاتحہ کے لیے باواز بلند پڑھنا۔ لیکن آت آت پر رقت ہے۔ اور آنسو۔ سبحان اللہ حضرت قبلہ میاں صاحب کی طفیل کیا کیا دیکھا۔

۱۷۰ چونکہ میں بے آرام ہوں اور صاحب غریمیت نہیں۔ اور ان امور کے لیے اوقات کی پابندی نہایت ہی ضروری۔ اس لیے دو ماہ کے بعد میری یہ حالت بدل گئی۔ تاہم اپنے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار سے میں نے بہت کچھ اکتساب کیا اور جب کبھی کسی جگہ چند دن کے لیے چلا جاتا ہوں اور طبیعت بحال نہیں رہتی تو اسی مزار پر پھر اپنی اصلی حالت رجوع کرتی ہے۔ بلکہ سفر شرفپور جیسا مبارک سفر میرے لیے کوئی نہیں۔ اور قیام سے بھی بڑھ کر یہ سفر مبارک۔ لیکن

مراقبہ کی یہی صورت ہے کہ خیالات سے پاک ہو کر متوجہ ہو جائے اور غالب خیال یہ رہے کہ انوار و فیوضات سینے میں آ رہے ہیں۔

۲ مولوی محمد معصوم صاحب حضور قبلہ عالم دام ظلہ کے بڑے بھائی تھے بہت بڑے فاضل تھے۔ جوانی میں انتقال فرما گئے۔ (دقائق ۱۳۳ ص ۳۰) حضرت اعلیٰ میر بلوچی کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت محمد اسلم رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

۳ اس سے مراد قلبی کیفیت میں کمی محسوس کرنا۔

سچ تو یہ ہے کہ جمیعتِ باطنی کا شیرازہ اس سفر مبارک میں بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ حضور کے فرمان سے پیشتر سفر میں بوجہ عدم تعلقاتِ طبیعت اچھی رہتی تھی اور گھر میں بوجہ تعلقاتِ خانگی طبیعت پریشان۔ مگر اب یہ معاملہ برعکس ہے۔ کیوں؟ صرف حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد اور تعمیلِ ارشاد کی برکت سے۔

## الحاصل

۱۶۱ حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر مخلصین کو پاک لوگوں کے مزارات پر انوار پر جانے، ان سے فیوضاتِ باطنی کے حاصل کرنے کا ارشاد فرماتے۔ لیکن عوام طبقہ کی قبر پرستی سے آپ ہمیشہ نالاں رہتے۔ بلکہ بزرگانِ سلف کے عرس اور دیگر تقریبات کو دعوم کے عقائد کو مد نظر رکھتے ہوئے، بنظرِ استخسان نہ دیکھتے۔ چنانچہ باوجود روحانی گہرے تعلقات کے خود کوئی عرس کسی بزرگ کا اور کوئی نیاز گیا رھویں بارھویں کی نہ فرماتے اور فرماتے ”کہ اصل دین کو چھوڑ کر کہاں سے کہاں مسلمان جانکلے! اور کام تھوڑے ہیں کہ مسلمان انہیں چھوڑ کر ان میں جاگرے ہیں۔“

## تصویرِ شیخ

۱۶۲ آپ فرماتے ”کہ میرے خیال میں اسمِ ذات کا ہی تصور کافی ہے (جیسا کہ لکھا گیا) لیکن جب کبھی کوئی مخلص درد و محبت کی کمی کی شکایت کرتا آپ نہایت لطیف پیراہ میں تصویرِ شیخ

علاؤ الدین اور کیسوی کا قیام علی قبر پرستی۔ اہل قبور کے فیوضاتِ باطنی اور برکات کا حصول فقر و تصوف کا ایک حصہ ہے۔ لیکن عوام کا لانا عام کو ان فیوضات سے کیا عرض۔ وہ تو اپنے دنیوی مقاصد کے لئے قبور کی طرف رجوع کرتے ہیں پھر اعتدال کا سوال بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا تصور بھی اپنے ذہن میں نہیں رہنے دیتے جس سے بجائے دینی فائدہ کے دین کا نقصان کر بیٹھتے ہیں۔  
علاؤ الدین مقامات پر لوگوں نے عرس کو میلے کی شکل دے دی ہے اور ہر قسم کی زیادتیاں عوام کرتے ہیں اور شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔  
علاؤ الدین نہ فرماتے۔ اصل دین تو عبادتِ الہی ہے اس کی طرف توجہ نہیں اور تمام قوت رسومات پر خروج ہو جاتی ہے۔  
علاؤ الدین سلوک کی حقیقت مادی دنیا سے الگ ہو کر تصورات کی دنیا میں جانا ہے اور سالک کے لئے محبت کا مظہر اول اپنے شیخ کا وجود ہے اس لئے اگر تصویر شیخ میں پختگی آجائے تو آئندہ منازل میں ہر تصور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ علاؤ الدین اسمِ ذات ہے۔ اس مبارک اسم کا ذکر اور تصور اگر کسی کے ذہن میں ہے اور روح کی زندگی۔ لیکن اس تصور کی پختگی سے پہلے اپنے شیخ کا تصور نچتر کر لینا حصولِ ذوقِ شوق اور اخلاص و محبت کے لئے ضروری ہے۔



کی طرف کٹائے فرماتے۔

۱۴۳ چنانچہ کئی دوستوں سے فرمایا۔ ”مجھے اپنے پاس ہی سمجھا کریں۔ میں تمہیں یہاں بیٹھے دیکھتا ہوں۔“ تم بھی مجھے گھر سے دیکھنے کی کوشش کرو۔ گاہے گاہے فرماتے۔ میں نے کبھی کسی کو تصورِ شیخ کے بارے میں نہیں کہا، لیکن بزرگ تو فرماتے تھے۔ ”تصور میں چنداں قباحت نہیں۔“ لیکن میں تو کسی کو نہیں کہتا۔“ اور نہیں، درود شریف کے وقت میرا خیال کر لیا کرو۔

۱۴۴ جب میں نے اپنی باطنی شکایت حضور کی خدمت میں کی تو فرمایا۔ درود شریف پڑھتے ہوئے حضرت صاحب کی مزار کا خیال کر لیا کرو۔ ضرور فائدہ ہوگا۔

## ذہنی تربیت

۱۴۵ موجودہ دور میں اس تربیت ذہنی کی طرف بہت کم مشاغل کا خیال ہے۔ اور اُوراد و اذکار پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔ اگر علمی حلقہ میں اس تربیت کو مکمل کیا جاتا ہے۔ تو اس میں صرف تصوف کے باریک مسائل کو فلسفیانہ لباس میں ذہن نشین کرنا اس تربیت کی تکمیل سمجھی جاتی ہے اور حضرت امام مجدد علیہ الرحمۃ کے مکتوبات سمجھنے کو نصب العین قرار دیا جاتا ہے! اور اسی طرح یہ تربیت ذہنی ذہنی رہ جاتی ہے۔ نہ کہ ذہنی عملی۔ وحدت وجود۔ وحدت شہود۔ حقیقت محمدی۔ حقیقت احمدی۔ دائرہ محبت صرفہ۔ دائرہ محبت عامہ۔ دائرہ تعین اور لاتعین کی حقیقتوں اور ان کے تعینات میں ساری قوت صرف ہو جاتی ہے اور بس، ایک زمانہ تھا کہ سلف صالحین پہلے تزکیہ نفس پر عمل میں

علا کمال کی نگاہ باطن جہر توجہ کر سکی وہی صورت سامنے ہوگی کیونکہ روحانیت میں کمال کے بعد زمان و مکان کا باند کم ہو جاتا ہے علامہ مرید اپنے مرشد کی طرف دھیان جمائے۔ جب مرید کمال نہی جائے گا تو اپنے مرشد کی سی تاثیرات پیدا ہو جائیں گی اور باند کم ہو جائے گا۔ درود شریف کے وقت رحمت الہی کی بھڑی لگی ہوتی ہے۔ اور تصورِ پنجہ سونے کا موقع ہوتا ہے اس لئے اس آسان سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیا۔ مزارات کے فیوض آنے والے تو خوب جانتے ہیں۔ لیکن چونکہ تصور کی پختگی اور عقیدت کی مضبوطی ہی ان فیوض کا ایک سبب ہوتی ہے۔ اور حصولِ فیض ایک صحیح احساس ہے۔ اس لئے قبر کا تصور بھی یکسوئی کے ساتھ بابِ فیض کھول دیتا ہے۔ ذہن کو صحیح راستے پر لگانا تاکہ وہمات سے نجات ملے۔ اور حقائق کو دیکھنے کا عادی بن جائے۔ گویا عمل نہیں مجاہدہ نہیں بلکہ مسائل کی علمی تفسیر پر ہی اکتفا کی جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی میرا لہ اندر کو جس طرح بیان فرمایا ہے اور جو طریق تربیت آپ نے مقرر فرمایا اور جو اصطلاحات آپ نے وضع فرمائیں ان کی علمی تشریح ہی تکمیلِ فکر سمجھی گئی، حالانکہ وہ عملی اور شاہداتی چیز ہے۔ گذشتہ بزرگانِ علم اخلاقِ روزیہ سے نفس کا پاک کرنا۔

صرف کراتے اور زماں بعد طالب جب پایہ تکمیل کو پہنچتا اور اسے ماڈرن کیا جاتا۔ تو ایسے معانی اس کے سامنے رکھے جاتے تاکہ رشد و ارشاد کے دوران میں اس سے خطا سرزد نہ ہو جائے۔ یا طالب کے تصور کو صحیح اور درست کرنے کے لئے آسان الفاظ میں ابتداءً ہر سبق کے پہلے کچھ اصطلاحات سے فرمادیتے۔ لیکن اس وقت عجب حالت ہے۔ پہلے فریق کے پاس سوائے علمی ٹونٹگانے کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں۔ نہ اخلاق ہیں نہ عادات نہ اذکار ہیں نہ اشغال۔ بلکہ سلف صالحین کی پوٹیک ان سے نہیں آتی لیکن کمالات نبوت کے مدعی۔ اور اپنے کمالات اپنی زبانی ہی ان کو سنانے پڑتے ہیں۔ اور بس۔ دوسرا گروہ بیچارہ اس سے بھی زیادہ قابل رحم۔ کہ سالوں سلوک مجددی کے طے کرنے میں صرف کر دیئے۔ اور مصطلحات کو بھی یاد کیا۔ لیکن کسی ایک اصطلاح کا تصور بھی صحیح ان کے دماغ میں نہیں۔ میں نے کسی ایک سے مراقبہ کا تصور پوچھا۔ تو وہی اسم ذات کا ذکر بتلایا۔ اور ہر مراقبہ کی تصورانہ کتابی عبارت پڑھ کر قلب کی طرف متوجہ ہو کر ذکر کرنے کو ہی وہ مراقبہ خیال کرتے ہیں۔

### ۵ بہ بین تفاوت راہ از کجاست

۱۶۶ کسی ایک دوستوں کی حالت ناگفتہ بہ دیکھی۔ لیکن کسی نے کہا۔ کہ مسمیٰ الباطن پر سبق ہے۔ کسی نے مراقبہ اٹھدیت فرمایا۔ اور لطف یہ ہے کہ ظاہری شریعت کے پابند نہیں۔ وارٹھی ہے تو تراشیدہ۔ حرص ہے تو کامل۔ خیالات ہیں تو فاسد ابند، لیکن گھنٹوں مراقب نظر آتے ہیں۔ نام لے کر گنتا۔ لیکن یہ مقصود نہیں بلکہ ذہنیت کو درست کرنا مقصود ہے۔

۱۔ اذن سے نکلا ہے جس کے معنی اجازت کے ہیں۔ ماڈرن (جس کو اجازت دی گئی ہے یعنی خلافت عطا کی گئی ہو۔

۲۔ راہ باطن کی طرف رہنمائی کرنا (اسی رشد سے اسم فاعل مُرشد ہے یعنی راہنما)۔

۳۔ اصطلاح: کسی فن کو ظاہر کرنے والے مختصر الفاظ۔

۴۔ نبوت کا عکس ہے دلالت لیکن فعلی طور پر نہیں حقیقی کمالات ظاہری و باطنی ہوں و در نہ نفس کا دھوکہ ہے۔

۵۔ دیکھو راستے کا مشرق کہاں سے کہاں چلا گیا۔

۶۔ ساک کا ولایت کبریٰ میں حقائق تھفات کی طرف متوجہ ہونا اور اس توجہ کی مشق کرنا۔

۷۔ ذات احد مطلق کی طرف خیال کر کے کیسے ہو جانا۔ ۸۔ ذہنی اللہ خدا جوئی کی ضد ہے جب تک یہ نفسانی بلاؤں سے ہونے میں قدم نہیں اٹھتا۔

۹۔ خیال میں پاکیزگی ذکر کا اولین نتیجہ ہے عورتوں سمجھے کہ ذکر کرنے اپنا مقام حاصل نہیں کیا جب ذکر ہی نہیں تو فقر و ولایت کہاں۔

۱۶۷۔ کچھ ایسے بھی صاحبِ اجازت نظر آئے۔ کہ ان بیچاروں کو سلوک (سیر نفسی) کی غائت تک معلوم نہیں کہ آخر ہمارا مدعا اس سلوک سے کیا ہے، ایک بار ایک صاحبِ اجازت نے اپنی زبانی ذکر کیا: "کہ ایک طالب سے میں نے پوچھا کہ قلب میں کچھ حرکت ہوتی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں بڑے زور سے۔ میں نے کہا کہ قلب کا مکان کونسا ہے تو اس نے ناف کے نیچے بتلایا۔ مجھے بڑی ہنسی آئی۔ کہ کہاں سے کدھر چلا گیا۔ آخر اس کو سمجھایا گیا، انتہی کلام۔"

۱۶۸۔ لیکن اس ہنسی سے بڑھ کر آپ کے صاحبِ ارشاد ہونے پر مجھے بہت ہنسی آئی۔ کہ اس بے چارے سالک سے

"کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم و منزل ہا"

کو اتنا بھی تو معلوم نہیں کہ طالب ایک مستعد طبیعت ہے اور پہلی بار ہی ذکر نے نفس پر جا کر خود بخود ضرب دی۔

۱۶۹۔ اس پر لطف ہے کہ دیگر طریقوں اور سلاسل کی نسبتوں پر پھبتیاں اڑانی جاتی ہیں۔ اور خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ خواجہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے سلسلہ کے سلف صالحین مثلاً خواجہ عبد اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگوں کو مراتبِ ولایت سے بڑھنے نہیں دیا جاتا۔ اور خود کمالاتِ نبوت کی مسند پر جا بیٹھتے ہیں۔ اللہمَّ ارْزَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعًا۔ وَارْزُقْنَا الْبَاطِلَ بِاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابًا۔ اللہمَّ ارْزُقْنَا حَقَائِقَ الْأَشْيَاءِ كَمَا هِيَ۔ تَوْفَقًا مُسْلِمِينَ۔ وَالْحَقَّنَا يَا لَصَالِحِينَ۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ

علیہ سلوک (سیر نفسی) سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا ہے کہ اصطلاحاتِ تصوف کی ترتیب اور یادداشت قائم کرنا قلب باطن پستان سے نیچے تین انگلی کے فاصلہ پر وہ مقام ہے جو قلب کہلاتا ہے اور جسم کی صحت بھی اس کی صحت پر موقوف ہے اور روح کی درستگی بھی اسی کی درستگی پر موقوف ہے۔ چونکہ لطیفہ نفس کا مقام ناف سے نیچے ہے اور مستعد اور سالک کا لطیفہ نفس ذکر سے متاثر اور متحرک ہوا اور وہ اصطلاحات جانتا نہ تھا اور قلب کا نام اور حرکت سنی تھی اس لئے مخالطہ کھا گیا اور نہ اس کی استعداد اور تاثر میں کوئی کمی نہیں۔ اس کی بات ختم ہوئی۔ سالک منزل کے براہ و رسم سے ناواقف نہیں ہوتا۔ صرف مجددی سلسلے کی اصطلاحات یاد کر لینے یا کچھ تاثرات معلوم کر لینے سے اپنے آپ کو کمالاتِ نبوت کا حال سمجھ لیا جاتا ہے اور عظیم الشان اولیاء اللہ کو کم درجہ (اپنی جہالت سے) دیتے ہیں۔ یا اللہ ہم کو حق کی صورت میں حق دکھلائیے اور حق کی اطاعت کرنے کی توفیق بخشئے اور باطل کو باطل کی صورت میں دکھلائیے اور اس سے بچنے کی توفیق بخشئے۔ اور یا اللہ ہم پر تمام چیزوں کے حقائق کھول دیجئے اور ہمیں مسلمان کر کے ماریئے اور صالحین کے ساتھ ہم کو ملائیے۔

علیہ وآلہ وسلم کے صدقے لغزشوں سے پناہ دے۔ آمین ثم آمین۔ طرہ یہ کہ امام مجدد علیہ الرحمۃ کے صرف اسی فقرہ پر بھی توجہ نہیں۔ ”محبت شہ طراہ است“ زبانی جمع خرچ کے حاصلات تو کچھ نہیں۔ البتہ محبت میں استھلاک اور اضمحلال کچھ معنی رکھتا ہے۔ حضرت غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے

جائیکہ زاہداں بسندار العین رسد

مست شراب عشق بیک آہ میرسد

مولیناروم نے ایسی طبیعتوں کو شگ پارس کہا ہے

”از محبت مش ہار می شود“

جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اصل چھوڑ نقل کے اٹھانے کی بھی ہدایت فرمائی ہے

مثنیٰ از عشق روگر چہ مجازست

## شکوہ مجددی

شکوہ مجددی ایک نہایت لطیف اور باریک ترین سیر کی پوری پوری تفصیل ہے۔ ہر کہ و مہ کی بی طاقت نہیں کہ جس تحقیق اور روشنی سے حضرت امام علیہ الرحمۃ نے سیر فرمایا اور جو اشیاء قبل وصول یا بعد وصول آپ نے دیکھی ہیں بعینہ ہر ایک آدمی دیکھ سکے۔ ہاں حضرت امام صاحب سے اگر کسی دوسرے درجہ کی استعداد والا اس راہ چلے تو بیشک دیکھ سکتا ہے۔

۱۔ عجیب بات ۲۔ محبت اس ہذاہ سلوک کی شرط ہے یعنی بغیر محبت معرفت کا راستہ طے نہیں ہو سکتا ۳۔ محبت میں فنا ہو جانا اور انانیت کا گم ہو جانا ۴۔ جہاں پر ناہد لوگ ہزاروں چلے کر کے پہنچتے ہیں عشق و محبت کی شراب میں مست ہونے والا ایک دفعہ آہ بھر نے سے پہنچ جاتا ہے ۵۔ محبت سے تانا بسونا بن جاتا ہے۔ ۶۔ محبت سے منہ موڑا اگر چہ مجازی ہے۔ یعنی محبت اپنی ذات میں اکیس ہے حقیقت کی طرف بھی ہی جذبہ پرواز کرے گا۔ یعنی طبع میں جذبہ محبت ہونا ضروری ہے ۷۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی نے جو تجدیدی کارنامہ کیا وہ یہی ہے کہ طریقت کو شریعت حقہ کے لباس میں دکھلایا اور آسان طریقہ وصول الی اللہ کا بتلایا۔ ۸۔ یہ سیر لطیف ترین سیر ہے۔ صرف اصطلاحات یاد کر لینے سے ایک اجمالی ذہنی خاکہ اس روحانی سیر کا حاصل ہوتا ہے۔ ۹۔ مراد حضرت شیخ احمد سرمدی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

جیسا کہ قیوم ثانی (خواجہ محمد معصوم) رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ (ملاحظہ ہو سید سید مصنفہ حضرت غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ) اور مجد و رحمتہ اللہ علیہ کے نشان کردہ اشیاء کو پاسکتا ہے۔ ہاں ہر سیاح کے سفر نامہ کے عجوبات ایک سمجھ دار گھڑیٹھے پڑھ کر لطف اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت سیاح کی نہیں ہوتی بلکہ اخبارین کی۔ یا تصویر کے دیکھنے سے تمام خط و خال نظر آجاتے ہیں۔ لیکن تصویر کچھ اور ہے اور عین کچھ اور، تصویر کے دیکھنے والا عین کار و شناس نہیں ہو سکتا۔

۱۸۱۔ کوئی آدمی کسی حاجی کا سفر نامہ پڑھنے سے حاجی بن نہیں سکتا۔ اور نہ ہی کسی کا ادنیٰ خادم ادنیٰ طبیعت اپنے آقا کے ہمراہ اگر ساری دنیا بھی پھر آئے تو سیاح کہلا سکتا ہے۔ گو تابع منبوع کے ہمراہ ہو کر حاجی کہلاتا ہے۔ لیکن تابع و منبوع (خادم و مخدوم) کے حج میں از روئے مشاہدات از روئے کیفیات اور از روئے ثواب اخروی کتنا وسیع اور بلند فرق ہے۔ فتد برفی ذالک فانہ مزلة الاقدام للاذکباء۔

۱۸۲۔ سلوک مجددی پر سالک (مرشد) اگر یہ نظر رکھے کہ مراتب اور تعینات اور حقائق کو پیش کرنے سے طالب کی پوری قوت اور کامل توجہ اس سیر میں صرف ہوگی۔ تو پھر یہ سیر نہایت ہی مبارک ہے اور باسعادت۔ اگر صرف سند حاصل کرنا مقصود قرار دیا جاوے تو طالب کے لیے اس سے بڑھ کر ہم قابل کوئی نہیں۔ چونکہ اس وقت طبیعتوں کا میلان آرام طلبی کی طرف مائل ہے اور اسناد لینے کے درپے لوگ ہو گئے ہیں۔ اس لیے زمانہ موجودہ میں یہ طریقہ نہایت مضر ہو رہا ہے اور چونکہ سالک (مرشد) خود زیادہ غور و خوض سے کام نہیں لیتے۔ اور اپنی باطنی نسبت

۱۔ تابع - اتباع (پیروی) کرنے والا - منبوع - جس کی اتباع کی گئی ہو۔

۲۔ اس مقام پر خوب غور و خوض کریں کیونکہ اس مقام پر بڑے بڑے دانائے پھسل جاتے ہیں۔

۳۔ سالک - مرشد کامل

۴۔ مراتب - یہاں مراتب سے مراد توجید سے مراتب (نزدلی شائیں) ہیں۔

۵۔ تعینات - تمام مظاہر تعینات کہلاتے ہیں۔

۶۔ مراد خورہ خلافت ہے۔ گویا یہ بھی کوئی علمی درس گاہ ہے۔ جہاں اصطلاحات یاد کر لینے سے سندیں مل جائیں گی۔ تصوف احوال و کوائف کی دنیا سے اس پر جب تک بلند کوائف نہ حاصل ہوں گے۔ طالب کسی قابل نہ ہوگا۔ اور جب خود کسی لائق نہ ہوگا تو دوسروں کو کیسے کوئی مرتبہ ترقی الہی دلا سکے گا۔

سے ان کی باطنی نسبت نہیں جا بچتے۔ بلکہ طالب کے وہم و گمان پر ہی اگلے سبق کا تصور دلایا جاتا ہے اور بہت ہی تھوڑے عرصہ (چار پانچ سال) میں ولایت علیا کی سند دے کر کمالاتِ نبوت کی مسند پر بٹھایا جاتا ہے۔ اور خود طالب بھی اپنی خامی کی طرف نہیں دیکھتا۔ اس لیے اس کے منفرد اس کے فوائد سے بہت بڑھ گئے ہیں۔ بخلاف بزرگانِ سلف رحمۃ اللہ علیہم کہ سالوں بلکہ عمر میں ایک ہی مقام میں طالب کی گزار دیتے۔ لیکن مقام تبدیل نہ فرماتے۔ تاہم اس کی اس صفت میں خامی نہ رہتی۔ بلکہ نہایت متعدد طبیعتوں کے بارہ چودہ سال صرف ہو جاتے۔ پھر بھی پیشوا فرماتے

”ہر آن حفظ نسبت ضروری است۔“ (ملاحظہ ہو کتب صوفیہ صافیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ طالب کی استعداد میں کمالات و ولایت کا تحقق بدرجہ اتم پاتے نہیں۔ اور کمالات و ولایت کا ملکہ پورا پیدا نہیں ہوتا اور اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اکل حلال نہیں اور یہ ہے اور وہ لیکن کمالاتِ نبوت جو کمالات و ولایت سے بڑھ کر لطیف ہیں، ان کا ملکہ کیونکر پیدا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ کمالاتِ نبوت کا پہلا درجہ کمالات و ولایت ہے۔ اس درجہ کے بغیر اس درجہ پر کامیابی کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہم نے کبھی سنا نہیں کہ انٹرنس پاس کیے بغیر کوئی بی۔ اے ہو گیا ہو۔ جبکہ پہلا درجہ دوسرے کے حصول کے لیے لازم کر دیا گیا۔ البتہ کسی دوسرے طریقہ سے معلومات میں بڑھ جانا کچھ اور معنی رکھتا ہے۔

۱۸۳ ہاں تسلیم کرتا ہوں کہ کمالات و ولایت کا ظل طالب کو حاصل کسی وقت ہو گیا اور ملکہ کی بجائے حال آیا ہو تو پھر اسی درجہ کے کمالاتِ نبوت کا فیضان بھی وہی ہو گا۔ جتنی کسی کی فنا اتم ہوگی اتنی ہی

یعنی طالب جو کچھ بیان کرتا ہے وہ اس کا اپنا خیال ہوتا ہے اور اپنا خیال اپنے متعلق مبالغہ سے خالی نہیں ہو سکتا اس لئے مرشد کامل طالب کے بیان سے اس کی حالت کا اندازہ نہ لگائے۔ بلکہ اپنے آئینہ دل میں اس کی تصویر دیکھے اور اس کو آگے چلائے۔ ولایت علیا یعنی ولایت کبریٰ کا نسبت (یعنی تعلق باللہ کی کیفیت) کی حفاظت ہر وقت ضروری ہے۔ اکل حلال۔ حلال کھانا۔ عام مسلمانوں کو ہر شے کے کھانے سے پرہیز کرنا لازم ہے لیکن اہ مولانا کا سالک تو اول درجہ کا انسان ہے اسے اپنے کھانے پینے میں نہایت احتیاط برتنی چاہیے۔ کیونکہ غذا کا اثر سارے جسم میں ہوتا ہے اور جسم کی ناجائز تربیت سے روح اپنا حقیقی جوہر کھو بیٹھتی ہے۔ جب انسان دنیا میں اپنی حقیقت کی طرف ترقی کرتا ہے تو اس پر عجائبات کا ایک باب کھل جاتا ہے۔ قریب خلدی محسوس کرتا ہے اور اللہ کہلاتا ہے اور اس قریب اور دوستی کی انتہا نبوت رسالت ہے۔ بلا ظل۔ سایہ، ولایت کا سایہ یہ کیفیت ذاتی نہیں ہوتی کسی ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ ذاتی محنت و مجاہدہ شامل ہو جائے تو یہ کیفیت قائم رہتی ہے۔ بلکہ۔ عادت۔ یہاں مراد مقام ہے جو کسی فضیلت و معانی کو قائم رکھتا ہے۔ حال۔ جبکہ فی کیفیت و معانی اپنی جھلک دکھا کر غائب ہو جائے تو اس کو حال کہتے ہیں۔ فنا۔ سالک کی طبیعت جلد جلد عالم روح کے اثرات قبول کرتی جاتی ہے تو انوں ادی حال سے اس کی طبع اٹھتی جاتی ہے اور رادی اثرات طبیعت پر اثر انداز نہیں ہوتے اس کا نام فنا ہے۔

بقا بھی۔

۱۸۳ اس لیے ہر اس طریقہ پر سلوک کے حاصل کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ کتب صوفیہ

رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مطالعہ سے ہر وقت اپنا موازنہ خود کرے اور کسی کے کہنے کا اعتبار نہ کرے اور اپنے اندازہ کرنے میں نہایت احتیاط برتے۔ کیونکہ اس راہ میں بہت سے دھوکے لگ جاتے ہیں۔ یہاں کا دھوکہ ہمیشہ کے لیے وبال ہو جاتا ہے۔ میں نے جو کچھ لکھا کثیر مشاہدہ کے بعد لکھا اور جو کچھ لکھا حقانیت کے اظہار کے لیے لکھا۔ ورنہ مجال و مژدن بھی ان خاکسار کو اس راہ میں نہیں۔

۱۸۵ ہمارے حضرت قبلہ، اس تربیت میں درجہ کمال رکھنے تھے اور چونکہ مکاشفہ اور اشراق کمال کے مالک تھے۔ اس لیے جو کئی آپ دیکھتے اسی کی طرف اشارہ فرماتے اور نہایت صحیح معیار پر لاتے۔

۱۸۶ اس کے بھی دو طریقے تھے۔ ایک مجلس شریف میں ارشادات بلکہ تمثیلات سے۔ اور دوسرا تعلیم یافتہ گروہ کے لیے مطالعہ کتب وغیرہ سے تھا۔

۱۸۷ اب پہلے طریقے کا خاکہ عرض کرتا ہوں۔

۱۸۸ زہد سے بچنے کی ترغیب: ایک آدمی آیا۔ اور تلقین ذکر کے بعد عرض کی کہ دعا فرماؤں کہ دنیا سے الگ ہو بیٹوں۔ فرمایا کہ کہاں جاؤ گے۔ آخر قبر بھی تو دنیا میں ہوگی۔

۱۸۹ بناوٹ سے نفرت: ایک نے عرض کی کہ کوئی چلہ فرماؤں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم تو چلہ کشتی کو کبھی پسند نہیں کرتے۔

بقا۔ فاجب مہمل ہوجاتی ہے اور طبیعت عالم بالا کے تمام اثرات قبول کر لیتی ہے تو پھر احساسات میں عالم آب گل کے قیام نہی نکلتیں نمودار کردی جاتی ہیں اور اب سالک دنیا کی طرف زندہ احساسات سے دیکھتا ہے۔ لیکن پہلی زندگی اور اس دوسری بقا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پہلی زندگی کے احساسات جوائی تھے اب احساسات خلافت الہیہ کے ہیں۔ سالک بشریت کے تقاضوں کے ساتھ خدا کی طرف چلتا ہے ان تقاضوں، بیانیات، قومیں آسانی سے آجاتی ہیں۔ رہنمائی کمال ہو تو غلطیوں کم اثر کرتی ہیں ورنہ دھوکہ لگ جانے کا اندیشہ غالب ہوتا ہے۔ مکاشفہ و اشراق، ماضی حال اور مستقبل کی کیفیات کا مرد کمال کے آئینہ دل پر عکس یز ہونا۔ اس کی بہت سی صورتیں اور بہت سی اقسام ہیں۔ زہد کے معنی ترک دنیا کے ہیں لیکن جستی ترک سے زیادہ معنوی ترک اسلامی زہد سے مقصود ہے۔ یعنی حب دنیا دل سے نکل جائے، جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

۱۹۰ فنائے دنیا کا نقشہ - مجھے پختہ مکانوں کا بڑا شوق تھا۔ اور اکثر خیال اسی میں ابتدا میں رہتا۔ ایک بار جو حاضر ہوا تو ایک برآمدہ کی تیاری ہوئی۔ مجلس میں فرمانے لگے کہ نقمان کو کسی نے کہا کہ کیوں گھر نہیں بنانا۔ اُس نے مٹھی بھر مٹی لے کر چلے ہوئے پانی میں ڈال دی اور کہا کہ کیوں کر

بناؤں یعنی عمر رواں پر کیوں کر بھروسہ اور قیام ہو۔

۱۹۱ انگریزی اور بدیشی ایشیا سے نفرت : ایک بار مجھے آٹے کی مشین لگانے کا جنون سوار ہو گیا۔ حاضر ہوا تو کسی سے مخاطب ہو کر انگریزی کلوں کی بے انتہا برائی فرمائی۔ آخر فرمایا کہ ہمارے خراسوں کو بھی لوہے کی مشینوں نے بند کر دیا جو دیکھو اسی خیال میں غرق ہے۔ لیکن مجھے بالکل یہ اپنا خیال نہ آیا۔ بلکہ سمجھتا رہا کسی غیر سے آپ مخاطب ہیں۔ لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ درحقیقت مجھے ہی خطاب تھا۔

۱۹۲ غصہ پی جانا ایمان کی نشانی ہے : ہماری خاندانی ناچاقی حد سے گذر گئی۔ اور آپ

ہمیشہ صلہ رحمی کے ارشادات فرماتے۔ ایک بار مجھے بارہ دن اپنی ملازمت میں رکھا۔ کیا رہو میں دن آپ نے ایک مجلس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔ وَالْكَاطِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ

بھی مومن کا ایک نشان ہے۔ گو آپ ظاہر کسی دوسرے سے مخاطب تھے۔ لیکن میں تاڑ گیا۔ روئے خطاب میں ہوں اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ کوئی صورت پیدا ہو تو یہ ارشاد بجالاؤں۔ گھر آیا تو حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ہمیشہ زادہ صاحب نے فریقین میں صلح کرا دی۔ اور آخری فیصلہ کے لیے میرے منتظر تھے۔ راستہ ہی میں چچا صاحب مذکور نے مجھ سے مل کر ماجرا

علا ایک جلیل القدر ہستی جو اپنی حکمتوں سے اور حکمت کی باتوں سے مشہور ہے بعض لوگان کو پیغمبر کہتے ہیں اور بعض لوگ ولی اللہ، یہ وہی حضرت نقمان ہیں جن کے نام سے شہدان کریم کی ایک سورہ، سورہ نقمان کے نام سے موسوم ہے۔

۲۱ اصلہ رحمی۔ اپنے غمی رشتوں کو جوڑنا۔ اسلام میں اس کی بڑی تاکید ہے۔ دنیا داری کا بڑا واپس عزیزوں سے زیادہ ہونا رہتا ہے اور دنیوی منافع بہت عزیز ہوتے ہیں ان کو چھوڑنا نفس پر بہت بھاری ہے۔ اس لئے باہمی لڑائی جھگڑے اور فساد ہوتے رہتے ہیں جن سے جسم تو نقصان اٹھاتا ہے لیکن روح کو تو بہت ہی خسارہ ہوتا ہے اس لئے صلہ رحمی و انصاف اخلاقی میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تو تعریف یوں فرمائی کہ "جو تجھے نقصان پہنچائے تو اُسے نفع پہنچائے۔" اور غصے کو پینے والے اور انسانوں سے درگزر کرنے والے۔

۲۲ مولوی غلام رسول صاحب ساکن حیدرآباد علی گڑھ سکون یکسر بیخبر ہو کر دہلی جو ایک باغداد انسان تھے اور نقشبندی سلسلہ میں خاندان موسیٰ زئی شریف کے تھے اور حضرت حاجی محمد سراج الدین کے جلیل القدر تھے ابا کے دو صاحبزادے موجود ہیں۔ صوفی محمد خلیف صاحب جو رکارڈ ہر طرف شریف کے تربیت یافتہ ہیں اور صوبہ اتر پردیش کے



بیان کیا اور فرمایا کہ تمہارا انتظار تھا۔ میں نے فی الفور کہا۔ کہ مجھ سے تو اس فیصلہ پر شرفیو شریف میں ہی دستخط کرا لیے گئے۔ سبحان اللہ کشف دیکھو اور اصلاح دیکھو۔

۱۹۱۔ خلاصہ سلوک۔ ایک صابری خاندان۔ کے معمر آدمی صوفیانہ لباس میں جمعہ کو بعد عصر آپ سے ملے۔ آپ کی طبیعت نہایت بشاش اور چہرہ مبارک ہناب کی طرح دمک رہا تھا۔ کئی ایک سوال انہوں نے کئے۔ لیکن وہ اتنے صاحب فراست نہ تھے۔ آخر آپ نے صابر کے یہ دو شعر نہایت ذوق شوق سے پڑھے اور فرمایا کہ یہ تو آپ کے صابر صاحب فرماتے ہیں۔

پھر ادھر ادھر کیوں پوچھتے پھرتے ہو۔ اس پر عمل کرو۔

ہو فتا ذات میں کہ تو نہ رہے تیری ہستی کی رنگ بونہ رہے

اس قدر اُس میں ڈوب اک صابر کہ بجز ہو کے غیر ہو نہ رہے

۱۹۲۔ اعمال صالحہ و لیل سعادت ہیں نہ مقام تولد۔ ایک دن حاضر تھا۔ کہ بھیرہ کمیٹی کے پریذینٹ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اتفاقاً اس وقت حضور نیچے کی منزل میں تھے۔ آپ کی نگاہ اُن پر پڑی تو بے چارے حیران سے رہ گئے۔ اور دوزانو بیٹھنا بھول گئے۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ کہاں سے آئے۔ کہنے لگے کہ بھیرہ کمیٹی کا پریذینٹ ہوں۔ آپ نے جذب اور جوش میں آکر فرمایا کہ ڈنڈ و نڈ نہیں جانتا۔ پھر تو وہ سہم گئے۔ اور اپنا بچاؤ اس میں دیکھا کہ جی میری پیدائش عرب میں ہوئی۔ آپ نے آہستہ فرمایا کہ ہاں جنت البقیع میں سے اونٹ بھی لدے ہوئے گزرتے ہیں۔

۱۔ یہ خاندان حضرت علی احمد مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے پاکستان میں چشتی سلسلہ کے دو طرق مشہور ہیں۔ ایک نظامی اور دوسرا صابری۔ حضرت علی احمد مبارک رحمۃ اللہ علیہ صابری سلسلے کے بانی ہیں اور آپ حضرت شیخ فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ کے بھانجے اور خلیفہ ہیں۔ کلیر شریف (بھارت) میں آپ کا فرار مبارک ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۲۔ مذکورہ جب ذکر و فکر کے ذریعے راہ سلوک طے کرتا ہے تو کامل پیر کے اثرات اور ذکر اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور احساس قرب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ہستی اور انانیت اس نور مطلق کے قرب کی وجہ سے خیر محسوس ہو جاتی ہے۔ اس کو اصطلاح میں فنا کہتے ہیں۔

۳۔ مدینہ شریف کا قبرستان جلیل القدر صحابہؓ اور اہل بیتؑ کی قبور ہیں۔ مسجد نبویؐ کے مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ مبارک قبرستان ہے۔

۱۹۵ حسن سلوک کے لیے تنبیہ: میاں رمضان نے کہا کہ جب میں اپنے بھائی سے جھگڑ کر حاضر ہوا تو فوراً جاتے ہی فرمایا کہ کتوں کی طرح پیسیہ پر ایک بھائی دوسرے بھائی سے لڑ کر آجاتا ہے۔

۱۹۶ نسبت صدیقی کی حقیقت: ایک بزرگ حضرت مولانا عبدالرسول صاحب قصوری کے مجازوں سے آپکی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور بانوں کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ کے لطیفے ہیں اور ان پر کیا حالات اور دہتے ہیں۔ (اس سوال سے ان کو ایک خاص غرض کسی کے حال پر متوجہ کرنے کی تھی، آپ نے ایک دو بار توان کو ٹال دیا۔ لیکن وہ نہ سمجھے۔ آخر آپ جوش میں آ کر فرمانے لگے۔ سارا جسم ہی لطیفوں سے پر ہے۔ اور ایک ایک جگہ ان کے جسم پر ہاتھ رکھتے تھے کہ یہ لطیفہ ہے یہ لطیفہ ہے، یہ ہے، یہ ہے، وہ کہتے جاتے کہ جی ہاں جی ہاں۔ آخر فرمایا لطیفوں سے کیا ہوتا ہے نسبت ہے تو صدیقی اور گھر ہے مال سے پُر، صدیق صاحب نے تو ایک پیسیہ بھی گھر نہ رکھا تھا۔ اس نسبت سے کیا فائدہ! اور وہ بیچارے حضرت کو بغل میں لیے ہوئے یہ ہی فرماتے جاتے تھے۔ کہ آپ تو ہمارے شیخ ہوئے۔ آپ تو ہمارے شیخ ہوئے۔ سبحان اللہ کتنی بلند بات فرما گئے، کوئی ایسا نظر آتا ہے؛

۱۹۷ حسن معاملہ کی رہبری: میرے نزدیک تو وہی اچھا ہے جو معاملات میں اچھا ہے۔

۱۹۸ دنیا کی حقیقت: فرماتے حُبِّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ۔ فرماتے۔ مہتوں والے پسیوں نے ہمارے اندر بھی بُت پیدا کر دیئے۔

۱۔ حضرت عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ حضرت غلام محی الدین قصوری کے صاحبزادہ ہیں اور آپؑ مادہ زاد ولی اللہ تھے اور آپؑ کی قبر مبارک قصور شریف کے رُستے قبرستان میں ایک مسجد کے دامن میں ہے۔ (وفات ۲۱ جمادی الثانی ۱۲۹۵ھ)

۲۔ نقشبندی مجددی سلسلہ میں بتدی کو لطائف پر ذکر کی مشق کرائی جاتی ہے اور لطائف چھ ہیں جن کے نام یہ ہیں: قلب، روح، سر، نخی، اخفی، نفس۔ بدن میں ان کے الگ الگ مقام ہیں۔ اور ہر ایک پر ذکر کے حالات اور کیفیات الگ الگ ہیں۔

۳۔ ذکر کی مشق سلسلہ مجددیہ میں لطائف پر اس لئے کرائی گئی کہ یہ مقامات ذکر کی تاثیرات قبول کرنے میں پوری طرح مستعد ہیں۔ ورنہ کامل استعداد کا سالک جب ذکر سے پوری طرح متاثر ہوتا ہے تو رُواں رُواں ذکر کرنے لگتا ہے۔ اور سارا جسم لطیفوں سے پُر نظر آتا ہے۔

۴۔ منقصد تو ذکر کثیر سے ہے نہ کہ صرف لطائف کے ذکر بنانے سے اور پھر علمی اصطلاحات کی یادداشت ہی کو مقصود بنانا ٹھیک نہیں۔

۵۔ نقشبندی سلسلے کی نسبت اعلیٰ صدیق اکبرؑ سے آئی ہے اور صدیق اکبرؑ نے خدا تعالیٰ کے نام پر حضور سرور کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر سب کچھ قربان کر دیا۔ اس لئے صدیقی نسبت حاصل کرنے والے کو فقر پسند ہونا چاہیے۔ (بقیہ صفحہ ۷۹ پر)

۱۹ عوام کی خدمت کے حقوق - ایک بار حاضر ہوا۔ تو عوام کی خدمت کی ہدایت ان الفاظ میں فرمائی۔ چچا کی خدمت کرنا کوئی بڑی بات نہیں لیکن ہر بڑے آدمی کو چچا کے برابر دیکھنا اور اس کی خدمت کرنا البتہ کام ہے۔

۲۰ بزرگوں سے نکل اور رضا کے سبق - میرے چچا کا برتاؤ بعینہ وہی تھا جو تمہارے چچا کا ہے لیکن گزر گئے اور وہ کہاں۔

ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ جب مخلصین نے مکان کی ضرورت ظاہر کی۔ اور مدت کے بعد آن زبدۃ الکرام نے اجازت بخشی۔ تو آپ کے چچا صاحب نے لکڑی کے لیے درخت بہت کمزور عنایت کیے مگر مخلصین نے لینے سے انکار کیا۔ اور مشورہ کیا کہ اپنی گرہ سے اور لکڑیاں خرید لاتے ہیں مگر جب آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا۔ میں مکان بنوانا نہیں چاہتا۔ اگر چچا صاحب کی عطیہ لکڑیوں کو نہیں چڑھاتے۔ آخر وہی لکڑیاں استعمال کی گئیں اور اب تک مکان میں ان کے نقص دکھائی دیتے ہیں۔

۲۰۱ مسلمان تن آسان نہیں ہونا۔ جمعہ کے دن منچلے لوگ جامع مسجد میں گرمیوں سے گھبراتے تو آپ فرماتے متفقین، تو اسلام پر اپنا خون بہاتے اور اٹ نہ کرتے۔ لیکن اب مسلمان بسینہ بننے سے بھی گھبراتے ہیں اور ایک گھڑی مسجد میں بہ آرام بیٹھ نہیں سکتے۔

۲۰۲ نیاز مندی اور اخلاص کا طریقہ - ایک جوان خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے اُسے کھڑا کر دیا۔ اور اپنے چپے سے دونوں قدموں میں فاصلہ ناپ کر فرمایا۔ کہ نماز پڑھتے وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۸) ۷۸ معاملات - لوگوں سے برتاؤ، میل جول اور لین دین - حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا درجہ ہے اور ایک سالک نو میں کے لئے یہ دونوں پر پرواز ہیں۔

۷۹ دنیا کی محبت ہر برائی کی بنیاد ہے (حدیث) سلوک کا مقصد ہی یہی ہے کہ سالک اس حب دنیا کو دل سے نکال پھینکے اور اس کی بجائے حب مولا اور محبت آخرت کو جگہ دے۔

۸۰ زبدۃ الکرام - زبدہ، بھٹن کو کہتے ہیں۔ کسی چیز کا نچوڑ، اور کرام کریم کی جمع ہے یعنی بزرگوں میں چنا ہوا اور منتخب بزرگ۔  
۸۱ متقدمین - متقدم کی جمع ہے۔ اگلے لوگ، اسلام میں پہلے زمانوں کے بزرگان دین۔

دل میں کہا کہ وہ کہ اللہ العظیم میں نے اپنا منہ تو تیری طرف کیا ہے۔ اب تو میرے دل کو بھی اپنی طرف پھیر دے۔ کیونکہ وہ میرے اختیار سے باہر ہے۔

۲۰۳ توجہ خاص پر نازاں نہ ہونا چاہیے۔ اکثر فرماتے ہیں نے سنا ہے کہ خانصاحب حضرت صاحب زادہ بلکہ شریف والا کو توجہ خاص فرمایا کرتے۔ لیکن میں سمجھتا نہیں۔ کہ وہ توجہ خاص کیونکر ہوتی ہے۔ وہ تو ایک ہے پھر نتیجہ کیا ہوا۔ کیا خان صاحب نے کوئی کسر اپنی طرف سے چھوڑی تھی۔ انتہی۔ واقف کار اس ملفوظ سے پورا پتہ لے سکتے ہیں۔ خانصاحب نے یہ بڑا کام کیا۔ کہ حالات مشائخ میں تمام مشکوٰۃ شریف بھردی۔ انتہی۔ یعنی مقابلہ کر کے حالات دکھائے۔

۲۰۴ شیخ کے گلے لگانے پر نازاں نہ ہونا کوشش درکار ہے۔ اکثر مجھے مخاطب ہو کر فرماتے۔ کہ اگر میں تجھے گلے لگا لوں تو کیا ہو جاوے گا۔

ان دونوں ملفوظات کا اکثر میں مخاطب ہوتا تھا۔ کیونکہ محبت اور شفقت جواز راہِ جدِ محمد علیہ الرحمۃ اس خاکسار پر آنحضرت کو تھی۔ اس وجہ سے اکثر آپؐ سینہ مبارک سے مجھے شرف یاب کرتے اور اس آخری پنجسالہ میں سوائے اس خاکسار سیا کالکے کسی کو توجہ خاص بھی عنایت نہ فرماتے۔ ان ملفوظات کا یہ مطلب نہیں۔ کہ کچھ فائدہ ہی نہیں رکھتے۔ بلکہ مرشد کی عنایت دیکھ کر بے پڑا نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سعی اور مجاہدہ اٹھانا چاہیے۔ یعنی حضرت قبلہ جدِ امجد علیہ الرحمۃ اپنے ایک خاص مرید کو اپنی خاص تسبیح دے کر خط میں تحریر فرماتے ہیں۔ تسبیح خاص عمدہ فرستادو شود لیکن بیش از من پر چائی نیست۔

۱۔ مولوی محمد حسن خان صاحب کو ظم کیرت پور ضلع بجنور کے رہنے والے ہیں۔ حضرت اعلیٰ غلام نبی لہری رح کے خلیفہ مجاز ہیں اور حالات مشائخ نقشبندیہ کے مصنف ہیں۔

۲۔ (ترجمہ)  
ایک خاص عمدہ تسبیح بھیجی جاتی ہے۔ لیکن یہ ایک دلجوئی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

۲۰۵ مشیت ایزدی کے مقابل کسی کا چارہ نہیں چلتا۔ فرمایا کوٹ بھائیجاں کے دونوں رئیس چچا بھتیجا دونوں حضرت صاحب کے ایسے مرید تھے۔ کہ راتوں غلہ بار کرنا کر دیتے تھے کہ شاید پیر کے لنگر میں غلہ ختم نہ ہو۔ لیکن مسجد کے کونے پر دو نو جھگڑتے رہے۔

۲۰۶ کیا حضرت کے کمال میں کچھ گھٹا تھا۔ یا ان کے اخلاص میں اور دینداری میں۔ کیا ہماری مرضی ہے کہ اسلام سپت ہو۔ اور فرنگیوں کی سلطنت رہے۔

۲۰۷ عبادت پر تخریص۔ اکثر فرماتے۔ کہ ٹٹی جھاڑے سے بھی کم لوگ خدا کی اطاعت کو جانتے ہیں۔ گرمی ہو کہ سردی۔ بھوک ہو کہ پیاس۔ صحت ہو کہ بیماری۔ درد ہو یا بے آرامی۔ سب لوگ پاخانہ پھرتے ہیں۔ لیکن نماز کے لیے معمولی بہانہ بنا تھ آئے۔ تو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

۲۰۸ اصل اتباع پر توجہ نہیں رہی۔ ایک بار فرمایا۔ کہ پیر کی سنت کے لیے تو لوگ انگلیوں پر پاخانہ لگاتے پھرتے ہیں کہ پیر کی سنت ہے۔ لیکن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سنت کی پروا نہیں۔

۲۰۹ فقر و حقیقت اتباع سنت کے۔ فرمایا کہ ہم فقیری فقوری کو نہیں جانتے۔ ہم تو صرف سنت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانتے ہیں۔

۲۱۰ صبغة اللہ کی ضرورت ہے اور بس۔ ہمیں تو ایک ہی شجرہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کافی ہے اور کسی شجرہ کی ضرورت نہیں مسلمان نہیں بنتے اور فقیر بنتے ہیں۔

۲۱۱ قلبی صفائی کے حصول کا طریقہ۔ ایک روز ایک نے عرض کیا کہ صفائی حاصل نہیں ہوتی۔ فرمایا

۱۔ سردار شیر محمد خان اور سردار حاجی فتح محمد خاں مرحوم یہ دونوں صاحبان کوٹ بھائی خان نزد بیرل شریف ضلع شاہ پور کے رئیس تھے حضرت اعلیٰ بیرجوی کے مرید مخلص تھے۔ ۲۔ یہ نفس انسانی کی کمزوری ہے کہ بعض اوقات نہایت ادنیٰ چیز کے لیے اپنا وقت کھو بیٹھتا ہے۔ ۳۔ بعض مریدوں کو اپنے پیر و مرشد سے والہانہ محبت ہوتی ہے جو خون تک پہنچ جاتی ہے لیکن یہ محبت اتباع رسول اکرم پر صرف ہو تو پھر کام بن جائے۔ ۴۔ فقر کا ظاہر اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس اتباع سے عالی فقیری مقبول نہیں۔ ۵۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں بزرگوں میں اپنے اپنے سلسلے کا شجرہ پڑھنا رائج ہے۔ حضرت میاں صاحب کی اپنی نسبت چونکہ بہت ہی بلند تھی اس لئے وہ براہ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت جوڑنے کو بہت پسند فرماتے تھے اور اس کے لئے اتباع رسالت ہی کام دیتی ہے۔ ۶۔ یعنی اسلام کے ظاہر رسوم کو چھوڑ دیتے ہیں اور باطن کی اصلاح و تزکیہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور ایسا فقر اسلامی فقر کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔

ہاتھ بھی ہیں۔ اور پاؤں بھی ہیں۔ آنکھ بھی ہے منہ بھی ہے۔ پھر صفائی کس طرح داخل ہو۔ انتہی کلامہ :- سچ ہے س

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند  
گر نہ بینی ستر حق بر من بخند

۲۱۲ یادِ الہی کا تخیل با خدا بودن افضل است۔ فرمایا: بہر کاسے کہ باشتی با خدا باش  
آپ با خدا بودن کو صرف پسند کرتے تھے۔ کسی خاص صورت کسی خاص وضع کسی خاص حیثیت  
سے تعلق نہ تھا۔

رشتحات میں ہے کہ ایک بزرگ کے مریدوں میں مباحثہ تھا۔ ایک فریق نماز کو افضل از  
ذکر کہتا تھا۔ دوسرا فریق ذکر کو نماز سے افضل گردانتا۔ فقیر صاحب گھر سے تشریف لائے اور  
سن کر فرمایا کہ ”با خدا بودن افضل است۔“

۲۱۳ مسنورات کو تلقین پر وہ حاضر ہوا تو فرمایا ”میں ایک بار لنگے (ضلع گجرات)  
کے پیچھے کرنی چاہیے“ میں صوفی چیراغ دین سے ملنے کو گیا ”تو انہوں نے  
ایک طرف چار پائی رکھ دی۔ میں نے دریافت کیا ”کہ یہ کیوں! انہوں نے کہا کہ ہمارے حضرت  
صاحب (بیربل والے) عورتوں کو دغظ سنانے کے لیے ایسا کرتے کہ وہ بھی محروم نہ رہیں“ سبحان  
کیا عمدہ طریقہ ہے۔

۲۱۴ آپ سے میں یہ خبر سن کر حیران تھا کہ آپ نے اس ذکر کو کیوں دہرایا لیکن گھر آیا تو احتیاط

۱۔ آنکھ بند کریں کان بند کریں اور منہ بند کریں۔ اور اگر (اس کرنے پر بھی) خدا کا بھید نظر آئے تو چہرہ  
ہماری ہنسی اُٹانا۔

۲۔ جس کام میں بھی تو ہو اللہ کے ساتھ ہو۔ (یعنی معیتِ الہی۔ هُوَ مَعَكُمْ اَيْ مَا كُنْتُمْ)  
کا مراقبہ پختہ ہو جائے۔

۳۔ رشتحات حضرت مولانا جامی کی کتاب ہے جو تصوف کی مشہور کتابوں میں سے ہے۔

۴۔ خدا کے ساتھ ہونا (هُوَ مَعَكُمْ) کا خیال پکانا بہترین وظیفہ ہے۔

۵۔ صوفی چیراغ دین مرحوم لنگے کھوجے ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور حضرت اعلیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے اور حضرت  
کے حالات ان کو یاد تھے اور ذوق شوق سے بیان کرتے تھے۔

کی تک پہنچا۔ ان دنوں روضہ شریف کی مجاورہ کی بھانجی آئی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے رکن الدین کا سبق پڑھنا چاہا۔ مجھٹ حضرت مریوم کی احتیاط کا خیال آگیا۔

۲۱۵ مرید کو اتنی محبت پیر سے ہو کہ پیر مرید کا خوشگوار ہو جائے۔ فرمایا کہ "یہ کوئی بڑی بات نہیں کہ آجایا کرتے ہو۔ لطف تو پیر سے کہ خود ہیں یہ شوق پیدا ہو جائے کہ صاحبزادہ سے گھر بیٹھے مل آئیں۔" زان بعد فرمایا "کہ بابا صاحب ہمارے گھر بہت آیا کرتے۔" میری والدہ صاحبہ نے میرے والد علیہم الرحمۃ سے فرمایا کہ بابا جی کیوں زیادہ ہمارے گھر آتے ہیں۔

۲۱۶ اس پر بابا جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "کہ میں تو صرف اس لڑکے کو دیکھنے کے لیے آیا کرتا ہوں۔ سبحان اللہ! میرے ہونو ایسا ہو کہ پیر گھر چل کر آوے۔"

۲۱۷ وسواس کی نگہداشت۔ اکثر اپنے مخلصین کو فرماتے۔ "تیرا سینہ تیرے پاس ہے۔ پھر کیا ضرورت۔ یعنی جو کچھ نہ ماننا تھا فرما دیا۔ اب سینہ میں صفائی پیدا کہ وہ قوت روحانی پیدا کر دے، تمام سلوک کی جڑ ہی سینہ ہے جو سینہ کو قابو کرے، وہ سمجھے کہ اب میں راہ راست پر چل رہا ہوں۔"

۲۱۸ وسواس کا علاج سورۃ ناس کا خاصہ۔ ایک بار ابتداءً مجھے بہت خیالات نے تنگ کر رکھا تھا۔ جہاں میں بیٹھتا خیالات اور وسواس سے تنگ رہتا۔ حاضر ہوا تو فرمایا۔ "سورۃ قل اعوذ برب الناس کس مرض کی دوا ہے۔" زان بعد جب مجھے خیال آتے تو میں یہ ہی پڑھنا شروع کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور کے ارشاد کی برکت اور سورۃ ناس کی نصیحت

۱۷ رکن الدین فارسی زبان میں فقہ کی ایک کتاب ہے۔

۱۸ محبت دونوں طرف سے ہونا کرتی ہے۔ محبوب کی محبت ہی محبت کو قائم رکھتی ہے۔ مرید کی محبت ایسی ادا میں رکھتی ہو کہ پیر اپنے مرید کو دیکھنے کے لیے بیتاب ہو۔

۱۹ حضرت بابا امیر الدین جو حضرت شریقی کے پیر مرشد تھے آپ کی بیت حضرت قطب العالم امیر شاہ صاحب سے تھی آپ کا زار مبارک کوٹہ شریف ضلع شیخوپورہ میں ہے۔  
۲۰ روح اور جسم متضاد چیزیں کبھی ہیں جسم کے ذریعے جو قوت زندگی بحال رکھنے کے لیے غذاؤں و دواؤں سے پیدا کی جاتی ہے وہ جسمانی قوت ہے۔ اور روح کی قوت عبادات، ذکر، فکر، کسوٹی اور رسالت کے لئے کی جائے الٰہی ہر نیک سے پیدا ہوتی ہے پھر وہ بڑھتی ہے یہاں تک کہ جسمانی قوتیں روحانی طاقت سے مغلوب ہو جاتی ہیں۔  
۲۱ وسواس ناقص خیالات کو کہتے ہیں اور ابتداءً ہی چیز روحانی ترقی کے راستے میں روکاؤں ہے اس کا اسیب علاج خدا کی طرف دھیان لگانا ہے اور اس کی امداد پر بھروسہ کرنا ہے اور چونکہ سورۃ الناس میں ہی امداد اللہ تعالیٰ سے طلب کی گئی ہے اور حضور و وسواس شیطانی کے مقابلے میں۔ اس لیے سورۃ اس مقصد کے لیے اکسیر ہے۔

سے کچھ مدت کے بعد بالکل بند ہو گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

با خدا بودن ضروری ہے۔ جب ابتداءً مجھے ذکر کے لیے تاکید تھی۔ ہر وقت ذکر میں مشغول رہتا۔ خواہ تصور ذات بابرکات کا ہوتا یا نہ ہوتا۔ آپ نے فرمایا: صرف اللہ اللہ کرنے سے کیا فائدہ؟ انتہی۔ میں نے بہت سے طالب ایسے دیکھے کہ عمر بھر ذکر میں گزر گئی۔ لیکن اس سے آگے نہ بڑھے اور کچھ فائدہ بھی نہ ہوا۔ کیونکہ حقیقتاً الحقائق کا تخیل نہیں کرتے اور طوطی کی طرح صرف الفاظ کی قید میں رٹ لگاتے رہتے ہیں۔

۲۲۰۔ زان بعد آپ نے مواہب الرحمن کے مقدمے سے وہ جگہ دکھائی کہ جس میں لکھا تھا کہ اللہ کے لفظ کے حروف نہایت بابرکت ہیں۔ اور اس کے بے شمار بركات ہیں۔ لیکن خود ذات بابرکات (مسمیٰ) کے بغیر اسم کا کیا فائدہ۔ اور اس کے مقابلہ میں اس کی کیا حقیقت؟

آسمان نسبت بعرش آمدند ورنہ بس عالی است پیش خاک تود

۲۲۱ نفی و حقیقت توحید اثباتی ہے۔ ایک بار حضرت قبلہ مرشد م رحمۃ اللہ علیہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کلمہ شریف کی نفی و حقیقت اثبات الا اللہ کی جڑ ہے۔ اس لیے نفی کے بعد وقفہ کچھ برا نہیں۔ کیونکہ اس نفی کے اندر توحید ہے۔ بلکہ پہلے توحید کی روح آئی۔ تو اس کے بعد نفی کے وجود نے قدم رکھا۔ ورنہ اس نفی کی ضرورت کہاں تھی۔ اس لیے بعض بزرگوں نے جو یہ تاکید فرمائی کہ نفی کو اثبات کے ساتھ پڑھا جائے۔ تاکہ وقت مرگ نفی پر دم نہ نکلے۔ اس کی چنداں اصلیت قرار نہیں دی جاسکتی۔ بلکہ یہ نفی اور اثبات دونوں برابر سبحان اللہ! کتنا لطیف اور باریک سکہ کس آسانی سے بیان فرمایا۔

۱۔ ذکر ابتدا ہے فکر کی۔ اور فکر بلند ذکر کی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ ذات الہی کا تصور ضروریاتِ قلبیہ سے ہے کسی ذکر کو اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو فکر کی بندیوں پر وہ نہیں جاسکتا۔

۲۔ تمام حقیقتوں کی اصل حقیقت یعنی ذاتِ خداوندی۔

۳۔ مواہب الرحمن، تفسیر قرآن کریم ہے۔ چونکہ موفیانہ مشرب کی تفسیر ہے اس لیے حضرت میاں صاحب سے پسند فرماتے تھے۔

۴۔ آسمان عرشِ معلیٰ کے مقابلے میں اگرچہ پست ہے۔ لیکن ایک بلند ٹیلے کے مقابلے میں وہ بہت ہی بلند ہے۔

۵۔ علماء میں اختلاف ہے کہ لا الہ کے بعد الا اللہ بہت تیزی سے بلا وقفہ طانا ضروری ہے کہ نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بالفرض اگر لا الہ پر بغیر الا اللہ کے دم نکل گیا تو یہ خطرہ ہے کہ نفی پر خاتمہ ہو حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلے کو واضح فرمایا ہے۔



## تربیت ذہنی کتابی

۲۲۲ دوسری شق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ اکثر اجاب۔ زائرین، مخلصین مکھے پڑھے لوگ ہوتے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت قبلہ روحی فداہ کو عقل کل اور اشراق کامل دیا تھا۔ اس لیے جہاں کہیں کمی دیکھتے یا طالب کو جس کی ضرورت ہوتی۔ وہی اس کے پیش کرتے۔ کتب تصوف، تفاسیر اور احادیث کا انبار ہر وقت سامنے لگا رہتا اور تمام کتب میں نشان رکھے تھے۔ اور علامات صفحہ پر موجود ہوتیں۔ اپنے دستِ خاص سے کتاب کو کھولتے اور فرماتے کہ یہاں سے پڑھو بلکہ اگر کوئی خواندہ بزرگ پڑھتا۔ کہ آپ کے کان میں آواز پہنچے۔ تو گاہ بگاہ آپ فرمادیتے۔ کہ مجھے تو معلوم ہے۔ مجھے تو پتہ ہے آپ پڑھتے جائیں۔ کبھی کبھی کسی اپنے حاشیہ نشین خادم سے سنواتے۔ اور ایک نشان کے بعد دوسرا نشان، پھر تیسرا۔ غرض ایک گھڑی میں وہ تمام سامان مہیا فرمادیتے۔ جس کی طالب کو ضرورت تھی۔ اور جس کی تلاش کے لیے اسے بہت سا وقت اور بہت سی محنت درکار ہوتی۔

۲۲۳ علماء کی جماعت کی راہبری اکثر اسی طریقہ سے فرماتے۔ اور میری حاضری کے ایام میں اکثر دیکھا گیا۔ کہ پانچ چھ مولوی صاحبان اکثر روزانہ اکٹھے ہو جاتے۔ اور اس گروہ سے نہایت اخلاص مندی اور جان نثاری فرماتے۔ بلکہ کئی بار اس خاکسار نے دیکھا کہ گھنٹوں مغز ماری کے

۱۔ میری روح ان پر تشریح ہوتی۔

۲۔ عقل کل۔ مراد طریقت اور شریعت کے تمام جزئی اور کلی امور کو پوری طرح سمجھنے والا۔

۳۔ اشراق۔ ذکر الہی سے اور تعلق باللہ سے جب سینہ روشن ہو جائے تو ماضی، حال اور مستقبل کے حالات سینے کے آئینہ میں منکس ہوتے ہیں اور حقائق اشیاء کھل کر سامنے آتے ہیں یہی اشراق ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو چکانا۔

بعد جب آپ باپوس ہو جاتے۔ تو آپ فرماتے ”میں نے تو مولوی صاحب سے بہت کوشش کی۔ لیکن کارگر نہ ہوئی۔“ گو وہ رونے کے قریب ہو گئے۔ لیکن روئے تو نہیں۔“ گاہے مولوی صاحبان کا کتاب کے ساتھ سلوک ناروا دیکھ کر تخلیہ میں فرماتے کہ افسوس۔ کتاب کا ادب تک نہیں کرتے، حالانکہ ان کا اثاثہ یہی ہے۔ مگر جب آرام پا کر طبیعت درست ہو جاتی

پھر مولوی صاحبان کو وقت دیا جاتا۔ حالانکہ عوم سے ایک دو لفظ سے زیادہ ان آخری سالوں میں نہ فرماتے۔ اور وہ اسی میں دم بخود ہو جاتے۔

۲۲۳ اکثر اعتدال پسند طبیعتیں درست ہو کر نکلتیں۔ حالانکہ نصف کے برابر ایسے عالم ہوتے۔

جو حنفی مذہب کو درست نہ جانتے۔ یا جانتے تو اپنے مذہب کو ترجیح دیتے۔ اور بعض اکھر طبیعتیں لاجواب ہو کر خاموش رہ جاتیں۔ ایک بار لاہور کے ایک بڑے فاضل اور ایک بڑے کالج کے

پروفیسر سے آپ نے کچھ بیان فرمایا۔ تو انہوں نے کہا کہ آپ تو حال بیان فرما رہے ہیں ہم صاحب

قال حال کو کیا جانیں۔ آپ کو جوش آگیا اور فرمایا کہ مولوی صاحب یہ قرآن تمام قال ہی

قال ہے اس پر وہ ایسے دم بخود ہوئے۔ کہ پھر نہ بولے۔ آپ کسی سے تکرار نہ فرماتے۔ نہ الجھتے

بلکہ بطائف الجہل سمجھاتے۔ اکثر عادت مبارک تھی۔ کہ استفسار نہ لب و لہجہ ہوتا۔ اور استفساری

طریقہ سے چلتے۔ اور باطنی توجہ سے زیادہ کام لیتے۔ چنانچہ باتوں باتوں میں بڑے بڑے مسائل حل

ہو جاتے۔ ایک بار فرمایا کہ **اِنَّ شَرَّ رِيْفَاتِ اللّٰهِ وَ مَلِكِ كِتَبِهِ يَصْلُوْنَ عَلٰى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ**

**اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا** کے بعد آیتہ شریفہ۔ **اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ**

عظیم ظاہر انکشافات علمی کے ساتھ ساتھ تکبر بھی پیدا کر دیتا ہے اور اس مرض کا ازالہ بہت مشکل ہے اور یہی کبر کے مقام پر پہنچ کر حجاب بن جاتا ہے اسی واسطے فرمایا گیا کہ علم جو ابالک

علم ایک بہت بڑا حجاب ہے جب پردہ موجود ہے تو تاثیر کیسے ہوگی۔ رقت قلبی و عانی اصلاح کا نشان ہے۔ جب تک دل کی سختی موجود ہے تب تک گریز آری نہیں ہوتی اور حضرت علی رضی

کے کمالات میں یہ چیز بر فہرست تھی کہ آپ کی ادنی توجہ سے رقت قلبی پیدا ہو جاتی تھی۔ فیض کے حصول کا دار و مدار طبیعت سالک پر ہے۔ تشدد عالم کے بٹے راستہ بڑا دشوار ہے اور نہ

طبیعت اعتدال پسند کی مشکلات سلوک جلدی حل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ تشدد و قسم کے علم ہر طبقے میں موجود ہیں۔ بعض اہل حدیث کا تشدد علمی اتنا بڑھا ہوا ہے کہ امام عظیم اہل

پر کڑی نقطہ چینی کر گزرتے ہیں۔ مولوی نجم الدین صاحب مرحوم پرنسپل اور پرنسپل کالج لاہور علیہ حال کیفیت کو حال کہتے ہیں۔ فقر و تعارف میں حال وہ کیفیت ہے جو سلوک الی اللہ

رستے میں سالک اپنے احساس میں کوئی عجیب تبدیلی محسوس کرے یہ بلند کیفیت بدلتی رہتی ہے کبھی بلند کبھی پست لیکن کیف کا ذوق اور احساس ہر حال میں موجود رہتا ہے۔ حال

حالیہ صوفیائے کرام ہوتے ہیں۔ قال۔ بات (قول) کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں علم ظاہر اور اس کا بیان اور اظہار اصحاب قال علیہ ظاہر کہتے ہیں، صرف علم والے کیفیات

کو کیسے سمجھیں۔ عمدہ طریقے سے۔ سوال کا جواب خود مسؤل اپنے سابقہ تجربات سے دے۔ مذاہب کا تعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔

اللَّهُ وَرَسُولًا لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ - وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا -

کیوں لائے؛ یعنی اس کا تعلق خاص درو شریف کے مانعین کے حق میں ہے جو اپنی طرح ان کو

بشر کہہ کر خطاب، ندامتہ ناجائز کہتے ہیں۔

ایک بار بندہ حاضر ہوا۔ تو آپ نے کشف المحجوب سے کئی مفادات دکھائے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ ذوق حاصل نہ ہو۔ آدمی اپنے مشاغل جاری رکھے۔ اور کہ اس وقت تک ایک ایسا اگر وہ ہے۔ کہ وجد اور ذوق و شوق کا دعویٰ گیر ہو کر خلقت خدا کی گمراہی کا باعث ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

۲۲۶ ایک بار حاضر ہوا تو موصوفی الرحمن کا مقدمہ دکھایا۔ کہ مسیحی ہی کی ذات تصور ہیں۔ اور یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ واولیہم واولیہم اذلیا بعضہم اذلیا بعض الخ کی تفسیر شریف دکھائی۔ سبحان اللہ جو بات اس مطالعہ سے کھلی وہ پہلے کبھی نہ کھلی تھی۔ حالانکہ منواتر زمانہ جنگ میں یہ آیت شریفہ پانچ چھ سال میرے زیر نظر رہی۔

۲۲۷ اخویم مولانا مولوی فخر الدین صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے توحید کے بہت سے اشعار پڑھے۔ زماں بعد فرمایا۔ کہ صلوٰۃ (نماز) معکوشی کیسے آپ کے خاندان میں ہے انہوں نے عرض کی کہ میں نے آج تک کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ اور نہ ہی طریقہ معلوم ہے۔ اور نہ ہی کسی سے سنا۔ اس کے بعد آپ نے موصوفی الرحمن سے قَلْبًا كَسَمَّ نَجِیۡنَ اللّٰہِ فَا تَبِعُوۡنِیْ یُحِبُّکُمْ اللّٰہُ الخ کی تفسیر کا نشان دکھا کر فرمایا کہ اس کو خوب مطالعہ کر لینا۔

(مثنوی بقیہ صفحہ ۸۶) اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام پڑھو۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان پر اللہ نے لعنت بھیجی ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب مقرر کر دیا ہوا ہے۔

حضرت علی بجزیری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی موکرات کتاب ہے تصوف کی قدیم کتابوں میں ہے فارسی زبان میں بھی لکھی گئی ہے اردو میں بھی ترجمہ موجود ہے۔ عا دعد۔ پانے کو کہتے ہیں۔ بعض طبائع میں جب کوئی حال اثر کرتا ہے تو ان کا جسم بے اختیار متحرک ہو جاتا ہے اور بے اختیار جھومتا ہے اور بعض کو اس حالت میں سخت تیزی آجاتی ہے عا مسٹی۔ جس کا نام ہے یعنی ذات خداوندی مسٹی ذکر کے وقت ہمیشہ محو ہوتا ہے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے ان کو دوست بنایا وہ انہی میں سے ہو گیا بیشک اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا عا صلوٰۃ معکوشی حضرت باوا شیخ فرید الدین گھنٹی کی ریاضت کی کرات کو کہیں میں اٹا لگا جاتے اور ذکر الہی میں مصروف رہتے اسی کو صلوٰۃ معکوشی کہتے ہیں عا آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو تم میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو دوست بنائے گا۔

برادر عزیز فرماتے ہیں کہ ایک نشان وقت کی تنگی سے سرسری دیکھا۔ اور کتاب واپس کر دی  
 کھوڑی دیر کے بعد ایک خادم پھر کتاب لایا۔ اور اس سرسری دیکھے ہوئے نشان کا ورق پکڑ کر  
 کہہ کہ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ اس جگہ کو غور سے دیکھ لیوں نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ  
 پھر میں نے غور سے دیکھا تو واقعی اتنا ہی غور طلب تھا۔ جتنا آپ نے فرمایا۔ نماز معکوسی کا پتہ  
 بعد میں مقامات احمدیہ کی اس عبارت سے لگا: "بابا فرید قدس سرہ ہشت سال صلوة معکوسی

سرزیر و پابالادرچاہ آویزیدہ میگردند و تمام شب بیدار و فکر بسرے بردند وقت صبح حناوم  
 میکشید گویا آپ کا مقصود تھا۔ کہ بابا صاحب نے کیوں یہ خلاف سنت عمل کیا۔ سبحان اللہ!  
 کس ادا سے سمجھا گئے۔ کہ برا معلوم بھی نہ ہو اور حقیقت کھل بھی جائے۔ اور کسی برطعن تشنیع بھی  
 نہ ہو یہ تھا طریقہ تعلیم آپ کا، کہ اشاروں میں مشکلات حل فرمادیتے۔ اور یہ تھا کشف۔ کہ اسی  
 وقت کتاب دوبارہ روانہ کی اور وہی ورق کہا جو رہ گیا تھا۔

۲۲۸ برادر عزیز فرماتے ہیں کہ مرآة المحققین عنایت فرما کر آخری تین ورق پکڑ کر فرمایا۔ کہ ضروری

بس یہی ہیں۔"

۲۲۹ چنانچہ اگر غور کیا جائے تو تمام تصوف کا پچوڑ بس وہی ورق ہیں اور بس۔ باقی سب اس  
 کی تفصیل ہے۔

۲۳۰ انگریزی دان اصحاب کو اکثر مولانا غلام قادر صاحب مرحوم بھیروی کے سلسلہ اسلام کی  
 کتب کے مطالعہ کے لیے فرماتے۔ کیونکہ ان لوگوں کے عقائد خراب ہوتے ہیں۔ اکثر قرآن مجید کے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور مناقب اور خواجہ محمد مصوم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و مناقب میں لکھی گئی۔

۱ بابا فریدؒ اللہ تعالیٰ ان کے بھید کو پاک فرماوے۔ پاکپن شریف میں مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکئی کے مرید، اور  
 ریاضات میں اپنی مثال آپ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی اور خواجہ علی احمد صابر کے پیرو مشدختے۔ (وفات ۵۴۰ھ شمس)

۲ آٹھ سال تک صلوة معکوسی، سر نیچے اور پاؤں اُپر کر کے اور کنوئیں میں ٹک کر ادا فرماتے تھے۔  
 ۳ مرآة المحققین۔ حضرت قیوم عالم خواجہ امام علی شاہ صاحب۔ اپنے پیرو مشد حضرت قطب عالم شاہ حسین مجددیؒ والی سرکار کے حالات میں لکھی  
 ۴ مولانا غلام قادر صاحب چشتی سلسلے کے بزرگ تھے۔ علم ظاہر اور تربیت باطن کا ایک خوبصورت مجموعہ تھے۔ آپ کے بہت سے شاگرد ہیں۔  
 ۵ کتابیں لکھیں۔ مسجد بسیم شاہی لاہور میں ہمیشہ قیام رہا اور یہیں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

آخری پاروں کا ترجمہ یا کسی خاص تفسیر کا نام لے کر بھی ارشاد فرماتے۔ تفسیر مراد یہ کہ آخری پارہ صرف اسی غرض سے چھپوایا تھا۔ لیکن افسوس کہ آپ کے وصال کے بعد طبع ہو کر آیا۔ اور سجادہ نشین صاحب نے حبیب اللہ اپنے آقا کی مرضی کے مطابق مفت تقسیم فرمایا۔ سیرت نبوی پر زیادہ توجہ تھی۔ اور مختلف اصحاب، مختلف کتب سیرت، ارشاد فرماتے اور پہلے خود کتاب بھی اکثر دکھاتے۔

۲۳۱ مخلصین جاوہ سلوک میں قدم استقامت دکھاتے۔ اور اپنے حال کو درست کر بیٹے اور پابند مشاغل ہوتے۔ تو سب طبیعت اور حسب مذاق کتب تصوف کے مطالعہ کا ارشاد فرماتے مثلاً ایک صاحب زوق و شوق کے لیے مثنوی مولانا روم وغیرہ عاشقانہ انتخاب فرماتے۔ اور صاحب سلوک اور استدلالی طبیعت کے لیے کشف المحجوب، مکتوبات حضرت نقشبندیہ یا حالات وغیرہ کی کوئی ایک کتاب تجویز فرماتے جس سے طالب کی طبیعت دن بدن زیادہ موزوں اور صاحب حال و قال ہوتی جاتی۔

۲۳۲ ہاں گاہے گاہے ترتیب الٹ بھی دیتے تھے۔ مثلاً جب دیکھتے کہ آتش جذبہ زیادہ ہو گئی ہے۔ تو اسے سرد کرنے کے لیے استدلالی اور تحقیقی کتب تجویز فرماتے۔ اور محقق اور صاحب تحقیق و فلسفہ کے لیے عاشقانہ کتب انتخاب فرماتے۔ کہ مطالعہ سے جذبہ کی آگ بھڑک کر فلسفہ کی دھجیاں اڑا دے۔ اور زن من عشق میں جل جائے۔ سبحان اللہ! کتنے صاحب نظر بلند تھے۔ آج کوئی پر ویز بھی نفسیات کے اس نظریہ پر عمل آرا نظر نہیں آتا ہے۔

۲۳۳ چونکہ اس روسیہ باہر دار کو ہمیشہ سے استدلال عقل اور فلسفہ سے واسطہ رہا۔ اور

۱۔ تفسیر مراد یہ۔ حضرت مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری نقشبندی کی تفسیر ہے۔ حضرت اعلیٰ شرفپوری نے آخری پارہ کا یہ حصہ اپنے خراج سے طبع کرایا۔

۲۔ لیکن حضور کے وصال کے بعد طبع سے آیا حضرت ثانی صاحب نے احباب میں تقسیم کیا۔

۳۔ حبیب اللہ۔ محسن اللہ سے واسطے۔

۴۔ جاوہ سلوک۔ اللہ کی طرف چلنے کا راستہ۔

۵۔ استدلالی طبیعت۔ وہ طبیعت جو دلائل اور تمیلات سے متاثر ہو۔

۶۔ مکتوبات و حالات مشائخ نقشبند۔ ان دونوں مضامین پر کئی کتابیں موجود ہیں۔

طبیعت کا میدان بھی اسی طرف تھا اس لیے میری تربیت ذہنی اس طرح فرمائی۔

۲۳۴-۱- شرفیابی پر حضور قبلہؐ نے حکایات الصالحین اور مرآة المحققین عنایت فرمائیں۔ اور فرمایا کہ تفسیریں تو بہت دیکھی ہوں گی، لیکن تفسیر حسینیؑ کا مطالعہ کر لینا۔ چونکہ طبیعت سہل پسند نہیں اس لئے تفسیر حسینیؑ کا مطالعہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔ اور حضورؐ کا مطلب بھی میں تار گیا کہ اصل عنایت صرف ان نکات سلوک کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے جس کو صاحب حسینیؑ (ملا علی کا شفی صاحب) بعض مقامات پر عین تفسیر میں بطور معارف بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس گنہگار کا بد مذاق اتنا بڑھا ہوا ہے کہ سوائے اُبکارا افکار کے کچھ پسند نہیں آتا اور یہی وجہ ہوئی۔ کہ تفسیر کے مطالعہ کو بھی طبیعت نے پسند نہ کیا۔

۲۳۵ حکایات الصالحین جذبہ محبت کو بڑھانے کے لیے عنایت کی ہوئی تھی۔ لیکن اُس کے مترجم کو خدا عزوجل رحمت فرماوے کہ ترجمہ صاف اور سلجھا ہوا نہیں۔ اور نہ وہ روحانیت تھی۔ جو اصل کتاب میں ہوئی۔ اس لیے چند حکایات کے سوا میں نے اس سے بھی کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور یہی دقت کشف المحجوب کے ترجمہ میں بھی پیش آئی۔ لیکن اصل مل جانے سے میری طبیعت خوب بیٹھی۔ بیان صاف اور روحانیت و محبت سے پر ہے۔

۲۳۶-۱- البتہ مرآة المحققین سے میں نے خوب فائدہ اٹھایا اور اس کا مطالعہ کئی بار کیا ہر بار نیا لطف اس کے دیکھنے سے حاصل ہوا۔ اور طبیعت میں خوب بیٹھی۔

۲۳۷-۲- شرف سعادت کے دوسرے سال مکتوبات حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد فرمایا۔ جن کے مطالعہ نے مجھ میں اعراض ماسوا پیدا کر دیا۔ کیونکہ حضرت مرحوم کے تمام مکتوبات میں

۱- حکایات الصالحین۔ اردو ترجمہ ہے ریاض الصالحین۔ مصنف امام یاقفی رحمۃ اللہ علیہ۔

۲- تفسیر حسینی۔ ملا علی کا شفی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر فارسی زبان میں ہے۔

۳- نکات۔ نکتہ کی جمع۔ لطیف اور باریک علمی بات۔ ایک نقطہ ہے جس کی جمع نقاط ہے یہی نقطہ ہے کہ جب دو خطوط ایک دوسرے کو کاٹیں تو تقاطع کے مقام پر پیدا ہوا ہے۔

۴- اُبکار۔ بکر کی جمع معنی "اُن چھوٹے"۔ افکار۔ فکر کی جمع (اُبکار، افکار نئے اور عجیب و غریب فکر)۔

۵- حضرت اعلیٰ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات متاخرین اولیاء اللہ کے مکتوبات میں نہایت بلند درجہ کے ہیں۔ بعض تو انوار منضوی (مضد) کے حالات میں ایک نہایت عمدہ کتاب مولوی حکیم عبدالرسول صاحب ساکن بکھر بار نے لکھی) میں طبع شدہ ہیں اور اکثر غیر مطبوعہ ہیں۔

۶- اعراض ماسوا۔ "ماسوا" اصطلاح تصوف میں یہ ماسوا اللہ کا محض ہے یعنی جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا ہے۔ اعراض۔ رُوگردانی اور بے توجہی کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس سے منہ موڑنا۔

یہی رنگ زیادہ ہے۔ اور متاخرین میں میں نے کسی ایک بزرگ کے مکتوبات بھی اس درجہ کے نہ پائے۔ جن کی عبارت نہایت دلچسپ اور معانی اور حقیقت سے پُر ہو۔

۲۳۸ (۳) تیسرے سال کشف المحجوب کے مطالعہ کا ارشاد ہوا۔ جس وہ مجہول کیفیات بے نقاب ہوئیں۔ جو وقتاً فوقتاً وارد حال ہوتی تھیں جن کی صحت اور غلط ہونے میں تردد تھا۔ اور جن کی تمیز ضروری تھی۔ اس کے علاوہ اصطلاحات صوفیہ کرام رحمہم اللہ اجمعین سے بھی واقف ہو گیا۔ اور اپنی کمیوں اور خامیوں کا صحیح اندازہ ہو گیا۔

۲۳۹ (۴) چوتھے سال بعض علمی اور حالی نسبتوں میں تردد پیدا ہو گیا۔ چنانچہ میں نے امام مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا مطالعہ شروع کیا لیکن ساتھ ہی ایک غیر حروف شناس آدمی اپنے علاقہ کا جب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا کہ ان سے جا کر کہنا کہ مکتوبات کا مطالعہ کرو۔ اور

اسم ذات پر بہت زیادہ توجہ کرو۔ اس سال کے اخیر میں جب خود حاضر ہوا تو حاجی عبدالرحمن صاحب

کے ذریعہ ارشاد کیا کہ معارج النبوت اور مدارج النبوت کا مطالعہ کرنا ضروری ہے انتہی، چنانچہ

میں نے ان کی جگہ مواہب لدنیہ کا مطالعہ شروع کیا۔ کیونکہ حضور کا مقصد سیرت نبوی سے واقف

کرنا تھا۔ اور یہ کمی مجھ میں بہت نمایاں تھی۔ گو کہ صوفیائے کرام کے حالات سے واقف، اور

ان کی تصنیفات سے خط وافر اٹھا چکا تھا۔ لیکن خود منبع نبوت سے بلا واسطہ اسوہ حسنہ

کی سیرابی ضروری تھی۔ اور یہی کمی اکثر آج کل پائی جاتی ہے کہ اصل چشمہ نبوت علیہ التمجید والسلام

کی طرف صوفیائے عظام کی توجہ کم ہے۔ اور ہر فعل کو پیر کی سنت خیال کر کے عمل میں لایا جاتا ہے

لیکن اگر وہی فعل براہ راست سنت نبوی علیہ التمجید والسلام کی طرف منسوب کیا جائے

۱۔ مجہول کیفیات: وہ کیفیات جو واضح طور پر وارد نہ ہوں۔ اور سالک کو ان کے بارے میں تردد ہے۔

۲۔ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ تین جلدوں میں ہیں اور اصل فارسی زبان میں ہیں اور وہیں ترجمہ ہو چکا ہے۔ مولانا نور احمد صاحب امرتسری نے ترجمہ کیا تھا اور وہ طبع شدہ ہے اب دوبارہ شائع ہوا ہے۔

۳۔ اسم ذات: اللہ تعالیٰ کے ناموں میں باقی تمام اسمے کرامی صفاتی ہیں صرف اللہ ذاتی نام ہے۔ اور نقشبندی سلسلے میں ہی اسم مبارک ابتدا اور انتہا میں مرکز توجہ ہے۔

۴۔ معارج النبوة: حضور درود و عالم کی ریت پر نہایت بسوگ کتاب ہے۔ فارسی زبان میں ہے ہر قسم کے تاریخی مباحث اس میں جوڑیں کلام میں کاشفی کی تصنیف ہے۔

۵۔ مدارج النبوة: حضور نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کی نہایت جامع کتاب ہے فارسی زبان میں ہے حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی کی تصنیف ہے۔

۶۔ مواہب لدنیہ: سیرت سید ولد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نہایت بسوگ کتاب عربی زبان میں ہے شیخ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

۷۔ اسوہ حسنہ: یہ قرآنی اصطلاح ہے (بہترین نمونہ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر لحاظ سے بہترین نمونہ ہے۔

منسوب کیا جائے تو اس کی اہمیت خدا کے جل و علا کے نزدیک اور خلق اللہ کے نزدیک کتنی بڑھ جاتی ہے۔ اسکی قربت میں کتنا بڑا بلند درجہ اور ثواب ملتا ہے۔ اور محبت و عشق کی شان کتنی بلند ہوتی جاتی ہے۔ گو ابتدا میں پیروی پیر حاصل کر کے فنا فی الشیخ کا لقب ملتا ہے لیکن کون اس حقیقت سے منکر ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا درجہ فنا فی الرسول کا ہے اور یہی صوفیا کا آخری معیار ہے۔ مولانا مرحوم شوہادی نے کیا اچھا کہا۔ ع۔ "بقا باللہ فانی فی النبی ہے۔"

فنا فی الرسول کے بعد بقا باللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی کی طرف قرآن پاک میں اشارہ ہے۔  
قُلْ اِنَّ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاَتَّبِعُوْنِيْ يٰحِبِّكُمْ اللّٰهُ۔

۲۴۰ فنا و بقا کی کئی تعریفات کی گئی ہیں۔ لیکن شاہ کلیم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔  
"کہ فانی سے فنا ہونا فنا ہے۔ اور باقی سے باقی رہنا بقا ہے۔" لیکن میں عرض کرنا ہوں۔ کہ صفات ذاتی کو صفات نبوت علیہ التحیہ و السلام میں فنا کر دینا فنا ہے۔ اور اپنی ذات کو ذات حق جل و علا میں فنا کرنا اور قائم کرنا، بقا ہے اور فنا مقدم ہے بقا سے۔ جیسا کہ علت مقدم ہے معلول سے۔

۲۴۱ یہاں پر یہ کہہ دینا بے جا نہ ہوگا کہ جب تک حالی کیفیت کا قدم آگے نہ بڑھے تب تک علمی مطالعہ کی طرف احتیاج نہیں بلکہ حالی کیفیات کے نشانات دیکھنے اور کھوج نکالنے کے لیے علمی مطالعہ اور انکشاف کی ضرورت ہے نہ یہ کہ اس راہ میں علمی مطالعہ یا انکشاف بالذات کوئی حقیقت رکھتا ہے۔ شاہ کلیم اللہ صاحب جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

۱۔ فنا فی الشیخ۔ کامل پیر کے اثر سے انہیں کی آجاتی ہے اور اس اثر اور ذکر و فکر سے اوار غلبہ کرتے جلتے ہیں یہاں تک کہ انیت ختم ہو جاتی ہے اور پیر کا اثر اتنا غالب ہو جاتا ہے کہ تمام تاثیرات سالک کے اندر باہر اپنے پیر کی جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔ فنا فی الرسول: فنا فی الشیخ کے بعد طبیعت ترقی کرتی ہے اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی تاثیرات سالک پر جلوہ ریز ہوتی ہیں اور پیر اس کی موجودہ کیفیات حضور کی تاثیرات میں گم ہو جاتی ہیں اس کو فنا فی الرسول کہتے ہیں۔ مولانا محبوب عالم شوہادی رحمۃ اللہ علیہ سوہادہ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کے رہنے والے تھے علم ظاہر اور حقیقت باطن اپنے پیر مرشد حضرت اعلیٰ پیر بلوچی سے حاصل کی، طبیعت میں سجد سوز تھا اور اپنے پیر مرشد سے عشق تھا، نظم و نثر میں کئی کتابیں لکھی ہیں اپنے پیر مرشد کی حیات میں ہی انتقال کیا۔ بقا باللہ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ باقی ہونا، سالک کے فنا کے بعد بقا کا مقام حاصل ہوتا ہے فنا فی النبی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا ہونے والا ہے۔ آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں دوست رکھے گا۔ علا شاہ کلیم اللہ جہان آبادی سے مراد ہے۔ فنا فی اللہ یعنی ادایات سے گزر جانا کیونکہ بارہ فنا ہے۔ باقی سے باقی رہنا۔ عالم ریاضات و صفات الہی کے ساتھ داخل ہونا، روح خود بھی باقی ہے اللہ اجیباً لوجود کے ساتھ تعلق کے بعد اسکی بقا قابل رشک اور مقصود حیات ہے۔ حالی کیفیت۔ سالک جب اہل اولیاء میں چلتا ہے تو اس کو عجیب و غریب کیفیا حاصل ہوتی ہیں اور انہی کیفیات کا وارد ہونا حال کہلاتا ہے اور وہ کیفیت عالی کیفیت کہلاتی ہے۔ یعنی کتاب پڑھنے سے کوئی کیفیت نہ پیدا ہوتی ہے نہ بدلتی ہے۔



”کہ از مطالعہ کتب هیچ نکشاید“

۲۴۲ مکتوبات حضرت امام مجید علیہ الرحمۃ کی طرف لاکھ اور آنکھ اس وقت بڑھائی جاوے

جب طبیعت کے جولان نے طبیعت میں گونا گون رنگ اور کیفیات پیدا کر دی ہوں۔ اور کہ

پیر و مرشدان تمام کی تفصیلات دکھانے پر مجبور ہو گئے ہوں۔ اور کہ طبیعت اپنی بیچون و بے چگون

کیفیات سے لبریز ہو کر دم بخود ہو کر کچھ تمیز نہ کر سکے۔ ورنہ مکتوبات کا مطالعہ بجائے فائدہ کے

سخت نقصان دے گا۔ اور تمام حالی کیفیات علمی و تہمات میں بدل جائیں گی۔ اور سالک کے

لیے بجائے حقیقت کے مجاز چہرہ کشا ہو جائے گا

۲۴۱ حضرت امام علیہ الرحمۃ والرضوان کے مکتوبات شریف دیکھنے کے لیے دو بلند استعدادوں

کی ضرورت ہے۔ ایک طرف تو حالی کیفیات نہایت ہی بلند ہوں، اور استعداد کامل ہو اور دوسری

طرف علمی سادہ معقول و منقول کافی و وافی ہو۔ تاکہ جس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لیے

حضرت امام علیہ الرحمۃ نے دفتروں کے دفتر لکھے۔ وہ سالک پر بعینہ اسی صورت جلوہ گر ہو۔

ورنہ اس سے کم درجہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنی حالت کو درست کرتے رہنا چاہیے۔ اس

سلسلہ مجددیہ میں اس راہ کے چلنے والے کے لیے بہت کافی ذخیرہ موجود ہے متقدمین سے بڑھ کر

متاخرین نے تفصیلات قلم بند فرمائیں۔ اور ہر ایک امر پر تفصیلی روشنی ڈالی اور متاخرین سے بڑھ کر

متقدمین کی کتب سراسر روحانیت سے پُر اور حالات سے لبریز۔ متاخرین سے مکتوبات حضرت

امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور مناقبات احمدیہ وغیرہ مناقبات اور مکتوبات اور ملفوظات کے

کتابوں کے مطالعہ سے (باطن کا سلسلہ کچھ نہیں ٹھنڈا۔

یعنی پیر و مرشد سالک کو حکم دیں کہ کتابیں پڑھ کر اپنی کیفیات کی تمیز اور تصدیق کرے۔

حال کیفیت کے ظہور کا نام ہے اور کیفیت کا علم بے ظہور علم کیفیت ہے جس کا صحیح اندازہ عالم کو نہیں ہوتا اور اس کا وہم انداز سے بنا رہتا ہے اگر

کیفیات کی کثرت ہو اور حال زور ہو تو کیفیات کا علم فائدہ دے گا ورنہ صرف مطالعہ سے علمی انداز سے کرنے کی طرف طبیعت مائل ہو جائے گی۔

معقول۔ فلسفہ منطق وغیرہ۔ منقول۔ قرآن و حدیث و فقہ وغیرہ۔

کم درجہ کتب سے مراد ایسی کتب جو عام تعلیم یافتہ پڑھ سکے اور سمجھ سکے۔

حضرت غلام علی شاہ صاحب دہلوی نقشبندی سلسلے کے آفتاب ہوئے وفات ۱۲۴۰ھ میں ہوئی۔

ذخیرے موجود ہیں۔ اور متقدمین کی اجمالی اور حالی کیفیات کے مطالعہ کے لیے رشحات حضرت القدس  
نفحات الانس وغیرہ کتب سیرت و مناقبات کتنی ہیں۔

۲۴۴۔ حضرت مرحوم و منصور روحی فداہ کی وفات کے بعد میں نے رشحات اور مناقبات احمدیہ کا  
زیادہ مطالعہ کیا۔ رشحات سالک کے لیے ایک نہایت عمدہ کتاب ہے جس سے ہر گھڑی اپنا  
موازنہ کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کئی بزرگوں کے حالات اور ان کے رشحات (ملفوظات) نے دل کو  
کئی طبیعتوں کا آئینہ کیفیات پیش کر دیا ہے! اور طبیعت اور ہر حال و کیفیت کی بابت ضروری  
اجمال مل سکتا ہے۔ اپنے لیے میں نے اس سے بڑھ کر کسی کتاب کو مفید نہ پایا۔

۲۴۵ (۵) پانچویں سال کے عین وسط میں جب کہ شعبان ۱۳۲۷ھ میں حاضر ہوا تو حاجی صاحب  
موصوف سلمہ ربہ کی زبانی ارشاد ہوا۔ ”کہ کتاب الفتن مشکوٰۃ تشریف دیکھ لینا۔ میں حیران تھا۔  
کہ یہ کیوں ارشاد ہوا۔ کتاب کھول کر دیکھی۔ سبحان اللہ یہ ایک آخری منزل تھی جس کی ضرورت  
اس موجودہ دور میں نہایت ضروری قابل توجہ تھی۔ اس بات کی طرف کسی صوفی کی توجہ موجود  
دور میں نہیں دیکھی۔ صاحب علم سے اس بات کی اہمیت پوشیدہ نہیں۔ اور تفصیل کے لیے موقع  
نہیں۔ اس کے علاوہ آتے ہی گھر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور کسی شرعی مسئلہ پر علماء میں گفتگو  
علی الاعلان دنیاوی حیثیت سے ہو گئی۔ اگر میں نے اس باب کا مطالعہ نہ کیا ہوتا۔ تو معلوم  
نہیں کتنوں کو کافر کتنا۔ کتنے لوگوں سے الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ قائم کرتا۔ گو میں حیرت  
پر تھا۔ لیکن پھر بھی جماعت کی تفریق سے خائف اور ذرا مت آنکھوں میں، اور توبہ زبان پر تھی

۱۔ رشحات۔ مولانا جامی کی کتاب ہے فارسی زبان میں تصوف کے حقائق ہیں۔

۲۔ حضرات القدس: ہر دو جلدوں پر مولانا بدر الدین سرہندی خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ نفحات الانس حضرت مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے 685 اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔

۴۔ حضرت اعلیٰ میاں صاحب شرفوری رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۔ حاجی صاحب سے مراد حضرت حاجی عبدالرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

۶۔ کتاب الفتن: فتنوں کا بیان (مشکوٰۃ المسایح کا ایک باب ہے)۔

۷۔ شرعی مسئلہ میں دنیوی حیثیت سے گفتگو ہونا۔ علم جب تک فقر کے سانچے میں نہ اٹے اس کے نقش و نگار نہیں کھلتے۔ اہل علم حضرات نے دین کی بڑی خاطر

کی لیکن دنیا کی آمیزش نے بعض کے فہم کو ناقص کر دیا جس سے دین کو نقصان پہنچا۔ ناقص علماء کو دیکھ کر اہل دنیا حقیقی دین سے بدظن ہو جاتے ہیں۔

اور ہر گھڑی وہی ارشاد کا خلاصہ آنکھوں میں تھا کہ حضور اقدس علیہ السلام کی ہدایات اس زمانہ پر فتن میں دیکھ کر حیران تھا کہ تھے تو بشر لیکن یہ کتنے دور کی کتنی واضح اور روشن تصویر کھینچ گئے

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ ط

۲۴۹ اس قدم بوسی اور شرفیابی کے بعد اگرچہ دو بار آپ کی حیات طیبہ میں درود دولت پر حاضر ہوا لیکن کوئی ارشاد اس علی تربیت کے بارے میں نہ فرمایا۔ البتہ اپنے پاس بالا خانہ پر ملواتے اور بعد فراغ طعام مصافحہ فرما کر مسجد جانے کے لیے ارشاد فرماتے۔

علا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نور الہی کا ظہور ہے اور علماء حضرات نور و بشر کے جھگڑوں میں پڑے ہیں۔ حضرت قبلہ و کبرہ دام ظلہ نے "تھے تو بشر" فرما کر لطیف تعریفیں فرمائی ہے کہ بھلا بشر چودہ سو سال نہیں قیامت تک کے لئے اتنی عظیم پیشگوئیاں کیسے کر سکتا ہے اتنا انشراح تو نور ہی کو ہو سکتا ہے جس کے سامنے کوئی مانع، مانع نہ ہو سکے۔

علا اے اللہ تو درود و سلام بھیجے ہمارے سردار محمد النبی (صلى الله عليه وسلم) اذلی و ابدی علم والے پر اور آپ کی آل و اصحاب تمام پر۔

# ترتیب جلالی و جمالی

۲۴۷ آپ کی ذات بابرکات میں یہ صفت ممتاز تھی جس سے کسی دوسرے کو کم ہی حصہ ملا ہوگا۔ آپ کا جلال کسی کو آگے نہ بڑھنے دیتا تھا۔ اور جمال کسی کو ہٹنے نہ دیتا تھا۔ جو ایک بار حاضر ہوا پھر عمر بھر اسی دولت کا غلام ہی رہا۔ کبھی جلال دل پر غالب ہوتا تو دل دھڑکتا اور کبھی جمال اپنا جمال دکھاتا تو طبیعت بے اختیار جذبہ الفت میں بے قرار ہوتی۔

۲۴۸ جو طبیعت خائف ہو کر سامنے ہوتی۔ تو آپ کا جمال اس کی تواضع کرنا۔ اور جو صورت متکبرانہ رنگ میں پیش ہوتی تو آپ کا جلال اس کی مدارات کرتا۔ اور نئے واسطے کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ لیکن ساتھ ہی کہتر و مہتر آپ کی محبت کے دعوے دار تھے۔ اور ہر ایک اپنے خیال میں راز الفت کا مدعی تھا۔ اور بچتا بھی ایسا ہی، کہ وہ سہرا سہرا محبت تھے۔ اور سہرا سہرا رحمت، جمال آپ کا ذاتی تھا۔ اور جلال صفاتی، کون ہے، جو حاضر ہوا اور آپ کے جمال نے اس کے آنسو پھوڑ پھوڑ کر نہ گرائے۔ اور کون ہے، جو پیش ہوا۔ اور آپ کے جلال سے دم بخود نہ رہ گیا ہو۔ گھر میں میٹھے خوف ہوتا کہ اب کیا پیش آئے۔ اور کالے کوسوں دو دروں پھر کتا، کہ کب دیدار نصیب ہوگا۔ آپ کی اس صفت نے آپ کے دم سیمائی پر سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ اور رحمتی وسعت کل شئی (حدیث قدسی) اور رحمتی سبقت علی غضبی

علا، جلال سبقت شان شوکت: اس سے مراد ہے ایسی تربیت جس سے شان بے نیازی کا ظہور ہو اور سالک تکالیف و مصائب کی آزمائشوں میں لا کر گری پہنچائی جائے جمال خوبصورتی اور حسن کو کہتے ہیں یہاں ایسی تربیت مراد ہے کہ سالک ہر طرح کے آرام و راحت لذات باطن سے سرفراز فرمایا جائے اور نیز کسی آزمائش کے محبت کی اداؤں سے اس کی تربیت فرمائی جائے۔ علا آپ کی بیعت سے لوگ خائف تھے اور بے تکلفی کا نام نہ تھا۔ علا آپ محبت اور انس میں بھی یگانہ تھے کہ جس نے ایک دفعہ دیکھ لیا وہ فریفتہ ہو گیا۔ ولایت کی کشش قبول کرنے والا اپنے اپنے درجے کا قرب اور رضوی پاتا ہے اور ہر درجے کے بعض راز ہوتے ہیں اور شیخ کامل ان پر وہ راز کھولتا ہے نیز شفقت اور محبت کا پھیلاؤ اور تاثرات بھی پوری پوری اپنات پیدا کرتی ہیں اس لئے ہر شخص محبت کا اور قرب کا مدعی بن سکتا ہے۔ علا جمال ذاتی تھا، یعنی فی الحقیقت آپ محبت و الفت کا خزانہ تھے اور محبت کا دیا ہمیشہ جوش میں رہتا تھا اس لئے جو آیا سیراب ہوا۔ اور اپنی لطافت ایمانی اور مخلوق کی خیر خواہی اور اصلاح کی وجہ سے ناراض ہونا پڑتا اور یہ صفت جلال ذاتی جمال کے ساتھ مل کر سالک کا کام بنا جاتی تھی میری رحمت ہر چیز پر چھا گئی۔ (ترجمہ حدیث مبارک) علا میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ (ترجمہ حدیث مبارک)

پورا نمونہ اور پورا عکس آپ کی ذات بابرکات تھی۔

۲۴ ایک طرف حکومت کا ایک اعلیٰ افسر اپنے جاہ و جلال کے ساتھ پیش ہوتا ہے تو منہ پر طمانچہ کھا رہا ہے اور دوسری طرف ایک غریب پھٹے پرانے لباس میں حائر ہوتا ہے تو گلے لگا جا رہا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر گھڑی اور ہر آن یہ دونوں رنگ بیک وقت ظہور پذیر ہوتے، ظاہر جلال ہے اور اندر جمال، اور شاذ و نادر اس کے برعکس بھی ہوتا ہے جب دیکھتے کہ چارہ گر کچھ نہیں ہو سکتا تو نرم مزاجی سے ٹال دیتے۔ لیکن اندر (باطن) بیتاب ہوتا۔ اور آپ کے جلال کی برق وہیں جلوہ پذیر ہوتی۔ جہاں بارانِ جمال کی رحمت اُس کے پے در پے ہوتی گویا رحمتِ الہی کی گھٹا ہوتی۔ کہ چمک دمک کر برس پڑتی۔

۲۵۰ آپ جب عام مجلس میں تشریف لاتے تو طبیعت شریف پوری مستعد ہو کر آتی اور اس وقت کی ہر ایک حرکت ہر ایک فعل میں جانب اللہ ہوتا۔ اور پی یَسْمَعُ وَ پِی یُبْصِرُ وَ پِی یَبْطِئُ کا پورا نمونہ ہوتی۔ لیکن جب آپ اپنے خلوت خانہ میں تشریف لے جاتے تو جمال ہی جمال رہ جاتے اور حتیٰ کہ یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ وہی مشیر محمد ہے یا کوئی اور بے کس و مسکین۔

۲۵۱ ایک بار حاضر ہوا۔ تو خادم نے حسب ارشاد آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ اوپر بلا لو۔ حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ رومائل بہ قطب تشریف رکھتے ہیں۔ اور ارد گرد پانچ چھ لڑکے، آپ اُن کو مواہب الرحمن دکھا اور سنا رہے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ اس کے مصنف نے عنایہ شرح ہدایہ بھی لکھی۔ چونکہ وہ بچے تھے۔ وہ عنایہ اور ہدایہ تشریف کو کیا جانیں۔ آخر خواجہ

۱۔ یعنی ایک ہی مجلس میں متکبر کے ساتھ سختی اور متواضع کے ساتھ محبت و نرمی ہوتی تھی۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

۳۔ مجھ سے سنا ہے مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے پکڑتا ہے۔

۴۔ عنایہ شرح ہدایہ۔ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کی شرح ہے۔

۵۔ خواجہ دین محمد صاحب فیض پور کے رہنے والے تھے اور حضور رحمتہ اللہ کے ہمہ وقتی دربان تھے۔

دین محمد صاحب سے کہا کہ عنایہ کی جلدیں لے آؤ اور وہ لے آئے۔ اور لڑکوں کے سامنے رکھ کر فرمایا کہ یہ کتاب بھی اسی مصنف کی ہے۔ سبحان اللہ! چونکہ میں نے پہلے حضرت کو اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے حیرت کے سوا مجھے کچھ ہوش نہیں کہ اتنے بلند پایہ کا ولی ہے۔ اپنے وقت غوث اور زمانہ کا قیوم پھر اس سبکیسی میں مجلس افروز۔ کہ دیکھنے والا حیرت میں آجائے۔ کہ وہ کیا تھے جن کو نیچے کی منزل میں دیکھا تھا۔ اور یہ کیا ہیں جو بالا خانہ میں نظر آ رہے ہیں۔ اور یہ نقشہ مرنے دم تک میری آنکھوں سے نہ جائے گا۔

۲۵۲ ساتھی آنحضرت (روحی فداہ) رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس جلال و جمال سے واقف ہو گئے۔ اور حسب موقعہ ہتھیال فرماتے۔ گاہے گاہے بعض خادموں کو جذبہ الفت بے اختیار کر دیتا تھا۔ تو آپؐ زُرْعَاتُ تَرَدُّدٍ حَبِیْبًا کے مطابق اپنے مجذوب کو سحت عتاب فرماتے اور دریا سے نکال دیتے اور فرماتے، ”تم کیوں آئے! تمہارے آنے کی کیا ضرورت! گھر میں بیٹھے رہا کر مجھے ایسا آدمی پسند نہیں جو بے فائدہ پھرتا رہے۔“ مجھے ایسوں سے الفت نہیں۔ یہ الفاظ اور آپؐ کا یہ طرز آتش محبت پر تیل کا کام دینا اور جذبہ الفت و محبت کی آگ طالب کی چوٹی سے جالگنتی اور فنا کی آخزی سرحد پر طالب بلا مجاہدہ یک دم جا پہنچتا۔ اور پیرم شد رحمۃ اللہ علیہ کے عکسی نور سے منور ہو بیٹھتا اور نمونہ سے

من تو شد من تو من شدی من تن شد من تو جاں شدی

ہونگلتا۔ عادات، اخلاق سے بڑھ کر صورت پر جانقشہ جمتا۔ ہاں جس کو جذبہ الفت کم ہوتا

علا غوث : اولیاء اللہ میں سب سے بلند درجہ غوث ہے۔  
علا قیوم : اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بعض اولیاء اللہ کو اس صفتی نام کی برکات سے حاصل ہوتی ہیں اور وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی برکت قیام کا اور اسکی شریعت طریقت کی  
علا ایک دن چھوڑ کر زیارت کیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

علا محبت کو آگ فرمایا ہے اور الحق بشریت کے حسن و خاشاک کو جلانے کے لئے اس آگ کی از بس ضرورت ہے۔  
علا کامل پیر کمال تو یہی ہے کہ شفقت اور محبت سے جس کی تکمیل چاہی اُسے آنا فنا فنا کی چاشنی سے آشنا کرایا اور بڑے بڑے مجاہدوں سے جو کلام ممکن تھا وہ صرف نظر کیا اثر سے کر دیا۔

علا میں تو جن گیا اور تو میں بن گیا (یعنی ایک ہو گئے) میں جسم بن گیا اور تو جان بن گیا۔ تاکہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تو ادہ ہے ہمیں شریعت  
سکا من تو شد من تو من شدی من تن شد من تو جاں شدی۔ تاکہ اس کے بعد از بس من دیگرم تو دیگر

س کے ساتھ دوسرا جمالی سلوک کیا جاتا۔ اپنے پاس بٹھاتے گلے لگاتے، محبت بھرے آہستہ آہستہ لہانچے لگاتے، گاہے دباتے، نرم اور نمکین تلمطف فرماتے۔ یہاں تک کہ آنسو پھوٹ آتے اور ہر گھڑی وہی نقشہ طالب کی آنکھوں میں جم جانا اور منزلِ ریاضت پر مگر حسرت ہونے لگتا۔ اور وہ حالت ہوتی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ سچ تو یہ ہے کہ سہ خدا جب حسن دینا ہے نزاکت آہی جاتی ہے۔

کئی ایک واقعات اپنی نظر سے دیکھے۔ ایک دو واقعات مثلاً عرض کیے دیتا ہوں ورنہ اس شمع ہدیٰ پر پروانہ ہائے محبت کی کمی نہ تھی۔

۲۵۲ میاں احمد دین سکھ بار ضلع شاہ پور میرے قریب کے رہنے والے اور مجھ سے تقریباً اڑھائی سال پہلے حضرت قبلہ روحی فداہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈیڑھ سال کے عرصہ میں اس درجہ پہنچ گئے تھے کہ ایک بار جب وہ اپنے پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ اور مجھے اس وقت تعلق کہیں پیدا نہ تھا۔ گاڑی میں سوار ہوا تو گاڑی میں موجود تھے، عجیب کیفیت سے بے خبر بیٹھے تھے۔ مجھ سے مصافحہ کیا اور اپنی حالت میں پھر بیٹھ گئے۔ میں بار بار ان کا چہرہ دیکھتا تھا اور حیران ہوتا تھا کہ الٹی یہ کیا دولت ہے جو انہیں نصیب سے اور جس سے یہ کیفیت مستانہ میں بنیاب غرق ہیں۔ میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے کہ کاش کہیں میرا بھی ایسا تعلق ہوتا۔ تو میں بھی اس لذت سے شناسا ہوتا۔

۲۵۳ جس کسی نے ان کا چہرہ دیکھا، وہی ان کی اس حلاوت کا مقرر ہے اور ان کے اس جمال

۱۔ ریاضت ہی سلوک اور تعلق باللہ کی سہ زمیں ہے۔ ریاضت کے بغیر احوال کا پیدا ہونا اور نچتہ ہونا ممکن نہیں۔ نفس پر ریاضت مشکل ہے محبت کی چاشنی آجائے تو یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔

۲۔ نہ ٹھہرنے کی جگہ نہ چلنے کے پاؤں۔ یعنی مجبور ہو جانا۔

۳۔ شناسا۔ واقف۔ طالبِ مولا کے لئے یہی طلب ہی منسزل مقصود کی سواری ہے جتنی یہ طلب

زیادہ ہوگی اتنی منزل قریب ہوگی۔

کا معترف لیکن دربار حضرت قبلہ روحی فداہ میں یہ حالت ہے کہ آتے ہی دھتکارے جاتے ہیں۔ مگر پروانہ محبت کا یہ حال ہے کہ سینکڑوں میل واپس آکر دوسرے دن بلاذرا در راہ پھر پایادہ شرقپور شریف کا راستہ لے لیتا ہے۔

۲۵۵ دوسری بار جب حضور قبلہ روحی فداہ مجھے اپنے ہمراہ مکان شریف لے گئے۔ تو میاں احمد دین وہاں موجود تھے اور حضرت نے انہیں ارشاد فرمایا تھا: "کہ روضہ شریف میں رہو اور عرس کے بعد حضور نے اپنی جیب خاص سے پانچ روپیہ کرایہ دے کر راستہ نارووال رخصت فرمایا لیکن جب ہم شرقپور شریف واپس گئے۔ اور چند دن گزر گئے۔ تو وہ مرد خدا بھی گھر سے پایادہ پھر پہنچ گیا۔ خادموں نے اسے کہا کہ حضرت میاں صاحب کے سامنے نہ ہونا۔ آپ ناراض ہوں گے۔ مرحوم بیچارہ بلا شرف زیارت شرقپور شریف کی دیواروں سے بغل گیر ہوتا ہوا واپس چلا آیا۔

۲۵۶ ایک بار جمعہ کو حاضر ہوئے، اور کھانے بیٹھے ہی تھے کہ حضور بالا خانے سے تشریف لے آئے۔ ان کو دیکھ کر خادم سے فرمایا کہ اسے نکال دو۔ میاں احمد دین حضرت میاں صاحب کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ اور زبانی عرض کرتے جاتے۔ کہ کتنے کو کہاں تک دھتکارو گے ابھی پھر واپس آجائے گا حضور کی محبت بھی بیتاب ہو گئی۔ اور اپنے دست مبارک سے پکڑ کر پھر دسترخوان پر بٹھا دیا۔

۲۵۷ ایک ایک ماہ میں کئی بار گھر پہنچ کر پھر حاضر ہو جاتے۔ گھر میں زاوراہ (کرایہ) نہ ہوتا، تو پایادہ ہی چل دیتے۔ وقت ناوقت جب کبھی خیال آ جانا تو چل دیتے۔ راستہ میں دریا پڑتا تھا

۱۔ طالبِ مولا پر محبت اور عشق کے ذریعے ایک جاذب کیفیت ایسی طاری ہو جاتی ہے کہ جو ایسے دیکھتا ہے وہ سرشار ہو جاتا ہے۔  
 ۲۔ محبوب کے در و دیوار بھی محبوب ہوتے ہیں اور اس کے مکان اور شہر کا تصور اور مشاہدہ بھی روح افزا ہوتا ہے اور جاں فزا۔  
 ۳۔ جب کامل کی نظر کی تیزوں سے فنا کی دولت حاصل ہوتی ہے تو اپنا آپ نہایت حقیر نظر آتا ہے۔ اور کمتر سے کمتر چیز سے کمتر دکھائی دیتا ہے۔ اسی واسطے اکثر متوسلین اپنے آپ کو بزرگوں کا سگ دربار کہتے سُننے جاتے ہیں۔  
 ۴۔ محبت کی تاثیریں دودھاری تلوار کی طرح دونوں طرف گھائل کرتی ہیں محبوب کی محبت ہی صاحبِ محبت کو اپنے محبوب کا محبوب بنا دیتی ہے۔



یکشتی کا موقع نہ ہونا۔ تو چھلانگ مار کر دریا میں کود پڑتے۔ غرض کوئی رکاوٹ یا مانع اس مرد عاشق کے سامنے حائل نہ تھا۔

۲۵۸ ایک بار حاضر ہوئے تو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے۔ ”کہ مرید صادق وہ ہے۔ جو اپنی جان و مال پر پرتا کر دے۔“ گھر آئے، تمام زیور، تمام برتن، تمام پارچہ جات لے کر الگ الگ گھڑیاں باندھ کر احباب سے کہا کہ آج حضور کی خدمت میں جانے کا ارادہ ہے۔ چونکہ بارانِ طریقت اُن پر فدا تھے۔ اور اُن کے ہمراہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہونا سعادتِ عظمیٰ جانتے تھے، اس لیے سب احباب ہمراہی کے لیے تیار ہو گئے گھر بلایا، اور ان کو ایک ایک گھڑی حوالہ کی لیکن اُن کو کچھ نہ بتلایا۔ سب ٹٹولتے تھے۔ لیکن کسی کو مجالِ دریافت نہ ہوئی۔ حاضر ہوئے تو خادم کے سب حوالے کر دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیوں یہ تمام اشیاء لائے، تو میاں احمد دین نے عرض کی، کہ حضور جان تو پہلے حاضر تھی۔ مرید صادق بننے کے لیے یہ کتنی سو حاضر ہے۔ آپ نے (حضرت قبلہ روحی فداہ) نے فرمایا۔ ”اوہو تم نے سمجھا نہیں کوئی اپنے بیٹے سے بھی مال لیتا ہے۔“ جاؤ زیور اپنے گھر میں دینا کہ وہ ہماری ہو ہے۔“ اور برتن اور پارچہ جات والدہ کو کہ وہ ہماری ہمیشہ ہے اُس کے حوالے کر دینا۔“ ایسی اشیاء کی یہاں کچھ ضرورت نہیں۔“ سبحان اللہ۔ مرشد ہو تو ایسا غنی اور مرید ہو تو ایسا با اخلاص۔ سے

اِس سَعَادَتِ زَوْرٍ بَارِزِ عِيسٰتِ تَا نَبْخَشَدِ خَدَائِے بَخَشَنَدِه

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ اور یہی تعبیر ہے۔

۱۔ حقیقی محبت اکثر اوقات ایسے کام کر داتی ہے جو بے محبت انسان کے لئے حیرت کا سبب بنتے ہیں۔  
۲۔ صداقت اور اخلاص کا ثبوت قربانی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے یہ قربانی اکثر اوقات تو محب کے اپنے عمل اور ارادے سے وقوع میں آتی ہے لیکن کبھی کبھی محبوب بھی استقامت دیکھنے کے لئے یا جلتی پرتیل گرانے کے لئے خود آزمائش فرماتا ہے۔  
۳۔ ذکر و فکر اور عشق و محبت سے جب نیا انسان بنتا ہے تو پچھلی تمام آلائشیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اب محبت کے شہنشاہ کی حکومت اور اس کا اپنا رعب و اب ہے۔ کسی کو کیا مجال کہ منہ کھولے۔  
۴۔ قربانی دراصل جذبہ برکراتا ہے۔ بس قربانی کا جذبہ ہو اور جذبے کا اظہار ہو جائے مقصود یہی ہے۔  
۵۔ یہ سعادت مندی زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ اپنی عنایت نہ فرماوے۔  
۶۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہے بخش دے اور اللہ تعالیٰ بہت عظیم فضل و کرم کا مالک ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا - ہر چہ واری خرچ کن در راہِ اُو کی۔

۲۵۹ اس پروانہ محبت کو ایک طرف تو در و محبت اور آتش عشق کھائے جاتی تھی اور دوسری

طرف مجاہدہ و ریاضت اُسے گھائل کرتی جاتی۔ یہاں تک کہ تینس تینس برس کی عمر میں وہ ساٹھ سالہ

معلوم ہوتے تھے! اور حرارت قلبی نے دق کا لباس لے لیا۔ اور چار پائی پر جامصنٹے بچھایا۔ اگرچہ باطنی

حرارت ظاہر میں نمودار ہو گئی تھی۔ لیکن تنور عشق دم بدم تیز ہوتا جاتا۔ دو بار چار پائی ہی پر منزل عشق

چلے کر کے ایک بار مکان شریف حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوسری بار شرفیور شریف اور

زیارت کے بعد چھٹے یا ساتویں روز وہ پروانہ محبت ہمیشہ کے لیے آتش عشق میں جل گیا۔

۲۶۰ وقت نزع کسی نے پوچھا کہ اس وقت کچھ طلب ہے۔ ماتھا اٹھا کر کہا کہ اللہ۔ کیا یہ وہی

عکس نہیں۔ اللہم بِالرَّفِیقِ الْأَعْلٰی کا۔

۲۶۱ گاڑی میں جب بیہوش ہو گئے تو والدہ نے ہوش آنے پر کہا: بچہ! ہمارا واپس ہونا بہتر ہے۔

تو کہا: کیوں شرفیور شریف مرنا کچھ بُرا ہے، میں تو کبھی واپس نہیں ہوتا۔ جو کچھ ہو گا، دیکھ لیا جائیگا

آگے ہی جائیں گے۔

۲۶۲ اب اس مرد خدا کی حالت دوسرے پہلو پر دیکھو کہ حاضری سے پیشتر۔ چورہ پکابے دین

دنیا کے تمام فسادات کی جڑ، لیکن طبیعت نے اتنا پلٹا کھایا کہ جس جس کا مال اپنی عمر میں چر ابا

تھا۔ اُس کے پاس گئے۔ اپنے قصور کا اعتراف کیا بخشش کے طالب ہوئے اور قیمت مال پیش

کی۔ اکثر اُن کی حالت کو بدلے ہوئے دیکھ کر احباب کہتے کہ ہم نے تمہیں پہلے ہی بخش دیا ہے لیکن

۱۔ جو بھی تیرے پاس ہے اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دے جب تک اُس کے راستے میں اپنی محبوب چیز خرچ نہ کر کے نیکی کو نہیں پاؤ گے۔

۲۔ محبت روح کی شفا اور جسم کی بیماری سے اور محبت بیماری سے کہیں زیادہ جسم کو کمزور اور ناتواں کرتی ہے۔

۳۔ مجاہدہ بھی اس لئے ہے کہ حیوانی قوتیں کمزور ہو جائیں اور روح کا نکھار ظاہر ہو۔

۴۔ یعنی ذکر و فکر کی گرمی نے جسم کو ایسا جلایا کہ ظاہر میں تپ دق کی صورت بن گئی۔

۵۔ حضور سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھمال کے وقت یہ کلمات طیبات فرمائے تھے۔

”الہی! میں رفیقِ اعلیٰ سے ملنا چاہتا ہوں“

۶۔ پہلی حالت کا نقشہ ہے۔ اس کی رحمت ہو جائے تو ایک چور نہیں کٹی چور قطب بن جاتے ہیں۔

۷۔ صبح توبہ کے وقت وہ مطلق کریم تو کیوں نہ بخشے مخلوق بھی سچی توبہ سے متاثر ہو کر اپنے حقوق بخش دیتی ہے۔

وہ کہتے مفت تو کوئی نہیں بخشتا قیمت لے لیں اور میرا گناہ بخشیں۔ لیکن وہ باصرار واپس کرتے۔ مگر مروجہ کہتے کہ نصف تو لے لو۔ ورنہ دل سے تم بخشتے نہیں۔ چنانچہ مجبوراً انہیں یہ قیمت واپس دیتے۔

۲۶۳ اُن کے گاؤں کا حال نہایت اتر تھا۔ اور علاقہ کے تمام گاؤں اور شہروں سے بدتر۔ کئی عالم بھی وہاں تھے۔ اور بہت سے واعظ باکمال بھی ہو گزرے۔ لیکن کسی کا اثر گاؤں والوں پر نہ ہوا۔ تا اینکه میاں احمد الدین نے اپنا منور چہرہ خلقت کے سامنے پیش کیا اور شریعتِ حقہ کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ بڑے بڑے اکابر جن کے بارے کلام مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔ **فِي كُلِّ قَرْيَةٍ اَكَابِرٌ مُّجْرِمِيهَا لِيَكُورُوا فِيهَا**، ان کی حقانیت پر سر تسلیم خم کرنے لگے۔ فاتحہ خوانی میت پر حقہ نوشی کا رواج تھا، لیکن جب وہ مجلس کے سامنے ہوتے تو حقہ الگ کر دیا جاتا بلکہ بہت سے موقعوں اور تقریبات پر حقہ الگ کر دیا گیا۔ اُن کے گاؤں میں شیعہ مذہب نے قدم جمانے شروع کیے تو اسی مجاہد نے اُن کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ اسکے دُکے کے سوا کوئی بھی شیعہ خیال کا نہ رہا۔ شادی پر ڈھول باجے کی رسم تھی اور لڑکیوں کو غیر محرم ڈولی میں اٹھا کر لے جاتے۔ لیکن میاں احمد الدین اُس گھر میں نہ جاتے جہاں یہ رسومات قبیحہ ہوتیں۔ خواہ کتنا ہی قریبی تعلق رشتہ داری ہوتا۔ اور سب سے بڑھ کر ایک ایسی جماعت مرتب ہو گئی۔ کہ **اِنَّ رَبَّكَ يَعْنَمُ اَنْتَكَ تَقْوَمُ اَدْنٰى مِنْ شَكْوٰى اللَّيْلِ وَنِصْفِ دَوْلَتِهِ وَ طَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ** اس جماعت کا ہر ایک فرد اپنے پیشوا کے رنگ میں نظر

۱۔ ہر ایک گاؤں میں وہاں کے بچے اور غنڈے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے گاؤں میں چالیں چلتے ہیں۔

۲۔ تیرا سب (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) جانتا ہے کہ آپ تقریباً دو چھتے رات یا ایک تہائی کھڑے رہتے ہیں، اور ایمانداروں کا ایک گروہ بھی آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔

آتا، وہی حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نشست و برخاست وہی طرز گفتگو، وہی لباس، دیکھنے والا خیال کرنا کہ یہ صوفی لوگ لاہور یا اس کے مصافحات کے رہنے والے ہیں۔ ہر ایک قوم (کھتر و مہتر) سے جماعت بھر پور تھی۔ لیکن غیریت اور ذات پات کا خیال اٹھ گیا تھا۔ اور اصحابِ عتقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح ایک ویران مسجد میں شب و روز بعد فراغت کار بار و نیوی موجود رہتے۔ جن کے صدر نشین وہی ہمارے میاں احمد الدین ہوتے اور شب و روز اپنے خیال الفت میں مستغرق رہتے۔

۲۹۴ عوام الناس کو تو زجر ازبان سے امورات قبیحہ یا خلاف سنت سے منع فرماتے۔ لیکن خواص اور مکھڑے پڑھے بزرگوں کے سامنے حسب استعداد کچھ کتابوں کا مطالعہ کر کے ان کے سامنے لے جاتے اور کہتے کہ یہاں سے مجھے سناؤ۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ پڑھنے والا ان کا مطلب تاڑ جاتا اور اپنی غلطی پر متنبہ ہو جاتا۔

۲۹۵ ایک بار ایک علما گھرانے کی شادی پر ڈھول بجایا گیا۔ گو اس وقت بیمار تھے۔ لیکن اپنے کوٹھے پر چڑھ کر علی الاعلان ان کے اس فعل کا استحقار کیا۔

۲۹۶ وفات سے چند روز پیشتر جب قدرے آرام ہوا تو غسل کر کے جامع مسجد میں جمعہ کے لیے گئے۔ جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا۔ لوگوں نے جو نظر کی تو سب کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت میاں صاحب بذات خود تشریف لے آئے۔ سبحان اللہ۔ اسے ہی فنا فی الشیخ کہتے ہیں۔

۲۹۷ آخری زیارت کے لیے جب چار پائی پر حضور اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی والدہ کو

حضرت علیؑ نے مسجد نبویؐ میں ایک چوڑا بنا دیا تھا۔ اور بہت سے درویش صحابہؓ رات دن وہاں رہتے تھے اور ان کا کام سوائے ذکر و فکر کے اور کوئی نہ تھا۔ ان کی گذران صاحب استطاعت صحابہؓ کی داد و دہش پر تھی۔ گویا ان کا وجود اور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق اور ذکر و فکر کا شغل یہی خانقاہیت کی بنیاد تھی۔ جو خود مسجد نبویؐ میں رکھی گئی۔ افسوس کہ آج بعض علما غلط فہمی کی وجہ سے خانقاہ پر اعتراض کرتے ہیں۔

علی الاعلان۔ کھلم کھلا۔ شریعت مطہرہ کی پیروی اشد فروری ہے خصوصاً ان لوگوں کیلئے جن کو ہر زمانے میں ہم سنبھرتے ہیں اور وہ دین کے نام سے شہرت رکھتے ہیں۔

۳۰ فنا فی الشیخ۔ اپنے پیروں میں گم ہو جانا۔ سالک کے جذباتِ محبت جب کام کرنا شروع کر دیتے ہیں تو انوارِ محبت اور انوارِ تفسیرِ سالک کے وجود پر سپہم عکس ریز ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ اندر باہر ظاہر و باطن پیروں کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور "گاؤ" ہو جاتا ہے۔

قرمایا کہ اب ان کو جلدی گھری لے چلو۔ نور گرم ہے۔“ اب پانی بھی چھڑکا تو آتش تنور اور بھڑکے گی اور حرارت بڑھے گی۔“ اللہ تعالیٰ مرحوم کو مغزقی رحمت فرماوے بطوالت ضرور ہوگئی، ع۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

۲۶۰ دوسرا جوان نور محمد بٹالوی حضور کی خدمت کے قیام کے وقت دیکھا۔ ایک ہی ہفتہ میں معلوم نہیں کہ چار پانچ بار آیا۔ لیکن پہلے دن کے سوا پھر زیارت نصیب نہ ہوئی۔ بلکہ ایک دو بار مجھے یاد پڑتا ہے، کہ کھانا تک بھی نہ کھلایا گیا اور نکال دیا گیا۔ خادم ہی فرمادیتے کہ حضور تمہارے رہنے سے سخت ناراض ہیں، اپنے کام میں جا کر مشغول ہو جاؤ۔

۲۶۱ جمعرات کو حاجی صاحب (سکندر رتہ) نے اس کو رخصت کیا۔ اور پھر جمعہ کی اذان کے وقت لاہور سے ہی پھر واپس آگیا۔ یہاں تک کہ حضور تشریف مسجد میں لے آئے۔ تو بیچارہ گھبرایا ہوا بھاگتا ایک کونہ میں جا پناہ گزیں ہوا کہ حضور کی نظر نہ پڑے۔ لیکن جب آپ نماز میں شاغل ہو گئے۔ تو نہایت درد مندانہ نگاہ سے حضور کے چہرہ مبارک کو دیکھتا تھا۔ لوگ نماز جمعہ میں مشغول تھے۔ اور یہ نماز عشق ادا کر رہا تھا۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے

تجھ کو بٹھا کے سامنے یاد خدا کروں

بعد نماز جمعہ کے چلا گیا۔

۲۶۰ ہفتہ کو پھر ثاری سے واپس آگیا۔ اور لطف یہ کہ پریشانی نام تک نہیں۔ خادم کچھ بھی کہیں۔ کچھ کسی سے شرکایت نہیں۔ اپنے حال میں مست۔

یہ حکایت پر لطف تھی اس لئے میں نے اسے کچھ لمبا کر لیا۔

نور محمد بٹالوی۔ بٹالکار رہنے والا ایک صاحب حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت تو عشق و محبت کی یہ کیفیت تھی حضور کے وصال کے بعد بھی شوق دید میں مست ہے قبل حضرت شاہ اسماعیل صاحب کرانوالا کی خدمت میں حاضری دیتا ہے، لاہور میں مقیم ہے۔

۲۶۱ محبت تیز ہو جائے تو اس کی لذت میں عقل کی پابندیاں چھوٹ جاتی ہیں اور سوائے محبوب اور محبت کے کچھ اور نہیں سوچتا۔ حدود شرعیہ کا ایسے موقعوں پر نگاہ رکھنا بڑی ہمت ہے اور ہر کہ و مر کا کام نہیں ایسے موقعوں پر حدود کو ملحوظ رکھنے والے ہی صاحب کمال بنتے ہیں۔

علا محبت کے دیوانے محبت میں فنا ہو جائیں تو ان کو راستے کی مشکلات کا احساس نہیں رہتا اور بشریت کی انانیت بھی نہیں ستاتی۔ کوئی کچھ کہے یہ اپنے حال میں مست ہوتے ہیں۔ لوگ ان پر ہنستے ہیں یہ لوگوں پر ہنستے ہیں۔

۲۶۱ ایک دن صبح کو حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ تم چلے جاؤ۔ کہا بہتر بعد میں کیا دیکھتا ہوں۔ نہایت اطمینان سے غسل کیا۔ اور پھر درویش شریف میں مشغول ہو گیا۔ زائ بعد تلاوت قرآن میں بیٹھ گیا، اتنے میں دس گیارہ بجے کا وقت ہو گیا۔ اور گریہوں کے دن تھے۔ چون تھا یا جولائی میں نے کہا کہ تمہیں رخصت تو ہو گئی تھی، ابھی یہیں ہو! بے چارہ کہنے لگا کہ اب تیار ہوں۔ کھانا اٹاری جا کر کھاؤں گا۔ میں نے کہا کہ کچھ یہیں ہی پڑھ لوں۔“

۲۶۲ مجھے چونکہ ایسے پروانہ بلے عشق سے نہایت محبت ہے۔ اس لیے ان کے حال و حال سے مجھے بڑا لطف آتا ہے اور جب کبھی کوئی مل جائے۔ تو میں غنیمت جانتا ہوں اور اس کے احوال پر رشک کھاتا ہوں۔

۲۶۳ نور محمد سے میں نے تعلق اور بیعت کی وجہ پوچھی تو کہا کہ حضور مکان شریف تشریف لے گئے اور عرس پر میں بھی حاضر ہوا کہ کسی بزرگ کی زیارت کر آؤں۔ جب میں نے حضرت قبلہ میاں صاحب روحی فداہ کو دیکھا، آپ کی صورت میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں دُور سے آپ کی طرف دیکھتا پھرتا تھا۔ اچانک حضرت میاں صاحب بعد ایک خادم میرے پاس سے گزرے اور دبی زبان سے فرما گئے کہ ہمیں ایسے آدمی پسند نہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنا کاروبار چھوڑ دیا۔ اور اسی حال میں پھرتا ہوں۔ یہاں رہنے نہیں دیتے۔ اور گھر میں رہ نہیں سکتا جب رخصت ہوتا ہوں تو کبھی لائل پور، کبھی لاہور، گاہے اس جگہ سے گاہے اس گاؤں سے، پھر بے تاب ہو کر آنکھٹا ہوں۔

۱۔ مکان شریف۔ جس کا دوسرا نام ہے رتڑ چھڑ یہ ایک گاؤں ہے دریائے راوی کے کنارے ضلع گورداسپور

میں۔ یہ پاک سرزمین وہ ہے جہاں حضرت غوث زمان امام علی شاہ صاحبؒ، اور حضرت اعلیٰ

شاہ حسینؒ بھورے والی سرکار مدفون ہیں۔ تقسیم ملک میں وہ ہندوستان میں چلا گیا۔

۲۶۳ اور سب بڑھ کر تعجب یہ کہ میاں صاحب یا آپ کے خادموں کی عدم التفات پر کوئی شکایت نہیں۔ بلکہ اپنے حال میں مست، بیباکی سے کہتے ہیں۔

۲۶۴ ایک بار سید نور الحسن صاحب جو آپ کے خلیفہ تھے۔ بموجب ارشاد عالی گھر میں نہ جاتے تھے۔ اور شرفِ سعادت کہ آپ کے ارشاد سے مقدم جانتے تھے۔ جناب حاجی صاحب اور دیگر احباب نے باصرار شاہ صاحب سے کہا کہ آپ (یعنی قبیلہ میاں صاحب) آپ کے قیام سے سخت ناراض ہیں، آپ ضرور چلے جائیں۔ تو شاہ صاحب نے کہا، کہ میں تو چلا جاؤں گا لیکن میرے جانے کے بعد آپ لوگوں پر ہی حضرت ناراض ہوں گے۔ آپ کو کیا معلوم، کہ وہ کس زبان اور کس دل سے فرما رہے ہیں۔ میرے تعلقات میں آپ لوگ نہ آیا کریں۔

۲۶۵ بخدا یہ بات شاہ صاحب کی مجھے بڑی ہی پسند آئی۔ کہ راز ہائے الفت کے سینوں میں کسی دوسرے کی گنجائش کہاں! معشوق کے ناز کو عاشق ہی کچھ جانتے ہیں۔ دوسرے بے خبروں کو اس سے کیا خبر۔

۲۶۶ لیکن شاہ صاحب، اگر تربیتِ جلالی کھا جاتے اور قرب پر دوری اور وصال پر ہجر کو اختیار کرتے اور سے بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید۔ پر عمل پیرا ہو جاتے۔ تو آج شاہ صاحب اپنی آخری سرحد پر ہوتے! اور اپنے پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کے سفر و کرم سے وہ کچھ مضنم کراٹھتے جو کسی دوسرے کو کم نصیب تھا۔ کیونکہ شاہ صاحب کی طبیعت سوز و گداز سے پڑھتی۔ صرف ایک کھٹو کر کھانے سے کام بالا تر ہونے لگتا۔ اور وہاں پہنچتے جہاں دوسروں کی

۱۔ محبت کی بقراری مدد کی بقراری کی طرح اپنی طرف ایسا مشغول رکھتی ہے کہ دوسری کسی کیفیت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔  
۲۔ سید نور الحسن شاہ صاحب۔

۳۔ فی الحقیقت صاحبِ محبت مرید اپنے محبوب اور کامل پیر و مرشد سے وہ راز و نیاز اور ایسے تعلقاتِ خصوصی رکھتا ہے جو دوسروں کے خیال میں بھی نہیں آسکتے اور بسا اوقات محبتِ تصدی ہو جاتی ہے اور پیر اپنے مرید سے محبت فرماتا ہے۔ ترا از من اگر بریند داغ است۔ نہ پنداری کہ زان داغم فراغ است  
۴۔ جلال و عبادت کو کہتے ہیں اور عظمتِ شان بھی اس کے معنی ہیں لیکن تعویف کی مطلق ہیں راہِ مولا میں جو تنگیوں اور تکالیف، دودیاں اور فراق کی قیدیں اور مختلف قسم کے استقامت ہوتے ہیں یہ سب یاد کا جلال کہلاتے ہیں اور سالک کو مصائب سے کرائے تعالیٰ تربیتِ جلالی فرماتا ہے۔

۵۔ مکمل شوریہ ہے، وہ بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید۔ کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا  
ترجمہ: اگر تجھے اپنا مربی فرمائے کہ تو اپنے مصلے کو شراب سے رنگین کر دے تو ایسا کر دے کیونکہ سالک (کامل پیر) منزل (حق) کے طور طریقے اور رسوم جانتا ہے۔

نظر نہ پہنچتی۔ تاہم سوز و گداز نے ان کا پایہ بہت کچھ بلند کر رکھا ہے۔ اور بارگاہ الہی سے پوری توقع ہے کہ کسی دن یہ جوان اپنی جوانی پر پہنچ کر خلقت کی ہدایت کا باعث پورا پورا ہوگا۔ اور اپنے جمال سے اور اپنی طاقت سے کیوں گوگردا بیاں دیگا۔ اللّٰهُمَّ زِدْ قُوَّةً وَلَا تَنْقُصْ۔

۲۶۶ کاش میری طبیعت میں بھی اس کا خمیر دیا جاتا۔ تاکہ میں بھی اس زُمرہ میں شامل ہو کر سعادتِ ابدی حاصل کر سکتا۔ لیکن سے

نداؤند و دوستِ من اختیار  
کہ من خویشتن را کنم بختیار  
تاہم دعا ہے۔

۲۶۸ الہی دل پاک احمد کا صدقہ  
نبی مکرم کے گنبد کا صدقہ  
تیرے درو والوں کے مشہد کا صدقہ  
محبت عطا کر محمد کا صدقہ

پیش دے خلش دے غم جان گسل دے  
میرے دینے والے مجھے درو دل دے

۲۶۹ کسی دوست کو اس نزا اندازانہ سلوک سے تردد اور دقت نہ ہو بلکہ نہایت ہی خوش نصیب انسان ہے جسے برگزیدہ انسان کی ناز برداری کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ ہر ایک کی قسمت میں مجنون بننا کہاں! اس جھائے ناز کی لذت وہی جانے جسے یہ نصیب ہو

ہائے مکبخت تو نے پی ہی نہیں

۲۸۰ خود حاجی عبدالرحمن صاحب خلیفہ جناب حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ متواتر چھ سال سرزمینِ یثرب میں آوارہ و شرتِ محبت رہے۔ اب بھی ان کے سینہ سے بوئے کباب آتی ہے۔ گو وہ

۱۔ گردانیاں دینا۔ چکر دینا، مراد وجد کا پیدا کر دینا۔ یہ ایک پیش گوئی تھی جو بالکل حق ثابت ہوئی اور دنیا نے حضرت نور الحسن شاہ صاحب کے کمالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ کئی محبت کے متوالے اس دربار کے چکر کاٹتے رہے۔

۲۔ یا اللہ تو زیادہ سے زیادہ عنایت فرما اور کمی نہ فرما۔

۳۔ میرے ہاتھ میں قضا و قدر نے اختیار نہیں دیا کہ میں اپنے آپ کو خوش نصیب بنا لوں۔

۴۔ مشہد۔ جلتے شہادت یعنی قبر مبارک، جاں گسل۔ جان کو توڑنے والا۔ محبت کی آرزو بارگاہِ لایزال سے بہترین آرزو ہے اور بہترین دعا۔

۵۔ کسی ہل سے قریب کا رابہ سعادت عظمیٰ ہے اور بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ شخص جس کو یہ دولت مل جائے۔

۶۔ یثرب، مدینہ شریف۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ منورہ کو یثرب کہتے تھے۔



خاموش نظر آتے ہیں۔ لیکن اندر ہی اندر محبت و درد کی ہنڈیا جوش کھا رہی ہے۔ اپنے درد سے نڈھال نظر آتے ہیں اور اس درد و محبت نے ان کو حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں درجہ صدیقیت دلایا۔

۲۸۱ جمالی تربیت لینے والے زیادہ تھے۔ اور خود میرا نصیب بھی اسی جماعت کے ساتھ تھا۔ غیر مذہب لوگوں کے ساتھ ایسے طریقہ سے حضور پیش آتے کہ دیکھنے والا حیرت میں آجائے لیکن حضور کو یہ حصہ خلق براہ راست حضور انور دہلی انت و امی انبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ ملا ہوا تھا۔ اس لیے اُس کی نظیر اولیائے عظام کے حالات میں کم ملتی ہے۔

۲۸۲ آپ کو جب کبھی وقت نا وقت کسی غیر مذہب والے کے آنے کی اطلاع پہنچتی، تو فی الفور تشریف لاتے۔ بسا اوقات جب آپ کمزوری یا علالت طبع کی وجہ سے نیچے تشریف نہ لاسکتے اور مخلصین انتظار میں بیٹھے گھنٹوں گزار دیتے تو اچانک کسی غیر مذہب کی آمد ہلالِ عمید سے بھی بڑھ کر ہوتی۔ کیونکہ تمام خدام، تمام زائرین کو یقین ہوتا کہ اب آپ ضرور تشریف لائینگے خواہ طبیعت مبارک پر کتنا ہی شاق ہو۔

۲۸۳ چنانچہ آپ تشریف لاتے تو نہایت محبت کے ساتھ گفتگو فرماتے اور معاملہ کرنے تک پرواہ نہ فرماتے۔ کبھی اسے دباتے۔ کبھی اس کے چہرہ کی طرف دیکھتے۔ کبھی اس سے دوچار ہونے خصوصاً سکھوں کے ساتھ نہایت محبت تھی۔ اور سکھوں کو بھی آپ سے خاص اُنس تھا اکثر حضور رحمۃ اللہ علیہ ان کی توجیدی محبت کا ذکر فرماتے۔

۱۔ صدیقیت: صدیق ہونا یہاں مراد ہے ایسا قرب اور ایسی مقبولیت جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سرورِ کائنات علیہ السلام سے تھی اور اصطلاح قرآنی میں نبی کے بعد صدیق کا لفظ اولیاء اللہ کے لئے استعمال ہوا ہے ۲۔ جمال: جلال کے مقابلے کا لفظ ہے۔ خوبصورتی کے معنی دیتا ہے۔ اور مراد راحت، آرام اور شفقت ہے۔ تربیت جمالی، ایسی تربیت جس میں تکالیف نہ ہوں اور آسانیاں سب موجود ہوں ۳۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ یہ فقرہ صحابہ کرام کی زبان پر ہر وقت ہوتا تھا جب وہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے ۴۔ ہر ولی کی خصوصیت الگ الگ ہوتی ہے حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جامعیت اخلاق عالیہ میں غیر مسلموں پر ہر بانی کی خصوصیت وضع خصوصیت ہے اور بدرجہ رحمت بعض کاملین کو عطا ہوتا ہے ۵۔ انتظار کے بعد حاصل ہونے والی خوشی کو ہلالِ عمید سے تشبیہ دیتے ہیں ۶۔ مخالفت: گلے ملنا۔ ۷۔ سکھ: متحدہ پنجاب میں ایک قوم تھی جو سکھ کہلاتی تھی۔ اب وہ مشرقی پنجاب میں آباد ہیں۔ اگرچہ وہ ہندوؤں کا ایک حصہ ہے۔ لیکن توحید پرست ہیں اور بدن کے تمام بال قائم رکھنا ان کی ظاہری خصوصیت ہے۔ ان کی ڈاڑھی موچھ سر کے بال ہمیشہ جوں کے توں قائم رہتے ہیں۔

۲۸۴ ایک بار حاجی صاحب نے بموجب ارشاد عالی میری حالت مجھ سے دریافت فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ اور تو میں کچھ اب نہیں چاہتا۔ البتہ درد و محبت کی کمی اپنے میں بہت محسوس کرتا ہوں۔ اور اس درد کی خواہش ہے

۲۸۵ کفر کا شر اور دین دیندار را . ذرہ درد سے دل عطار را

۲۸۵ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا یہ کہ ایک بار میں امر تسر گیا۔ تو چند سیکھ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ تمہاری چُپ (خاموشی) ہمیں کھائے جاتی ہے۔ تم کچھ بولو! میں نے ان سے دو چار باتیں کہیں۔ تو وہ زار و زار رونے لگے۔ لیکن اہل بات تو یہ ہے کہ ان کو اپنے گور و سکے ساتھ محبت ہے اور ہمیں گورہ سے محبت نہیں۔ ورنہ میں یہاں کتنی باتیں کرتا رہتا ہوں۔

۲۸۶ آپ کو ان کا جذبہ محبت بڑا پسند تھا۔ جو دوسرے مذاہب کے لوگوں میں کم ہے۔ اسی وجہ سے آپ ان لوگوں کو نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اس کے علاوہ دیگر مذاہب والوں کے ساتھ جذبہ انسانیت اور جذبہ سنت آپ کو اپنے طریقہ مخصوص میں مجبور کرتا۔ اور ہر ایک آنے والے کو کچھ نہ کچھ نقد، آٹھ آنے یا روپیہ عنایت فرما کر فرماتے۔ یہ تمہاری روٹی ہے۔ کیونکہ جو بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اپنے آقائے نامدار سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ

علیہ وسلم کی طرح بلا کھلائے یا پلائے رخصت نہ فرماتے۔ سبحان اللہ و بحمدہ۔

وَضَعَى اللّٰهُ عَلَى نُوْرٍ كُرْوَشًا نُوْرًا يَّأْتِي

زَمِيْنٍ وَرَحْبٍ اَوْ سَاكِنٍ فَلَكَ دَعْوَةٌ اَوْ شَيْءٌ

- ۱ کافر اپنے کفر میں ہے اور مسلم اپنے اسلام میں۔ لیکن عطار (خواجہ فرید الدین عطار) کو تھوڑا سا درد دل چاہیے۔
- ۲ ذکرِ حقی میں توجہ الی اللہ کا عکس جب سنا لک پر چھا جاتا ہے تو سنا لک پر محبت نثار ہوتی ہے اور سمنشین کا جذبہ باطن بھی بیدار ہو جاتا ہے۔
- ۳ سکھوں کو گور و ناک صاحب سے بے حد محبت ہے۔ اور یہ چیز ان کی اتباع سے واضح ہے۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل محبت کو پسند فرماتے تھے۔
- ۴ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے اور اپنے بیگانے سب پر یہ ابریکرم برستا تھا۔ اس واسطے غیروں پر شفقت کرنا بھی سنت ہے۔
- ۵ اللہ تعالیٰ کا سلام ہو اس نور مجتہم پر جس سے نور پیدا ہوتے۔ زمین ان کی محبت میں ساکن ہے اور آسمان ان کے عشق میں لرزتا

۲۸۸ ایک بار گنگا حاضر تھا۔ کہ ایک ہندو باجو حاضر ہوئے۔ ملکہ ڈاک خانہ میں سے تھے۔ آپ تشریف لائے۔ ان کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ حال و احوال دریافت فرمائے۔ کوئی تکلیف تو نہیں! کون افسر ہیں، اور کیسا۔ پھر فرمایا۔ آج کیوں آئے۔ عرض کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ تو آجاتا ہوں۔ آپ اپنے دست مبارک سے حسب معمول دبانے لگے۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا۔ اب تو طبیعت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے عرض کی جی ہاں۔ فرمایا۔ اگر اسی طرح ہر وقت رہے تو بہت اچھا ہوگا۔ آپ لوگوں کو لوگوں سے معاملہ کم ہے۔ بیٹھے لکھتے رہے اور توہین توں کرتے رہے۔“

۲۸۸ ایک بار ایک ہندو معمر آئے۔ تو آپ نے کچھ نقدی روٹی کے لیے عنایت فرمادی۔ وہ بے چارے آپ کی کرم بخشی اور ہمان نوازی سے ناواقف تھے۔ وہ انکار کرتے اور آپ اصرار فرماتے۔ پھر خادم سے ان قبلاً حاجات نے فرمایا کہ ان کو کہو کہ یہ ضرور لے لیں۔ لیکن وہ سمجھے کہ شاید آپ ناراض ہیں کہ میرا ہدیہ بھی قبول نہیں فرمایا۔ اللہ اپنے پاس سے کچھ دیتے ہیں۔ آخر ہزار وقت ان کو نقدی دی گئی کہ یہ تمہارے لیے برکت ہے اور یہ حضور کا خاصہ ہے، ناراض نہیں۔

۲۸۹ ایک بار ایک جوان کشمیری کو رخصت فرمایا اور آپ بھی اوپر جانے لگے۔ جوان کی طبیعت بھر گئی۔ آپ نے چہرہ کو دیکھ کر فرمایا ”اچھا دو تین دن اور یہاں رہ لو۔“ حضور تو تشریف لے گئے۔ لیکن یہ جوان اس درد سے پھوٹ پڑا کہ گویا پانی کا بھرا گھڑا ہاتھ سے

ہا توں ہی توں، اللہ تعالیٰ کو مخاطب ہے کہ تو ہی ہے اور باقی کچھ نہیں۔ غیر مسلم بھی خدا کو مانتے ہیں لیکن غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں تو ہی تو کا درد بتلا کر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا غلامہ درد کے طور ان کو عنایت فرمادیا۔ یہ ہے اہل تبلیغ اسلام جب وہ کامل کے انفاس قدسیہ سے اثر لے کر توہی تو پکاریں گے تو توحید اور اسلام ان کے رگ و ریشہ میں سما جائے گا۔

۲۹۰ بوڑھا ہندو: اولیاد اللہ کے پاس غیر مسلم کیوں آتے ہیں؟ دراصل توحید میں جذبِ کامل موجود ہے جب کوئی بندہ حقیقی توحید سے مرشاد ہو جاتا ہے تو وہ کشش اور جاذبیت میں مقناطیس کا ایک بیٹا بن جاتا ہے۔ ہر چیز کشاں کشاں آ رہی ہوتی ہے۔ اور وہ مرکزیت کے فرائض انجام دے رہا ہوتا ہے اور ہر تنفس اس کشش سے متاثر ہوتا ہے۔

۲۹۱ اولیاد اللہ کی پہلی نظر کے مختلف خواص ہوتے ہیں حضرت میاں صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے جذب میں ہمہ وقت قلب کی تاثیرات غالب تھیں سادہ منہ لوگوں پر مگر یہ طاری ہو جاتا تھا۔

۲۹۰ ایک لوجوان سید عالم دیوبند سے فارغ التحصیل گجرات شہر کے رہنے والے حاضر ہوئے۔ اور زائرین میں سے دو آدمی ایک سید صاحب اور دوسرے مولوی صاحب بھی ان کے ہمراہ جامعہ مسجد شرفپور میں ہو گئے۔ یہ دونوں بزرگ میرے بھی واقف تھے۔ آپس میں بے تکلفانہ باتیں رات کو کرتے رہے۔ مجھے بھی بلا یا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ ایسی مجلسوں اور محفلوں کا انجام ایسے مقام پر کیا ہوتا ہے اور میں خود دل میں کڑھتا تھا کہ ان کو اتنی ہوش نہیں۔ مگر چونکہ وہ سید زادے تھے۔ اور یہ مولوی، اور اپنے اپنے زعم میں کچھ تھے بھی، میں نے کچھ نہ کہا۔ لیکن دل میں تھا کہ اب دیکھئے صبح کو کیا پیش آئے۔ صبح کو حضور نے بلا دریافت حضرت فرمایا۔ گو ان میں سے ایک کی درخواست تحریری گزری اور مدت کے آنے جانے والے تھے۔ لیکن کچھ بھی انتفات نہ فرمائی۔ اور مولوی صاحب جو کئی دن میرے ہمراہ حضور کے خاص مہربانیوں کا مورد ہو چکے تھے۔ اور آپ نے کئی بار خلوت میں ان سے باتیں کی تھیں۔ مگر اب کے نام تک دریافت نہ فرمایا۔ بلکہ توجہ تک نہ کی۔ تیسرے جو ان ایک دو با آئے تھے۔ اور اس مرتبہ کوئی عالم رویا کا واقعہ دیکھ کر آئے تھے۔ ان کی طبیعت بھرائی۔ آپ نے ان کا چہرہ دیکھ کر فرمایا۔ کہ اچھا تم کسی قدر بھڑھاؤ۔ چنانچہ بالا خانہ پر بلا کر کچھ فرمایا۔

۲۹۱ ایک دفعہ کئی آدمی لو دھیانہ کے آئے۔ آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی۔ پھر فرمایا۔

اصلاح قلب کے مقصد کے لئے اسی مقصد کی ضروریات درکار ہیں۔ خاموشی۔ تنہائی۔ ذکر و فکر۔ مجالس اور محافل، گفتگو میں اور بے تکلفیاں نقصان دہتی ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ حکم کے اسباب میں ایک سبب بیان فرماتے ہیں کہ تکبر اپنے خاندان اور نسب پر فخر کرتا ہے اور یہ مادہ فطرت میں موجود ہے اور اس کی اصلاح سے کام بنتا ہے اور ایک قسم تکبر اپنے علم پر اترانا بھی ہے اور بغیر اصلاح قلبی کے بظاہر ایک فیصلت یعنی علم اس طرح ایک رویت بن جاتا ہے۔

عارف کامل پر ان کی بے راہ رویوں کا عکس پڑ رہا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ اور سفر کی تمام محنت اکارت گئی۔

کہ کیا کام کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ سفید باف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تو عجب بات ہے، ایک طرف سے نال ڈالی تو یارحیم کہا۔ دوسری طرف ڈالی تو یا کریم۔ اور دیتک اپنے ہاتھوں کو حرکت دیتے رہے۔ اور زبان سے یارحیم یا کریم کہتے رہے۔ سبحان اللہ! عجب حال تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ ہاتھ زبان کے ساتھ برابر چلتے تھے اور معلوم نہیں، خود حضور کس عالم میں تھے۔

۲۹۲ ایک بار دوسری جوان خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ایک کو فرمایا کہ کیوں آئے؟ اُس نے عرض کی کہ گنہگار ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ آئندہ گناہ نہ کرنا۔ اس نے کہا کہ آئندہ کے لئے تو گھر میں ہی توبہ کر کے آیا۔ میں تو گذشتہ گناہوں کے لئے حاضر ہوا ہوں اس پر آپ نے فرمایا: تم نے مجھے کیا سمجھا! لیکن خوشی سے چہرہ مبارک سُرخ تھا۔ اس نے عرض کی کہ شکر سمجھ کر آیا۔ بس پھر کیا تھا۔ چہرہ مبارک روشن تر ہو گیا۔ گویا بدر ہے مگر چونکہ وہ دل سے کہہ رہا تھا۔ اس لیے خلاف عادت زبان مبارک سے کچھ بھی نہ فرمایا بلکہ مرید پری کی طرح برس پڑے اور نہایت محبت سے لطفین ذکر فرمائی۔

۲۹۳ عرض آپ کی طبیعت مبارک نہایت طینت شناس تھی، اور ہر ایک طبیعت کے جزوی فرق کو بھی واگذار نہ کرتی۔ وہی سلوک ہوتا جو عین طبیعت طالب اور زائر کے مطابق ہوتا۔ اب میں اس حسن سلوک اور مہربانی کے فراوان، اور کرم ہائے شانانہ کا ذکر کرتا ہوں جو اس بے مایہ بیچ میرز کے ساتھ آن عالی جناب قہوۃ اللہ لکین زبدۃ العارفین نے ابتداء سے لے کر اتہا تک فرمائے۔

۱۔ یارحیم یا کریم کا وظیفہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعض زائرین کو فرماتے۔ اور حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سنت میں میرے قبضہ و کعبہ بھی بعض مریدین کو یہی وظیفہ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ عموماً ایک ہزار کی یا گیارہ سو کی تعداد ہوتی ہے۔

۲۔ ولی اللہ کا ظاہر، باطن کا آئینہ ہوتا ہے۔ ظاہر کیفیت سے پُر ہو تو باطن مشاہدہ کے بام پر جلوہ گر ہوتا ہے۔

۳۔ دل سے نکلے ہوئے تعریفی کلمات بعض اوقات اولیاء اللہ کی شفقت کو کھینچ لاتے ہیں۔

۴۔ جس طرح مادی حسن جزئیات سے بنتا ہے۔ بالکل اسی طرح باطنی کیفیت کا کمال بھی روحانی جزئیات سے بھر پور ہوتا ہے۔ اور جزئیات کا چھوٹے سے چھوٹا فرق بھی صاحب کمال کی نظر میں ہوتا ہے۔

۵۔ سالکین کا رہنا۔ عارفوں کا خلاصہ۔

مُحْسِنِ قِسْمَتِ سَے مَلا تَھا ہَم کو اَسْتَا وِ شَفِیقِ  
صُلِحِ کُلِّ، اَزَادِ، خَوشْدَلِ، مَہرَبَانِ بَے حَافِیقِ

ایک طرف تو آوارہ و گمراہی تلاش کھو کر میں کھانا چھیننے اب حیات پر پہنچا۔ اور دوسری طرف سے حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محبت خاندانِ مرقنوی کے حالات اور واقعاتِ خاندانی سن کر اندر ہی جوش کھا رہی تھی۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ سے جو محبت اور اخلاص تھا اُس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو آپ سے گہرا تعلق تھا۔ بات بات پر حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے اور ہر ایک امر میں آپ کو نظیراً پیش فرماتے۔ کسی مخلصین حضورِ حب علاقہ شاپور میں کسی وجہ سے آئے، تو حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ انور پر حاضر ہو کر فرار ہوس ہوئے۔ کیونکہ آپ ایسا ارشاد فرماتے تھے۔

۲۹۵۔ ایک بار صوفی ابراہیم صاحب نے حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ سے بیان کیا۔ کہ صوفی چراغ الدین صاحب کنگے ضلع گجرات کو آپ کے بہت سے واقعات اور حالات یاد ہیں، اور نہایت درد سے بیان کرتے ہیں۔ آپ نے صوفی صاحب کا پتہ لیا اور قصور تشریف سے سیدھے درس میاں وڈا صاحب تقریباً بارہ بجے رات کو پہنچ گئے۔ خود حضور تو باہر ایک تالاب پر تشریف فرما ہو گئے اور صوفی صاحب کو بلوایا صوفی صاحب حیران، کہ الہی! کیا ماجرا ہے، کہ آدھی رات کو یہ بزرگ تشریف لے آئے حاضر ہوئے تو فرمایا کہ میں نے بھائی محمد ابراہیم صاحب سے سنا ہے کہ آپ کو حضرت صاحب بیربل والا کے بہت سے حالات یاد ہیں، میں صرف اُن کے سُننے کے لئے آیا ہوں۔

علاوہ اللہ کو چشمہ آب حیات کہنا کتنی خوبصورت تشبیہ و تشبیہ ہے واقعی روحانی زندگی کا احساس اور دُوح کی بیداری کامل مرشد کی زبیت سے حاصل ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے اور آپ میرے قبیلہ و کعبہ محبوب الہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں۔ بیربل تشریف میں روضہ مبارک ہے۔ آپ اپنے وقت کے کامل ولی اللہ تھے اور علم و عمل کا ایک نہایت خوبصورت مجسمہ ایک جہان نے آپ سے علم و عرفان کا فیض پایا۔

ملا صوفی چراغ الدین صاحب موضع لنگے ضلع گجرات کے رہنے والے تھے حضرت اعلیٰ بیربلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔  
بڑھتے ہوئے مشہور قصبہ ہے ضلع لاہور کی تحصیل ہے لاہور سے ۲۰ میل کے فاصلے پر جانب جنوب واقع ہے۔  
حضرت محمد اسماعیل عرف میاں وڈا صاحب رحمۃ اللہ علیہ منگلپورہ لاہور میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

۲۹۶ صوفی صاحب کو اپنے پیرو مرشد علیہ الرحمۃ سے جو محبت تھی، وہ بیان نہیں ہو سکتی لفظ لفظ پر صوفی صاحب کے آنسو گرتے تھے۔ اور حضرت میاں صاحب جذبہ محبت سے تڑپتے تھے۔ غرض صبح صادق تک یہ دونوں پروانہ ہائے محبت، ذکر حضرت صاحب

سے جلتے اور تڑپتے رہے اور نور ظہور ہونے سے پیشتر ہی الگ الگ ہو گئے اور کسی کو پتہ تک نہ لگا کہ رات کیسی کٹی؛ سوتے یا تڑپتے۔

۲۹۷ ایک بار آنحضرت رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح موضع لنگے خوبے ضلع گجرات میں بھی صوفی صاحب کے پاس جا پہنچے اور اپنی پیاس بجھا کر واپس ہوئے۔ خود حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی میں نے وہ حالات حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے سنے۔

۲۹۸ جن کو میں خود نہ جانتا تھا اور نہ کسی سے سنے تھے۔ مثلاً آپ نے فرمایا تھا کہ حضرت صاحب کس طرف اور کس رخ بیٹھا کرتے؛ میں نے عرض کی شمالاً۔ آپ نے فرمایا ”مجھے تو خیال ہے کہ شمال و مغرب کے رخ ہوتے تھے۔ چنانچہ جب میں نے میاں کرم الدین صاحب سے رجوع ایک مدت آپ کی خدمت میں حاضر رہے تھے، دریافت کیا۔ تو بعینہ اسی طرح بتلایا۔

۲۹۹ جب کبھی کوئی حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کا مرید آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ تو نہایت مہربانی فرماتے۔ اور اکثر ان الفاظ سے پوچھتے کہ ”تم نے ان آنکھوں سے حضرت صاحب کو دیکھا؛“ بھلا جب تم نے ان کو دیکھا ہے تو یہاں آنے کی کیا ضرورت۔ اکثر گلے لگاتے، حالانکہ اس آخری زمانہ میں مصافحہ عوام سے بھی پرہیز فرماتے۔

۳۰۰ ایک تو یہ محبت تھی۔ اس پر واقعات اور اختلافات خاندانی کی اطلاع نے حضور

مجاہد اور جدائی جب اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ذکر محبوب رقت مجسم بن کر چل جاتا ہے۔

۲ عارف کامل کے سامنے بعض مطلوبہ واقعات کی تصویر آ جاتی ہے۔

۳ میاں صاحب پنڈی لالہ ضلع گجرات کے رہنے والے ہیں حضرت اعلیٰ بیروبی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خادم لنگر پھر حضرت ثانی صاحب حضرت احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی۔ تا آنکہ میر سے قبل و کتبہ حضرت مرشد محمد عمر صاحب مدظلہ العالی نے خرقہ خلافت عنایت فرمایا اور پنڈی لالہ میں ہمیشہ مقیم رہنے کا حکم دیا۔

۴ حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت اعلیٰ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کمال محبت و عقیدت تھی جس کا اظہار آپ ہمیشہ فرماتے۔

۵ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ظاہر تکلفات اور رسوم سے بے حد پرہیز فرماتے اور اس خیال سے کہ عموماً لوگ دست بوسی کرنے ہیں مصافحہ سے حتی الوسع پرہیز فرماتے۔

کی طبیعت اور آپ کی محبت کو اور بھی جوش دے دیا۔ یہی وجہ ہوئی کہ وہ ہر شے محبت جو مدت سے اہل رہا تھا۔ صرف دیکھنے پر امانڈ آیا۔ اور ندی نالے کی طرح نہیں، بلکہ سمندر کی طرح موج زن ہو گیا۔ آخر اپنی وسعت بے انداز سے میری حقیر مستی کو پہلی نظر سے فنا کر گیا اور کھا گیا۔

۳۰۱ گو تمام کالمین سر اسر محبت ہوتے ہیں اور ہر ایک مخلص اور عقیدت مند خیال کرتا ہے کہ مجھ ہی سے آپ کو خاص محبت ہے۔ جیسا کہ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کی ذات بابرکات کی بابت

خیال کرتے کہ آں رحمۃ للعالمین کو مجھ سے ہی محبت ہے۔ لیکن اگر آپ کی ذات سرمایہ سعادت کو کسی ایک صحابی کے ساتھ خاص محبت ہوتی تو رحمۃ للعالمین لقب کیوں کرتے۔

۳۰۲ مگر جو لوگ اس آخری دور میں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ اُن کو میرے پچھلے بیان کی تصدیق خود بخود ہو جائے گی۔ میرا اپنا ضمیر تو یہی

کہتا ہے کہ حضور کو جو محبت (بوجہ آبا و اجداد رحمۃ اللہ علیہم کے) اس روسیہ نالائق، بیچپدان، بیچیر سے تھی۔ کسی دیگر کو اس سے بہت کم حصہ ملا۔ ہاں میں خود شور زمین کی

طرح تھا کہ متواتر بارانِ رحمت کے باوجود پھر بھی سہ سبز نہ ہوا۔ مگر بارانِ محبت کی کمی نہ تھی۔ جب کبھی آپ کی نظر اٹھتی تو محبت بھری اٹھتی۔ در و بھری ہوتی۔ جب کبھی دست التجا بارگاہِ الہی میں اٹھاتے تو انہیں الفاظ سے اٹھاتے۔ وَ اَفْوَضْ اَمْرِي اِلَى اللّٰهِ۔

اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ۔ ایک بار نہیں۔ بلکہ ابتدا میں تو گیارہ گیارہ بار اس آیت شریف کا تکرار فرماتے۔ دستِ سوال دراز ہوتا اور نظر مبارک التجا سے پُر۔ آسمان کی طرف

۱۔ فنا اصطلاح لغتوں میں وہ کیفیت ہے کہ سالک سوا اللہ کے خیال سے برطرف کر دیا جاتا ہے اور دنیا کی ہوا و موس اور ہونے نہ ہونے کا خیال غیر موثر بن جاتا ہے اور خوشی غمی کے اسباب کی تاثیرات جاتی رہتی ہیں، کمال پیر کی پہلی نگاہ نے اکثر اوقات مستعد مرید کو فنا کی کیفیت عطا فرمادی۔

۲۔ کمال پیر کی خصوصیت میں اول دُجے پر وہ کیفیت ہے جو جاذبیت کی ابتدا ہے یعنی محبت اور اس کے بغیر نہ کوئی کمال فنا ہے نہ سالک۔

۳۔ مرید کی ہر کیفیت اپنے پیر کا انعکاس ہوتی ہے اور چونکہ وہ عکس اپنی استعداد کے مطابق ہر مخلص مریے رہا ہوتا ہے اس لئے اپنے آپ کو وہ منفرد سمجھتا ہے۔

۴۔ خود حضرت دیرے پیر مرشد مصنف مدظلہ کی ذات سرا پا محبت ہے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قبولِ محبت کی ایسی بلند استعداد والا کوئی دھرا نہیں ملا اس واسطے اپنی محبت کا تمام خزانہ ادھر منتقل فرما دیا۔ میں اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

۵۔ دُعا میں دعوت ہر وقت بے اختیار پُر اُمید سوالی کی طرح آگے بڑھ جاتے ہیں دستِ سوال دراز سے یہاں مراد ہاتھ اٹھے ہوتے نہیں بلکہ ہاتھ لیے ہو جاتے مخلص دُعا کرنے والا اس کیفیت اور حالت کو خوب سمجھتا ہے۔



گناہ ہے بلند اور گناہ ہے قلب مبارک پر اور کبھی کبھی پہلی قدم بوسی ہی میں میرا ہاتھ پکڑ بیہ التجا بارگاہِ ایزدی میں فرماتے۔ اور آخر ایام میں تین مرتبہ تکرار آیت شریف فرماتے۔ آخر ذیقعد ۱۳۱۷ھ میں حاضر ہوا۔ آپ کی طبیعت مبارک نہایت کمزور تھی۔ آپ مالش کر رہے تھے۔ دو نو چار پائیوں میں فاصلہ ذرا زیادہ تھا۔ آپ نے ہاتھ مبارک بڑھایا اور فرمایا۔ چار پائی بہت دور رکھی گئی ہے۔ پھر فرمایا ”حوالہ بخدا؛ سبحان اللہ؛ آپ کی نگاہ محبت میرے سر و چشم کو بوس رہی تھی اور میری نگاہ نیاز آپ کے قدموں کے بوسے نے رہی تھی۔ یہ وہ کیفیت ہے جو نہ زبان پر آسکتی ہے نہ قلم پر۔“

نہ بھولا ہوں نہ بھولوں گا حشر تک میں کبھی دل سے  
مڑے جو جوارے قاتل اتیری تلوار میں آئے؛

۳۰۳ ابتداءً تو مجھے آپ کی اس دعا کا پتہ نہ معلوم ہوا۔ لیکن دوسری تیسری مرتبہ یہ راز خود بخود دل پر کھل گیا کہ اہل بیت کی شمولیت کا فخر الحمد للہ حاصل ہو گیا۔ اکثر بزرگانِ سلف کا یہی طریقہ چلا آیا کہ جس کو تلقین فرماتے۔ پہلے اُس کو اپنی فرزندگی میں لینے چنانچہ رشتہات میں جا بجا اسی طرح مذکور ہے۔ آپ کا بھی یہ دستور بعینہ تھا۔ بات بات پر فرماتے کہ ”اپنوں سے تو یہ نہیں کہا گیا“۔ ”اپنوں کے لئے تو اجنبیت نہیں“۔ چنانچہ ذکر گذر گیا۔ کہ جب میں نے مسجد میں اعلان سنا کہ آپ کو خطوط کے ذریعہ تکلیف نہ دی جائے۔ کیونکہ فرصت کم اور نظر مبارک اور دماغ مبارک کمزور، تو میں نے بھی کوئی عریضہ آپ کی خدمت میں روانہ نہ کیا اور حاضر ہونے ہی وجہ دریافت فرمانے کے بعد قاری صاحب فرمایا۔

”کہ اپنوں کے لئے تو یہ نہیں کہا گیا“

۱۱ آیت سے مراد ”أَفْوَضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ“ (ترجمہ: میں اپنے اس مقصد کو خدا کے حوالے کرتا ہوں)

۱۲ اول تو یہ آیت اپنی خاص نسبت کی کسی خاص شے کو اللہ کے سپرد کرنا۔

دوم تین مرتبہ ایک کلمے کو دہرانا سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۱۳ اللہ کے حوالے۔ اگرچہ یہ جمد عام استعمال ہوتا ہے لیکن اولیاء اللہ اسے جب استعمال کریں

تو معانی خاص ہو جاتے ہیں۔

۱۴ محبت کی نیاز اور محبت میں جدائی کی کیفیت کا بیان کیا خوب ہے۔

۱۵ کامل مرشد اپنے غلمیں کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں اور جسمانی اولاد بیشک مادی درجہ پاتی ہے۔ لیکن روحانی اولاد

روحانی درجہ حاصل کرتی ہے۔ مولانا جامی کی کتاب ہے جو لہٹوف کے حقائق پر مشتمل ہے۔

۳۰۴ پہلی حاضری پر جب واپس روانہ ہوا تو حاجی صاحب کو میرے ہمراہ موٹر پر بیٹھانے کے لئے روانہ فرمایا اور کرایہ موٹر بھی عنایت کیا۔ میں نے ہر چند حاجی صاحب سے عرض کی کہ آپ تشریف لے جاویں۔ لیکن انہوں نے فرمایا کہ آپ دریافت فرمائیں گے تو میں کیا کہوں گا۔ موٹر چلنے کے بعد جاؤں گا اور آپ کو اطلاع کروں گا۔

۳۰۵ دوسری بار حاضر ہوا تو عشا کے وقت رحمت کے لئے طلب فرمایا۔ قاری صاحب بھی موجود تھے۔ پہلے کچھ دیر آپ مراقبہ رہے۔ زراں بعد چپکے سے میری چادر کا دامن پکڑ کر کچھ باندھنے لگے۔ میں نے معذرت کی۔ فرمایا کہ اب کے تو جانے دو۔ پھر نہ سہی۔ لیکن میں برابر معذرت کر رہا تھا۔ اتنے میں قاری صاحب بولے کہ حضور کی جس طرح مرضی ہے اسی طرح خوشی سے تم قبول کرو۔ مجھے اس سے سخت ندامت آئی کہ نذر و نیاز تو پیش نہیں کی۔ اللہ باندھ لے چلے۔ مگر خیال تھا کہ ایک دو روپے ہوں گے تبرک ہی سہی۔ لیکن بوجہ ندامت دو دن تک کھول کر نہ دیکھا کہ کیا ہے۔ آخر مجھے خیال آیا کہ کہیں گرہی نہ جائے۔ میں نے دیکھا تو ایک نوٹ دس روپے کا شکن دے کر ایک روپے کے برابر کر لیا گیا۔ اور ایک روپیہ۔ ایسا حیران کہ کیوں نہ اسی وقت دیکھ لیا۔ اور آپ سے معذرت کرنا۔

۳۰۶ اس کے بعد بھی کئی بار کرایہ موٹر حاجی صاحب کو آپ دے دیتے اور حاجی صاحب عین وقت روانگی میرے حوالے فرماتے۔ آخر میں نے حاجی صاحب سے التجا کی کہ مجھے اس سے سخت صدمہ ہوتا ہے کہ لنگر کی خدمت تو ہم سے قبول نہ سہی۔ لیکن اللہ ہم نقصان بھی لنگر کو دیں تو ہماری کتنی برائی اور رسوائی ہے تب جا کر میری عرضی منظور ہوئی۔

۱۔ مرشد کی بڑی عنایت توجہ ہے۔ اگرچہ وہ ہر آن مرید کو پہنچتی ہے تاہم ارادہ اور کوشش

سے جو توجہ ہوگی وہ کچھ اور ہوگی۔ مرید کے طرفِ کامل کی فردت ہے۔

۲۔ تبرک کے لفظی معنی برکت حاصل کرنا ہے۔

اور بزرگوں سے نسبت رکھنے والی ہر چیز با برکت ہوتی ہے۔

اس لئے اس کا جو حصہ بھی جس کے پاس ہوگا موجب برکت ہوگا۔

۳۔ اگرچہ رزق منجانب اللہ ہوتا ہے لیکن اسباب ظاہر بھی ذریعہ ہیں۔

بزرگوں کا لنگر خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس چلاتی ہے تاہم مریدین کا لنگر کی خدمت کرنا لنگر

کے لئے ایک ظاہر سبب بن جاتا ہے۔

کریم النفسی کی ایسی پاک مثال زمانہ حاضرہ میں کہاں ملتی ہے۔ موجودہ وقت کے بزرگوں میں یہ صفت کہاں خواہ وہ عورت ہوں یا قطب۔

۳۰۶ زان بعد کئی بار میں نے اپنا نذرانہ حاجی صاحب کی معرفت پیش کیا۔ لیکن کبھی منظور نہ فرمایا۔ بلکہ آپ فرمانے کہ ان کو دیں نہیں تو لیں کیونکہ، وہ گھر بھی ہمارا یہ گھر بھی ہمارا۔  
۳۰۸ الغرض شعبان ۱۳۲۵ھ کو میں حاضر ہوا۔ تو میرے پاس کئی سو کی رقم تھی جو کہیں سے مل گئی تھی۔ میں نے موقع کو غنیمت سمجھا کہ نہ تو قرضہ لیا گیا۔ نہ لوٹ گھسوٹ کا مال ہے۔ آپ ضرور آپکے قبول فرمائیں گے۔ موقع لے کر بالا خانہ پر حاضر ہوا۔ صرف ایک خادم میاں ابراہیم صاحب حاضر تھے۔ میں نے چپکے سے ایک سو کا نوٹ آپ کے زانو مبارک کی طرف سرکا دیا۔ لیکن آپ تاڑ گئے۔ ہاتھ مبارک سے پکڑ لیا اور کھول کر ملاحظہ کیا۔ اس کے بعد میری طرف بڑھا کر فرمایا کہ لے لو۔

۳۰۹ میری آنکھیں پہلے ہی نیچی تھیں اور شرمندہ تھا۔ آپ کے اس کہنے نے میری آتشِ محبت پر تیل کا کام دیا۔ میرے آنسو پھوٹ آئے۔ اور ساون گھٹا (برکھارت) کی طرح برسے لگے۔ لیکن میں نے ہاتھ نہ بڑھایا۔

۳۱۰ اور زبان سے بے اختیار کہتا جاتا تھا۔ قبول فرمائیے آپکے تو آپ منظور فرماویں۔ لیکن آپ بدستور انکار فرماتے رہے۔ اور جھٹ جیب میں ہاتھ ڈال کر کئی نوٹ نکال لئے۔ ایک نوٹ اور ایک روپیہ لے کر میرے ہاتھ دیا کہ زیادہ نہ سہی یہ تو ضرور لے لو۔ ضرور لے لو۔

میاں ابراہیم صاحب نے میری نذر قبول فرمانے کے لئے میری سفارش کی تھی۔

کریم النفسی: فطرۃ سخی ہونا۔ تمام صفاتِ فطرت میں ہوتی ہیں جب کوئی صفتِ خیر تربیت پا جائے تو اس کا کمال ظاہر ہو جاتا ہے۔ ولایت اور سخاوت میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ولی اللہ سخی ہوتا ہے۔  
مخلص مرید دل کا نذرانہ پیش کرتا ہے۔ امد قلباً ہر چیز شکر بان کرتا ہے جس کے نتیجے میں مرشد کامل کی روحانی برکتوں کے ساتھ ساتھ مادی شفقتیں بھی مرید کے لئے وقف ہو جاتی ہیں۔

محبت اگرچہ خود رقت ہے۔ تاہم مجرب کی بعض ادائیں کھا جاتی ہیں اور محبت کے دریا میں طوفانی لہریں اٹھتی ہیں۔ (یعنی محبت کی آگ بھڑک اٹھی)۔

میاں محمد ابراہیم قصودی رحمۃ اللہ علیہ جو حضور اعلیٰ بریلوی خواجہ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور حضرت میاں صاحب کے دوست اور مہتمم علیہ۔ آپ عزیز معرفت کے مصنف ہیں پہلے بیان ہو چکا ہے۔

لیکن کارگر نہ ہوئی۔ مگر یہ معلوم نہ تھا کہ اس ماہیہ نازہستی کی کریم انفسی کی اتنی بلند پروازی ہے کہ ہمارے خیال میں بھی نہیں۔ آخر اصرار و انکار کی نوبت مبالغہ تک پہنچ گئی اور مجبور ہو کر میں نے آپ کے ہاتھ مبارک کے دئے کو مٹھی میں لے لیا۔

۳۱۱ اسی کشمکش میں آپ نے فرمایا ”کہ ہندو بھی تو فرزند قبول کردہ کے گھر سے پانی نہیں پیتے۔ ہم مسلمان ہو کر کھلا کیونکر یہ اٹھا لیں۔“

سبحان اللہ یہ ہے یگانگت۔ یہ ہے تعلق ذاتی اور محبت ذاتی اور یہ ہے اخوتِ مبنی۔ یہ ہے رشتہ طریقت اور تفسیر من لکم یرحمہ صغیرنا فلئیس منا۔

۳۱۲ کیا کوئی اب ایسی مثال ہے جس سے میں اپنی اشک شونی کر سکوں اور وہ گلاب کہاں جس سے میں اس گل کی بوسونگھ سکوں۔ رومی علیہ الرحمۃ تو فرما گئے۔ سے بوسے گل را از کہ یا ہم از گلاب

لیکن گلاب کہاں ؟

۳۱۳ اس کے علاوہ کئی بار حاجی صاحب کی معرفت میں نے اپنی نذر قلیل پیش کی۔ لیکن ہر بار ہی واپس لاتے۔ اور فرماتے کہ حضرت قبلہ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں۔ کہ اس کی ضرورت نہیں۔ ان کا ہمارا تعلق کچھ اور ہے۔ لین دین میں کیا رکھا ہے۔

۳۱۴ لیکن دوسری طرف نظر اٹھا کر دیکھئے۔ جب کبھی میں حاضر ہوتا۔ وقت نا وقت۔

آپ اطلاع پانے پر فوراً نیچے تشریف لاتے۔ کھوڑی دیر مراقبہ کے بعد سفر کا حال باہیں الفاظ دریافت فرماتے تھے کہ گھر سے کب چلے، کتنے دن ہوئے، کہاں پھیرے۔ کس راستہ آئے؟ اگر سفر یک روزہ کر کے خدمت میں حاضر ہوتا۔ تو نہایت ہی خوش ہوتے ایک دو بار

۱۔ انسانی صفات اعلیٰ ہر جگہ پھیلی پڑی ہیں حکمتِ علمی اور حکمتِ عملی کی جو چیز جہاں سے ملے وہ مومن کا وراثہ ہے۔ غیرت ایک اعلیٰ جوہر ہے۔ متبئی کے گھر سے کچھ نہ لینا۔ یہ اس لئے کہ کہیں یہ گان نہ پیدا ہو کہ متبئی فطرتِ انسانی کی تکلیف کے لئے نہ بنایا گیا تھا بلکہ ذاتی خدمت کے لئے یہ کام ہوا تھا۔ اور غیرت بلند اس کو قبول نہیں کر لی۔

۲۔ ترجمہ: جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے پوری حدیث شریفین یہ ہے سن لکم یرحمہ صغیرنا فلئیس منا۔ (جس نے ہمارے بچے کی عزت نہ کی اور جس نے ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔)

۳۔ پورا شعریں ہے۔ چونکہ گل رفت دگلستان شد خراب۔ بوسے گل را از کہ جویم از گلاب

ترجمہ:۔ جب موسم گل چلا گیا اور باغِ خرابِ حالت میں ہو گیا تو میں پھول کی خوشبو کہاں سے حاصل کروں۔ ہاں گلاب سے یہ خوشبو مل سکتی ہے۔ (بقیہ صفحہ ۱۲۱ پر)

بلا رفیق حاضر ہوا۔ تو نہایت ہی خوش ہوئے۔ فرماتے کہ انسان اکیلا آیا (اکیلا ہی جائیگا) اکیلا ہی آنا جانا اچھا ہے۔ لیکن زیادہ موقعہ کی تنہا حاضر ہونے کا نہیں ملا۔ تاہم کبھی ملال نہ فرمایا۔ کیونکہ اکثر میں سفر میں بیمار ہو جانا تھا اور رفیق کے سوا سفر نہ کر سکتا۔

۳۱۵ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ رفیق یا خادم سے بھی وہی سلوک فرماتے جو اس کے ساتھی یا مخدوم سے کرتے۔ کھانا ایک دلاتے مصافحہ ایک جیسا کرتے۔ اکٹھا کھلاتے اکٹھا پلاتے بلکہ توجہ تک برابر فرماتے۔ چنانچہ اکثر احباب یہ موقعہ تلاش کر کے میرے ہمراہ ہو جاتے۔ چنانچہ پہلی توجہ پر ہی میاں دوست محمد صاحب کا کام بالآخر فرما دیا۔ جس پر مجھے خود رشک آتا تھا۔

۳۱۶ پنجاب بھر میں یہ صفت گم ہے کہ خادم مخدوم کے ساتھ ایک سلوک کیا جائے۔ البتہ افغانوں کی تہذیب اور مہمان نوازی اتنی بلند ہے۔ کہ خادم مخدوم سے ایک سلوک کیا جائے۔ لیکن حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تمام اوصاف چوٹی کے اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیے تھے۔ اور وہ اس صفت خاصہ میں نہایت امتیازی درجہ رکھتے تھے۔

۳۱۷ ہمیشہ مجھے الگ کھانا دلایا جاتا۔ جس میں خاص لوگ شامل ہوتے عام طور دسترخوان

پر دو قسم کے گوشت ہوتے۔ اور کھانا کھلانے کے لئے اکثر اوقات حواص سے سرفرازی بخشی جاتی۔ اور رخصت کے دن تو خاص بالا خانہ پر نہایت مکلفانہ دعوت فرماتے۔ اور اکثر اہتمام بنفس نفیس فرماتے باوجودیکہ چائے کو پسند نہ فرماتے۔ کہ قرنگی تہذیب کا گوارا ہے۔

تاہم دعوت میں چائے کی دیگچی گھر سے لاتے اور بڑے پیالوں میں عنایت فرماتے۔ پرچ پیالی کو کبھی استعمال نہ فرمایا۔

(ماشہد بقیہ صفحہ ۱۲۰)

۴ حقیقی نسبت اور کامل تعلق کے حصول کیلئے ظاہر کے تکلفات ضروری ہیں۔ اگر حقیقی تعلق قائم ہو جائے تو یہ کائنات کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تاہم نذر نیاز اور تحفہ تحائف محبت کو بڑھاتے ہیں۔

۵ یہ مراقبہ صورت میں تو مراقبہ ہے لیکن دراصل سالک کو توجہ دینا ہوتا ہے تاکہ راستے کی پراگندگی دور ہو جائے۔ میرے قید و کبر حضرت مرثدہ دام ظلہ کا بیٹہ ہی دستور مبارک ہے کہ حاضری پر تھوڑی دیر مراقبہ صورت میں ہو جاتے ہیں جس سے طبیعت یکسو ہو جاتی ہے اور پھر دریافت حال فرماتے ہیں۔

۶ ایک روزہ سفر سے دوسرے مقاصد و مواقع مقصد اعلیٰ کے راستے سے ہٹ جاتے ہیں اور اصل مقصود ہی کے لئے سفر ہوتا ہے۔

۳۱۸ آپ کو فرنگیانا تہذیب سے سخت نفرت تھی۔ اور ہر نئی چیز کو بدعت خیال فرماتے نہ ان وہابیوں کی طرح۔ کہ نیک امور اور دینی معاملات اور عبادات میں تو بدعات کا انبار لگا دیتے ہیں کہ تسبیح بدعت ہے چٹائی بدعت ہے۔ حوض بدعت ہے۔ مینار بدعت ہیں۔ مسجد کی موجودہ صورت بدعت ہے۔ پابریہ مسجد میں داخل ہونا بدعت ہے جو تے کے بغیر نماز ادا کرنی بدعت ہے لیکن تمام دنیاوی امور، دنیاوی امور کیا۔ بلکہ دینی امور میں سوائے نماز باقی بدعات کی کچھ پروا نہیں۔ نہ بدعات افعال کی نہ اقوال کی۔ نہ لباس کی نہ مکان کی۔ لاکھوں فیشن موجود۔ لیکن بدعت کا کہیں نام نہیں آتا۔ مگر آپ تھے سچے عاشق سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ کے سچے فرمانبردار ہر نئے فیشن نئی طرز کو آپ برا جانتے تھے۔ چنانچہ ایک روز بالاخانہ پر آپ تشریف رکھتے تھے۔ اور باتوں باتوں میں فرمانے لگے۔

۳۱۹ کہ ایک دوست کو میں نے ایک ایسی دیگی لانے کے لئے کہا۔ اس نے کہا کہ تمام لاہور میں ایسی نہیں ملی۔ میں نے حیران ہو کر سب دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس کا فیشن نہیں رہا۔ البتہ ایک معمولی سی دیگی تھی۔ وہ میں نہیں لایا۔ وہ بے ڈھبی سی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ ہمیں فیشن سے کیا۔ وہی لے آ۔ چنانچہ وہ لایا۔ اور بہت سستی بھی مل گئی کیونکہ اس کا فیشن نہ تھا۔ اور کوئی اسے خریدتا نہ تھا۔ آپ حسب عادت تبسم بھی فرماتے اور کہتے جاتے۔ واہ فیشن کو کیا کرتا ہے۔ ہمیں تو کام لینا ہے۔ البتہ فیشن سے خارج اشیا ہمیں سستی مل جاتی ہیں۔ اور خادم سے کہا لاؤ ان کو دکھاؤ کہ اس میں کیا قباحت ہے۔

- ۱۔ انگریزوں نے پاک ہند میں ڈیڑھ سو سال حکومت کی اور اسلام دشمنی کے بڑے بڑے قیوت دئے۔ اس کی انگریزی تہذیب نے اسلامی تہذیب کو سخت نقصان پہنچایا۔
- ۲۔ سنت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل اور ہر حکم کا نام ہے اور بدعت، سنت اور تقاضے سنت کے خلاف کام کرنے کو کہتے ہیں۔
- ۳۔ افعال کی بدعتیں، مثلاً۔ طرح طرح کے اونٹنی نئی قسم کے کھانے کھانا۔ لباس اپنی مرضی کے پہننا اور نسب دی ترقی کے لئے اپنی مرضی کے مطابق ہاتھ پاؤں ماننا۔ یہ سب بدعت کے فعلی معنوں کے لحاظ سے اسی مفہوم میں داخل ہیں۔
- ۴۔ سنت کا عشق، یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر عادت حضور کے ہر کام کا عکس دنیا میں دیکھ کر خوش ہونا۔ حضرت میاں صاحبؒ لباس، خوراک شکل و صورت میں ہر آنے والے سے بگڑے ہوئے مسلمان سے سنت کی پیروی دیکھنا چاہتے تھے۔
- ۵۔ ترجمہ: سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہیں۔ پھر وہ جو ان کے قریب ہیں۔
- ۶۔ قباحت۔ بُرائی۔

لیکن برابر تقسیم زیر لب تھا۔  
۳۲۰ مقولہ مشہور ہے۔ ہر جا کہ گل است، خار است۔ اور اس کے مطابق تمام بزرگوں

کی خدمت میں کوئی نہ کوئی سخت طبیعت خادم ہوتا ہے۔ جو آنے جانے والوں کے لئے

باڑ کا کام دینا ہے یا کانٹا بن کر نشتر کا شگاف کسی دل پر کر دینا ہے تاکہ مواد فاسد  
(خود می تکبر وغیرہ) خارج ہو جائے اور حکیم روحانی کے آنے سے پیشتر غلیظ مادے نکل جائیں  
تاکہ اسے زیادہ دقت نہ ہو اور آتے ہی مریم محبت رکھ کر چاق چوبند کر دے۔

۳۲۱ ہمارے حضرت کا دربار بھی اس کلیئہ رحمانی سے خالی نہ تھا۔ ایک بار میں بیٹھا تھا۔

اور خادم کھانا کھلا رہا تھا۔ ایک دو آدمی میرے ہم وطن رو شناس بھی حاضر تھے۔ حضور

نے ان کو بالا خانہ پر طلب فرمایا جب وہ واپس آئے تو میں نے خادم سے کہا کہ ان دونوں

نے کھانا کھانا ہے۔ خادم نے ان سے دریافت کیا تو وہ سمجھے نہیں یہ انہوں نے سر ملایا تو میاں

خادم میرے سر ہو گئے اور مجھے بہت کچھ ڈھیٹ بایا۔ کسی لوگ اور میری جان پہچان والے

بھی تھے۔ اس وجہ سے مجھے سخت غصہ آیا۔ ندامت بھی ہوئی۔ اور یقین بھی تھا کہ انہوں

نے کھانا نہیں کھایا۔ لیکن خاموش اندر ہی اندر کڑھنا تھا۔ کہ یہ کیسا بے مروت انسان ہے۔

۳۲۲ اتنے میں خواجہ دین محمد صاحب آئے اور میرے سامنے کھانا رکھوا دیا۔ گو میں کھانا تو

کھانے لگ گیا۔ لیکن دل میں فیصلہ کر لیا کہ آئندہ اس کے ہاتھ سے کھانا نہ کھاؤں گا۔ اس خیال

کے آئے ہی۔ ایک منٹ کے اندر حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ ادھر ادھر نظر پھیر کر

مجھے کھانا کھاتے دیکھ کر فرمایا۔ "کہ ان کو کھانا تو اوپر کھلانا تھا۔ کس نے ان کو دے دیا۔ پوچھتے

نہیں۔"

۱ جہاں کہیں پھول ہوتا ہے وہاں کانٹے ہیں۔

۲ انسانی دل میں بعض بے حد غلط اور ناقص مواد موجود ہیں۔ جن کا اخراج ضروری ہے اور وہ اس صورت میں ہے کہ ناقص جذبات  
کے خلاف سامنے آجائے مثلاً تکبر ذلیل ہو جائے دولت کا گھنڈہ خاک میں مل جائے۔

۳ خدائی اصول: یہاں مراد پہلے نشتر پھر مریم۔ پہلے سختی سہی جائے پھر عزت افزائی ہو۔

۴ یہ حضرت اعلیٰ کے دربان اور لنگر کے پاسبان تھے۔ آنے جانے والوں کی اطلاع دینا ان کا کام تھا، فیض پور کے بسنے والے تھے۔

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ندامت سے میرے آنسو بھوٹ آئے اور زباں پر یہ مصرع جاری ہو گیا۔

بہر ایک گل منت صد خار می باید کشید

کوئی گھنٹہ بھر میری یہی حالت رہی۔ اپنی خامی پر نظر تھی کہ کتنا پست فطرت واقع ہوا ہوں  
۳۳۳ کہ سینکڑوں چھوڑ ایک کانٹے کی بھی برداشت ایسے گل کے لئے تجھے نہیں ہو سکتی تو  
تو محبت کا دعوے دار کیسا ہے۔ اور کیونکر منزل مقصد پر پہنچ سکتا ہے۔

۳۲۷ اس کے بعد حضور نے بالا خانہ پر یہی میرا کھانا مقرر فرمایا۔ عین وقت پر صبح کے لئے

بالا خانے پر بلواتے۔ اور اپنے سامنے کھانا دلواتے۔ چنانچہ آخری دن حضرت بابا صاحب  
رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے بھی تشریف رکھتے۔ اور بابا امام دین زرگر اور دوسرے

مولوی دین محمد زرگر بھی موجود تھے۔ دسترخوان بچھا تو حضور قبلہ روحی فدا ہونے تین انگ  
برتن صاحبزادہ صاحب کے سامنے کر دیئے۔ اور بابا جی اور مولوی صاحب کو اکٹھا کر

دیا۔ اور تین برتن نالین کے ان کے سامنے رکھ دیئے۔ اور ان کے دائیں جانب میں تھا

تین برتن میرے سامنے سر کا دیئے۔ اور فرمایا: "یہ دونوں (مولوی جی اور بابا جی) آپس میں

اکٹھے ہو جائیں۔ اور یہ دونوں (صاحبزادہ صاحب اور بندہ) انگ انگ۔" اگلے زمانے

میں اکٹھا کھانے سے برکت ہوتی تھی۔ اور ایک دوسرے کا نیک اثر سرایت کرتا تھا۔

لیکن اس وقت نیک اثر کم ہے۔ "اور بد زیادہ۔" بدی کا اثر ہو جاتا ہے۔ "دینکی کا نہیں

ہوتا۔" اندازہ کیجئے کہ حضرت کا یہ توازن کتنا صحیح ہے اور آپ کتنے باریک بین تھے۔

۳۲۵ یہ واقعہ عین وسط پانچویں سال کا ہے۔ اس کے بعد حضور کی طبیعت بحال نہ رہی۔

۱۔ ایک پھول کے لئے شوکانے کا احسان اٹھانا پڑتا ہے۔

۲۔ فطرت کے جوہر مختلف ہیں مگر تحمل نہایت ہی بیش قیمت جوہر ہے۔ اور چونکہ راہ مولانا جلال کی تلوار بھی ٹک رہی ہوتی ہے اس لئے مبر و تحمل ہی سے  
پر استر طے ہو سکتا ہے ورنہ تو اس دشوار گزار وادی میں چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔

۳۔ محبت اور محنت میں ایک نقطے کا فرق ہے اگرچہ محبت خود بخود ایک محنت ہے لیکن محنت کے راستے کے گنٹے بڑا شت کرنا بھی بڑی محنت ہے فرق یہ ہے کہ محبت  
خود ایک لذت اور دلچسپ محنت ہے اور کانٹوں کی بڑا شت ایک ناگوار اور دردناک محنت ہے اور مجاہدہ کے بعد ہی شاہدہ کا حصول ممکن ہے۔

۴۔ بابا صاحب سے مراد حضرت خواجہ امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت اعلیٰ شرفوری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر مرشد ہیں۔ کوئلہ شریف ضلع شیخوپورہ میں مزار مبارک ہے۔

۵۔ طبائع میں اتحاد اور یگانگت ایک نعمت ہے جب محبت ہو تو ہر چیز میں اتحاد پسند ہوتا ہے۔ لیکن یہی ایک چیز اس دور میں کم ہے اتحاد کم اور اختلاف زیادہ۔

اس لئے کھانے پینے میں بھی اختلاف پسند ہے۔



لیکن عجب یہ ہے کہ اُس خادم کے ہاتھ سے کھانا حضور کی زندگی میں پھر نصیب نہ ہوا۔  
۳۲۶ حضور کا یہ کمال تھا کہ جس طرف آپ کا خیال گیا وہی خدائے تعالیٰ کو منظور ہو گیا۔ جو  
منہ سے بے اختیار یا با اختیار نکل گیا وہی ہو کر رہا۔

۳۲۷ میں اکثر بیمار رہتا تھا۔ اور تاپ تلی (طحال) کی بیماری بچپن سے چلی آتی تھی۔ اسی  
سال بیماری کی وجہ سے چوتھے ماہ کے بعد حاضری اور قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا۔ اتنی جرات  
تو تھی نہیں کہ بلا دریافت حضور کی خدمت میں کچھ عرض کر لینا اور ساتھ ہی جانتا بھی تھا کہ  
بن مانگے موتی ملے مانگے ملے نہ بھیک

۳۲۸ رہ رہ کر خیال آتا کہ حضور کو کسی طرح اطلاع پہنچتی تو میری یہ مصیبت دور ہو جاتی۔  
حسن اتفاق سے احباب سے جب میرا حال دریافت فرماتے تو آپ کے گوش گزار  
ہونا کہ بیمار ہے جب میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا۔ کچھ بیمار رہے ہو؟ میں نے  
عرض کیا کہ جی ہاں! ایک مدت سے بیمار چلا آتا ہوں۔ آپ کو شفقت آگئی۔ فرمایا۔ کیا  
بیماری ہے؟ میں نے عرض کیا کہ تلی۔ آپ نے فرمایا۔ کچھ علاج بھی کیا؟ میں نے کہا۔ کہ  
بہتیرے۔ پھر فرمایا۔ "نوٹا در کیسا ہے؟" میں نے عرض کیا کہ میرا پھیپھڑا کمزور ہے۔ کھٹی چیز  
نقصان دیتی ہے۔ فرمایا۔ "کہ کچھ دوا کر لینا۔ اور پندرہ دن کے بعد مجھے خط لکھتے رہنا۔  
یا عبدالرحمن (حاجی صاحب) کو لکھ دینا۔ ہاں اور لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اپنی صحت  
کے بارے میں لکھنا۔"

۳۲۹ آپ کے اس ارشاد کو اپنے لئے آیتہ رحمت سمجھ کر میں نے عرض کیا کہ اکثر بیماری  
میں گذر رہی ہے آپ دعا فرمائیں کہ اللہ صحت بخشے۔ فرمایا۔ "خود بھی بیمار رہنا ہوں۔"

علا کال ولی اللہ جب اپنے حال میں ہوتا ہے تو اس کی ہر حرکت اور ہر سکون منجانب اللہ ہوتا ہے۔

علا صبر اور برداشت کا وقت ہمیشہ زیادہ تو نہیں ہوتا۔ اور صبر کا نتیجہ کامیابی اور کامرانی ہے۔ اور بے صبری کا نتیجہ

بسا اوقات محرومی ہے۔

علا اطلاع سے رحم و شفقت جوش میں آجاتی اور توجہ فرماتے مصیبت کٹ جاتی۔

علا ولی اللہ کی رحمت اور اس کی شفقت فی الحقیقت حق کی مہربانی ہے جو یہاں عکسی صورت میں ظاہر ہے۔

۳۳۰ بزرگوں سے سنا ہے کہ بزرگ ولی اللہ اپنے کرامات کو اس طرح چھپاتے ہیں جس طرح

عورت اپنے حیض کے چھٹیڑوں کو چھپاتی ہے۔ واقعی ایسا ہے۔ لیکن آبدار تلوار کے جوہر بھلا کب  
میان میں چھپ سکتے ہیں جب سونٹیں گے تو ایک ایک جوہر چمک اٹھے گا اور تمام جوہر ہی جوہر ہو جائیں گے۔

۳۳۱ میری یہ مرض موروثی تھی اور میرے والد علیہ الرحمۃ کو بھی زمانہ طفولیت میں اس نے  
سخت تکلیف دی تھی۔ بہتیرے علاج ہوئے۔ لیکن

مرض بڑھنا گیا جوں جوں دوا کی

آخر سخت نڈھال ہو گئے۔ اور حیاتی سے مایوس، تو حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ نے بارگاہ الہی

میں التجا کی، اور اسی وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری دعا مستجاب فرما کر شفا کلی عنایت  
فرمائی۔ اب کوئی معمولی علاج کیا جاوے۔ چنانچہ اسی دن سے افاقہ ہو گیا۔ اور والد علیہ الرحمۃ

کو پھر یہ عارضہ عمر بھر نہ ہوا۔

۳۳۲ یہ کرامت نہ کہی جائے تو کیا کہی جائے۔ جس کے آج لاکھوں منکر ہیں کہ یہ ایک وہم

ہے۔ مانا کہ وہم بھی کام کرتا ہے۔ لیکن کسی مرض کو کوئی ڈاکٹر کوئی حکیم یہ وہم پیدا کر کے اچھا

تو کر دکھائے۔ اور اتنا جلدی اور اتنی تھوڑی تسلی سے اور اتنے اطمینان سے۔

۳۳۳ جس خادم کا میں نے ذکر کیا وہ روشن دین تھے۔ اور وہ اسم باسمنی تھے۔ خلق تو

وہ تھا۔ لیکن پیر و مرشد کے عکسی نور نے چہرہ کو اتنا روشن کر دیا تھا۔ کہ انسان دیکھتے دیکھتے

تھکنا نہ تھا۔ نہایت براق اور روشن۔

۳۳۴ یہ کسے طاقت ہے کہ صورت کو بدل دے۔ اور اتنا روشن کر دکھائے۔ میں سچ کہنا

ہوں کہ میں ہمیشہ ان کے چہرہ کو دیکھ کر۔ رشک کھاتا تھا۔ اور جانتا بھی تھا کہ صرف نظر مسیحا

۱۔ اولیاء اللہ کی کرامات ان کی عزت افزائی کے لئے قدرت کا عجب کرشمہ ہوتا ہے اور فنا کی کیفیت یہ چاہتی ہے کہ نہ ہم ہیں نہ ہمارا کوئی کمال  
ہے۔ یہ سب اسی کی جلوہ فرمائی ہے۔ خرق عادت نفس اپنی طرف منسوب کرنا چاہتا ہے۔ بس اسی خطرے سے بچنے کے لئے کرامات چھپائی جاتی  
ہیں۔

۲۔ جب بقا کی کیفیت غالب ہوتی ہے اور نفسی خطرات سے نجات مل جاتی ہے تو پھر کرامات کا ظہور از خود ہوتا رہتا ہے۔

۳۔ اولیاء اللہ کے لطیف احساسات آسمانی فیصلوں کا عکس قبول کرتے ہیں۔

۴۔ ولایت کو ماننے والا شرف انسانیت کو ماننا ہے اور جو اس شرف کو نہیں ماننا وہ لطافتوں سے محروم ہے اور کرامت اسباب کی کثافت سے بہت  
بلند ہے۔ اس لئے سفلی جذبات کا حامل کرامت کو نہ مانے تو تعجب کیا ہے۔

۵۔ مسیحا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے جو قوم باذن اللہ کہہ کر مردے زندہ کیا کرتے تھے۔

نے یہ کام کیا۔ ورنہ اور اُد پڑھنے والوں اور مراقبہ نشینوں کی دنیا میں کمی نہیں تھی۔ لیکن وہ  
کہاں اور یہ کہاں؟

۳۳۵ ابتدا میں آپ مجھے زیادہ تر مسجد میں کھڑے کرنے کا ارشاد فرماتے۔ جب کبھی حاضر ہوتا۔  
آپ دیکھتے ہی فرماتے: ”کہ مسجد میں جا کر کھڑو“۔ لیکن جوں جوں میری طبیعت اصلاح پذیر  
ہوتی گئی۔ مکان پر کھڑے کی اجازت بھتے گئے۔ یہاں تک کہ دن بھر مجھے اجازت تھی۔  
کہ نیچے کی منزل میں بیٹھا رہوں۔ اور آپ کی ہر ایک مجلس کا لطف اٹھا سکوں۔ حالانکہ عوام  
سے ایک دفعہ ہی آپ ملاقات فرماتے اور ایک ہی بار کلام فرماتے۔

۳۳۶ ایک بار بالا خانہ پر بلوایا۔ بیٹھتے ہی فرمایا: ”کہ جی تو چاہتا ہے کہ الگ بلوایا کروں  
نیچے اوروں کو بھی فائدہ ہو جاتا ہے۔ اچھا نیچے بیٹھیں میں آتا ہوں“ چنانچہ آپ فی الفور  
تشریف لائے۔ بچے لطف بھی نیچے عام مجلس میں ہوتا تھا۔ کہ آپ سر اسر فور ہی نور نظر آتے  
جو لفظ بھی نکلتا دل کو چیرتا جاتا۔ جو حرکت بھی فرماتے دل میں بیٹھ جاتی۔ جو نظر بھی اٹھتی۔ تجلی  
الہی کی طرح مسحور کر دیتی۔

۳۳۷ دوسری مرتبہ جب میں حاضر ہوا۔ تو آپ کے ہمراہ مکان تشریف جانے کا حسن اتفاق  
ہو گیا۔ آپ نے الگ مکان پر مجھے اور پیر محمد لطیف صاحب کو کھڑا کیا۔ اور اس وقت  
دل پر آوارگی غالب تھی۔ بعد نظر جب آپ مسجد میں تشریف لائے۔ تو بہت سے لوگ  
آپ کے سامنے حلقہ کر گئے۔ آپ کچھ فرما رہے تھے۔ میں بھی موقع کو غنیمت دیکھ کر  
مسجد کے جنوبی دروازہ کے پاس چپکا سا بیٹھ گیا۔ نھوڑی دیر کے بعد آپ کی نظر مبارک  
یک دم مجھ پر پڑی۔ آپ مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

۱۔ اُد پڑھنے سے بیشک چہرہ چمک جاتا ہے لیکن یہاں تو صرف فیض نظر تھا۔

۲۔ مراقبہ سے بھی چہرے صاف ستھرے ہو جاتے ہیں لیکن یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔

۳۔ بخت۔ خدا کی قسم۔

۴۔ تجلی الہی۔ خدا کے نور کی چمک۔

۵۔ پیر محمد لطیف شاہ صاحب فیض پور کے رہنے والے حضرت بابا امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

۳۳۸ آپ کا اٹھنا تھا کہ میرے آنسو پھوٹ آئے۔ اور حیران ہوں کہ آج تک ان کی وجہ نظر نہ آئی۔ کہ کیوں پھوٹے۔

۳۳۹ لاہور میں واپسی پر میں نے بازار میں دیکھا۔ کہ حضور کی دست بوسی ایک شخص نے کی اور وہ بھی بس بازار حیران رہ گیا کہ ہم تو سنتے بھی تھے۔ اور دیکھتے بھی ہیں۔ کہ آپ کسی سے مصافحہ نہیں فرماتے۔ یہاں دست بوسی کیسی! لیکن دل میں خلش پیدا ہو گئی کہ کبھی مجھے بھی یہ دولت نصیب ہوگی۔ کیوں کہ اتنا تو جانتا تھا۔ کہ خواص کے ساتھ الگ سلوک ہوتا ہے۔ اور عوام کے ساتھ الگ طریقہ برتا جاتا ہے۔ اور تمام مشائخ سلف صالحین درجہٴ محبت پر سلوک فرماتے ہیں۔

۳۴۰ ابتدا میں حضور کی ذات بابرکات سے خوف زیادہ دل پر ہوتا تھا۔ لیکن جوں جوں محبت بڑھتی گئی، خوف اٹھنا گیا۔ آخر ایک دن رخصت کے وقت یہ بندہ اور میرا دوست میاں کرم الدین چلنے لگے۔ تو میاں کرم الدین صاحب نے آپ کی دست بوسی کی۔ زان بعد بندہ نے بھی بڑھ کر دست بوسی کر کے شکر پروردگار عالم ادا کیا۔

۳۴۱ آخر وہ وقت آگیا۔ کہ حضور اپنی کمال عنایت سے کسی بار مصافحہ فرماتے۔ اور کئی بار چہرے کو دیکھتے اور آنکھیں ملانے کی کوشش فرماتے۔ گو کہ میری آنکھیں سرنگوں ہوتیں اور خجالت اور زحمت سے آنسو بہاتیں۔

۳۴۲ ایک بار رخصت کے وقت صوفی محمد ابراہیم صاحب سلمہ ربہ اور ان کے چند رفقاء نیچے کے مکان میں موجود تھے۔ حضور تشریف لائے۔ میرے رفیق ہمراہ تھے۔ میاں دوست محمد کے زانو سے زانو ملا کر تشریف فرما ہو گئے۔ کئی بار آپ نے مصافحہ فرمایا کئی بار دیر تک

- ۱۔ غلش سے مراد یہاں محبت اور شوق کی چٹھن ہے۔ اور یہی مثبت خواہشات ہیں کہ ظاہر ہو کر سالک کی پوشیدہ محبت کو بیدار کرتی ہیں۔
- ۲۔ جس کی جتنی محبت ہوتی ہے اتنا اسے اظہار محبت کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر اظہار محبت کا موقع نہ ملے تو محبت میں کمی آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے کامل پیر لطیف باتوں کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔
- ۳۔ محبت غفبی قوتوں کو ختم کر دیتی ہے اور جب اس کا عکس محبوب پر پڑتا ہے تو اس کی سختی بھی نرمی سے بدل جاتی ہے اور خوف تو کلیتہً قوت غفبی کی کارستانی کا نتیجہ ہے۔
- ۴۔ سرنگوں - سر نیچے ڈالے ہوئے۔
- ۵۔ صوفی محمد ابراہیم قصوری - پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

آپ نے ہاتھ پکڑے رکھے۔ میرے آنسو ساون کی گھٹا کی طرح برس رہے تھے۔ آپ کبھی خاموش ہو جاتے تھے اور کبھی نصائح فرمانے لگ جاتے تھے۔ معلوم نہیں۔ بیٹھتے ہوئے آپ نے کتنی بار مصافحہ فرمایا۔ لیکن جب دست بوسی کر کے اٹھتے۔ تو آپ بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ بعد میں پھر میں نے دست بوسی کی۔ پھر بھی آپ کی طبیعت میں جوش معلوم ہوتا تھا۔

۳۲۴ اتنے میں صوفی صاحب کو بھی رخصت فرمایا۔ اور حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اُپر جانے لگے۔ صوفی صاحب کے احباب نے جب دیکھا کہ آج دولتِ مفت لٹ رہی ہے۔ تو وہ بھی مصافحہ کے لئے لپکے لیکن ان کو کیا معلوم کہ یہ کچھ اور سی محبت سے جو ماں کو نیچے پر لوٹا رہی ہے اور بچہ ماں پر بے اختیار بیک رہا ہے۔ یہ فطرتی میلان ہے۔ آخر آپ نے ان کو فرمایا: بس بس۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اور آپ چٹائی سے باہر جوڑا پہننے لگ گئے۔

۳۲۵ ہم دروازہ پر کھڑے تھے۔ کہ حضور کی پیٹھ مبارک غائب ہونے پر چل دیں گے لیکن آپ نے سیر بھی کے دو درجہ پر جا کر پھر اٹھا دیکھا۔ اور پھر جلدی غائب ہو گئے۔

۳۲۶ یہ آخری نظر محبت بھری الوداع تھی۔ اس کا لطف وہی جانتے ہیں۔ جو کبھی اس بھر بے کنار میں ڈوب کر بے اختیار ہو کر کہیں سے کہ عشقِ آسان نمود اول فلے افسا و مشکلا

۳۲۷ پہلی دست بوسی کے بعد پھر تو ہمیشہ رخصت پر دست بوس ہوتا رہا۔ اور آپ نے کبھی بھی خفگی نہ فرمائی۔ بلکہ چہرہ مبارک محبت سے پر ہوتا۔ بسا اوقات حضور نے بیکہ بھی ہوتے۔ چنانچہ آخری سال رمضان سے پیشتر جب رخصت ہوا تو بالاحاقانہ پر پیچھے بیٹھے

۱۔ محبت کی ادائیں محبت کی ادائیں ہوتی ہیں۔ رسم و رسوم سے انہیں کیا تعلق۔ اس لئے یہ اپنا مقام رکھتی ہیں۔

۲۔ اہل محبت سے جو سلوک محبوب روا رکھتا ہے وہ اہل رسوم کا حصہ کہاں؟

۳۔ ایسا سمندر جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

۴۔ محبت ابتدا میں آسان معلوم ہوتی ہے لیکن محبت کی مشکلات بہت زیادہ ہیں۔

بغلگیر ہوئے۔ ✖

۳۴۸ پس ماندہ کی عنایت ایک بار حاضر ہوا۔ تو مولوی محمد صدیق صاحب واعظ

بعد ایک دوسرے رفیق بالا خانہ پر حضور کی چارپائی

کے بالمقابل، دوسری چارپائی پر بیٹھے۔ مجھے بھی طلب فرمایا سامنے ہوا۔ تو آپ نے اپنی نشست

(سند) پھوڑ کر جگہ خالی کر دی اور خود سر ہانے کی طرف سرک گئے۔ اور آپ نے

پاس بیٹھنے کا ارشاد فرمایا۔ گو ادب کا خیال دامن گیر تھا۔ مگر الْأَمْرُ فَوْقَ الْآدَبِ۔

آخر پیچھے گیا۔ مختصری دیر کے بعد چھوٹے صاحبزادے غلام احمد صاحب گھر سے باوا مولیٰ

کا شہیرہ لائے۔ آپ نے نصف نوش فرما کر گلاس میری طرف کر دیا اور فرمایا۔ کہ ایک

دو گھونٹ اس کے لیے بھی رہنے دیں۔ یہ ہماری خبر گیری رکھنا ہے۔

۳۴۹ کیا مجذوبوں کی یہ باریک بینی ہوتی ہے کہ سچے تک کا خیال رکھتے ہیں۔ اور

کوئی سہو بھی واگذار ہونے نہیں دیتے۔ یہ تو عقل کل رکھنے والے بزرگ تھے۔ ان کی

دور اندیشی، باریک بینی وہی دیکھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دل دیا، و ماغ دیا۔

اور بصیرت عنایت فرمائی۔ عامی لوگ کیا جانیں کہ وہ کیلئے تھے۔

۳۵۰ کئی بار پہلی نیاز پر ہی بلا دریافت یہ ارشاد فرماتے۔ کہ مجھے تو ان مع العسر

يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا سے سب کچھ نظر آ رہا ہے۔ اس وقت تو اس اشارہ

کا صحیح اندازہ نہ کیا جاسکا۔ لیکن بعد میں اس کا نصف صحیح نتیجہ (عسر) اپنی آنکھوں سے

دیکھ لیا۔ اور دوسرے نصف (یسر) کی بابت بارگاہ الہی سے پوری اُمید ہے۔

کہ مقبول را، رد نباشد سخن

۱۔ ہم کا مقام ادب سے بلند ہے، یعنی حکم کی اطاعت میں اگر آداب محفوظ نہ بھی ہو سکیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ حکم کا درجہ بالا ہے۔

۲۔ صاحبزادہ غلام احمد صاحب حضرت ثانی غلام اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادہ صاحب جو حضرت ثانی صاحب کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔

۳۔ مجذوب: سادک کے مقابلے کا لفظ ہے حضرت اعلیٰ ثر قوریؒ پر جذب کا غلبہ تھا تاہم سلوک کے کمال کی وجہ سے جزئیات کا بھی خیال رکھتے تھے اور احوال عالم

کا مطالعہ کامل بصیرت سے فرماتے۔

۴۔ مراد مکمل عقل جو جزئیات کا بھی خیال رکھے۔

۵۔ بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے، بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔

۶۔ تنگی

۷۔ اللہ کے مقبول بندے کی باتیں رد نہیں ہوا کرتیں۔

۳۵۱ درحقیقت یہ ارشاد اس کشف عیبانی کی ایک ادنیٰ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو کرامت سنایا تھا۔ کہ آنے والے معاملہ کو بہت پہلے دیکھ لیتے تھے اور بے اختیار آپ کی زبان سے نکل جاتا تھا۔ اور صاحبِ فرست تاڑ جاتا تھا۔ مفصل بیان آگے آئے گا۔

۳۵۲ شرفیور شریف میں زمیندارہ بنک کی بنیاد قائم ہوئی۔ تو آپ کو نپہ لگا۔ یلدار صاحب خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے سخت ڈانٹ فرمائی اور آپ نے فرمایا کہ تم مسلمانوں نے سود کھانے شروع کیے۔ خدا تعالیٰ تمہیں سخت ذلیل کرے گا۔ تم کتے کی طرح بھونکو گے۔

۳۵۳ لیکن دنیا بڑی میٹھی ہے۔ کون رُکے۔ بنک تو قائم ہو گیا۔ لیکن ذیلدار صاحب اور دیگر اراکین بنک پر وہ وقت آ گیا کہ ہتھکڑیاں ان کے لیے آ موجود ہوئیں۔

۳۵۴ عین اسی دن یہ بندہ بھی حاضر تھا۔ کہ جب ڈپٹی انسپکٹر جنرل زمیندارہ بنک ملک فون صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے موقع پا کر ذیلدار صاحب بھی حضور کی خدمت میں رونے لگے کہ آپ سفارش کریں تو سچتے ہیں۔ ایک فرضہ زیادہ ہے۔

دوسرا عین کا الزام سر پر۔

خود حضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے بیان فرمایا۔ ”کبھی کبھی جو کچھ میں منہ سے کہہ دیتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اُسے پورا کر دکھاتا ہے۔“

۳۵۶ میں نے بنک قائم کرنے کے دن ان سے کہا تھا۔ ”کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ کرو۔ یہ تمہارے لیے وبال ہوگا۔“ سو خدا نے ایسا ہی کیا۔ حضور کی طبیعت بھی بشارت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے ذیل کرنے والوں کی تذلیل سے خوش ہیں۔

۱۔ کشف عیبانی۔ حالات و واقعات کو ظاہر دیکھ لینا۔

۲۔ یہ حدیث نعمت ہے اور اکثر اولیاء اللہ خوشی کے وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کو جو کسی کمال کی صورت میں ان پر ہو رہی ہوتی ہیں، بیان فرماتے ہیں۔

۳۔ ”الحب لله والبغض لله محبت اللہ کے لئے اور بغض اللہ کے لئے، جب انسانیت مغلوب ہو جاتی ہے تو اپنی ذات کے واسطے زندہ کسی سے محبت کرتے ہیں نہ عداوت ان کا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہوتی ہے۔“

۳۵۷ شعبان ۱۳۲۶ء کو آپ نے خلعتِ عنایت فرمائی۔ جس میں ایک ٹوپی ایک ستارہ  
ملل۔ ایک کرتہ لٹھے۔ ایک چادر لٹھے۔ ایک تہ بند لٹھے کورا۔ ایک جامنا زکھدر۔ ایک  
درمخوان کھدر شامل تھے۔ اور تمام کپڑے دسترخوان میں بندھے تھے۔ عنایت فرماتے  
وقت یہ فرمایا کہ انھیں پہن لینا۔

۳۵۸۔ اس وقت تو اس کی حقیقت نہ کھلی کہ کیوں یہ عنایت ہوئے لیکن آپ کی مرضی  
میں آکر تمام بات روشن ہو گئی۔ کہ یہ آخری عنایت تھی اور یہ اپنی طرف سے جدائی کا  
آخری پیغام تھا۔

۳۵۹ جہاں تک ناقص عقل ہے۔ قدرت نے جو کچھ دلواپا میں اسی کا مستحق تھا۔ اور  
انہی ہی میری بساط تھی۔ ہر ایک چیز میری آئندہ حالت کا ترجمہ تھی۔ مجھے تمام امور آئندہ  
کی بابت تمام روشنی ہو گئی تھی آپ کی بیماری میں اکثر احباب مجھے حاضری کے لیے  
تاکبہ کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ موقعہ پا کر اپنی بابت عرض کرنا تاکہ حضور کی عنایت  
خاصہ سے ممتاز ہو بیٹھو۔

۳۶۰ گو میں اُن کو زبانی کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ لیکن جانتا تھا۔ کہ جَفَّتِ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ  
كَاتِبٌ۔ جو کچھ بنانا تھا وہ ہو لیا۔ اب گستاخی کے بغیر کیا ہوگا۔

۳۶۱ احباب کے خط آئے۔ حضور قبلہ سخت بیمار ہیں۔ فوراً جا حاضر ہوا جب میری  
اطلاع دی گئی۔ تو آپ نے میری طرف دیکھا۔ صوفی ابراہیم صاحب سلمہ رہے بھی تشریف  
لائے ہوئے تھے۔ آپ نے چار پائی ڈلوالی۔ اور اس پر چادر کچھوائی اور اس پر ہم دونوں  
کو بٹھا دیا پھر آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ کہ تمہارا کیا کرنا ہے۔ میں نے عرض

۱۔ خلعت : لباس کی عنایت۔

۲۔ بعض اوقات قدرت ایسی باتیں کہتا دیتی ہے جن کا انتہائی اخفا مطلوب ہوتا ہے۔

۳۔ خاص مہربانی۔ یہاں مراد خاص توجہ اور خاص ارشاد ہے۔

۴۔ جَفَّتِ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَاتِبٌ : بیشک قلم خشک ہو گئی اس چیز کو لکھ کر جو ہونے والا ہے (حدیث مبارک)

تقدیر مبرم کا بیان ہے۔ کہ ہونے والے تمام امور لوح محفوظ میں لکھ دئے گئے۔



کی بارہ تیرہ روپیہ۔ پھر آپ دیر تک اسی خیال میں رہے۔ روپے طلب فرماتے تھے۔ جو کچھ خادم پیش کرتے۔ وہ آپ رومال میں رکھ کر سر ہانے رکھ چھوڑتے۔ حتیٰ کہ نہایت تکلیف سے اٹھتے۔ اور اندر تشریف لے گئے اور وہاں ہم دونوں کو بھی طلب فرمایا۔ سید نور الحسن صاحب اور دین محمد صاحب بھی آپ کے پاس تھے۔ کچھ نقدی نو نو صاحبوں کے پاس تھی۔ آپ گنواتے۔ لیکن جب آپ کو عرض کیا جاتا تو پھر ہوش میں ایک دو باتیں کرنے کے بعد نڈھال ہو جاتے۔ اور سر کے بل گر پڑتے۔ کچھ وقفہ کے بعد جب ذرا آرام ہوتا۔ تو پھر بدستور آپ گنواتے۔ اور پوچھتے۔ غرض دوپہر تک یہی حالت رہی۔ کوئی چار سو روپیہ کے قریب نقدی اکٹھی کی گئی۔ زان بعد بندہ مسجد میں حسب ارشاد کھانے کے لیے چلا آیا۔ لیکن پھر نربانی حضرت سجادہ نشین صاحب سلمہ ربہ معلوم ہوا۔ کہ یہ روپیہ آپ لوگوں کے دینے کے لیے اکٹھا کیا گیا۔

۳۶۲ گو مجھے صوفی صاحب کی بابت تو اسی وقت معلوم ہو گیا۔ لیکن اپنی ذات کی بابت خیال نہ تھا۔ کیونکہ میرا غلامی دعویٰ تھا۔ اور میں ایک آسودہ حال تھا۔ اور آپ کی دعا سے سب کچھ مہیا بھی تھا۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ خواہ بیٹے کے پاس سب کچھ بھی ہو۔ لیکن پھر بھی باپ کا دل ہی چاہتا ہے۔ کہ بچے کے گھر سب کچھ جائے۔ بچے کا دل خوش ہو جائے۔ بچے اپنے پیارے باپ کی محبت کو اس آخری یاد سے تازہ رکھے۔ سبحان اللہ کیا محبت تھی۔ کیا شفقت پدری تھی۔ میں ہمیشہ احباب سے کہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کی اتنی کامل حکمتیں وسیع اور کثیر بندہ کے حال پر ہوتی ہیں۔ کہ خود بندہ کو بھی اپنے خیال میں ان کا عمر نہیں ہوتا۔ نہ ان کا وہم آتا ہے۔

۱۔ حضرت نور الحسن شاہ صاحب رکار حضرت کیلیانوالا۔

۲۔ شیخ دین محمد یہ حضور کے خاص خادم اور دربان تھے۔

۳۔ روحانی سلسلہ، روحانی سلسلہ ہے لیکن مہربانیوں کا اظہار ظاہراً اگر ہو تو مادی اشیاء، روپیہ وغیرہ سے

چارہ نہیں۔ اور جتنا جس سے اُنس اتنی اس پر شفقت ایک اصول ہے۔

۳۶۳ مدت سے یہی شکایت مجھے رہی کہ اپنے بزرگوں سے کچھ نہ سیکھا۔ لاکن نجر آئے لائبرال اس کی عنایت کاملہ نے اس در دولت تک میری رسائی فرمائی۔ جو باپ سے زیادہ رحیم اور ماں سے زیادہ مہربان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو ہمیشہ اپنے قرب اور جمال میں

مستغرق رکھے۔ آمین اور اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ گو میں کہوں گا تو بے ادبی ہوگی لیکن حق یہ ہے کہ والدین مجھ سے یہ سلوک نہ کرتے۔ ہاں! یہ ضرور ہے۔ کہ ان

بزرگوں کی دعائے یہ دولت دلوائی۔ ورنہ میں کہاں۔ اور یہ دولت لائبرال کہاں۔

۳۶۴ اس کے علاوہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات میں یہ کمال صفت

کھتی۔ کہ بزرگوں کی اولاد سے بہت ہی نیک سلوک فرماتے اور آپ کا دل چاہتا تھا۔

کہ جو کچھ ہے۔ یہ ہی لے جائے۔ لیکن لینے والے کا اپنا حوصلہ جتنا کسی سے ہو سکتا تھا۔

اٹھا لیتا۔ آپ دریغ نہ فرماتے تھے۔

۳۶۵ مرض کی شدت میں بعد دوپہر میاں دوست محمد صاحب میرے ہم وطن آپ کو

پنکھا کر رہے تھے۔ کہ آپ نے آنکھ کھولی۔ آپ کو خیال ہوا۔ کہ محمد عمر ہے۔ پاس بٹھا لیا۔ کچھ

وصیت فرمائی۔ گلے لگایا اور رخصت کیا۔ یہ ماجرا گزار کر میرے پاس آئے۔ اور

کہا۔ آپ کو (مجھ کو) رخصت ہو گئی۔ میں نے کہا کینہ نکر۔ تمام قصہ کہہ سنایا۔ افسوس

ہوا۔ کیوں نہ بلایا۔ لیکن پھر دل کو تسلی دی۔ کہ گویا ہری دولت میاں دوست محمد

لے گئے۔ لیکن درحقیقت خیال کا مرکز تو بندہ ہی تھا۔

گو کئی بار آپ نے رخصت فرمایا۔ لیکن دل تسلی نہ پکڑتا۔ کہ حضور پوری ہوش سے

رخصت فرما رہے ہیں۔ آخر جمعہ کو صبح حاضر ہوتے ہی دوائی پینے کے لیے آنکھ کھولی۔

۱۔ باقی ہے۔ مراد اللہ تعالیٰ کی قسم ہے۔

۲۔ ولی اللہ کی تمام محنتیں قرب الہی پیدا کرتی ہیں اور محسوس قرب شروع ہو جاتا ہے۔ اور بعد موت تو یہی قرب مقصود ہے۔

۳۔ جمال، جلال کی بندہ ہے۔ مراد رحم و شفقت، حسن ازل اور نعمائے جنت۔

۴۔ دعا کے اثرات لازم ہیں اور اپنے اپنے وقت پر ہر دعا اپنا اثر دکھاتی ہے۔

۵۔ یہ اس لئے کہ جب بزرگوں کی اولاد اچھی ہوگی تو ان کا نام بھی زندہ رہے گا اور خود بزرگی پر اعتقاد قائم رہے گا۔

۶۔ مراد وہ شفقت ہے جو حضور نے ظاہراً فرمائی۔

۷۔ چونکہ روحانیت میں خیال کی لطافت ہی کام کرتی ہے۔ اس لئے دور و نزدیک کا سوال نہیں اور ظاہر و پوشیدہ کا بھی

اثر کم ہے۔ جہاں خیال ہوگا وہیں اثرات پہنچیں گے۔

مڑ کر جو سر ہانے کی طرف دیکھا۔ تو خاکسار پر جانظر مبارک ٹکی۔ فرمایا "رخصت جو دے دی تھی۔" پھر میاں دین محمد صاحب نے کہا۔ کہ وہ (بندہ) کہتے ہیں۔ کہ گھر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ اتنے میں آپ نے ہاتھ بڑھائے۔ اور فرمایا "میں تم پر بہت خوش ہوں۔ اور راضی" ایک بار پہلے آئے۔ پھر قاری صاحب وہاں گئے۔ پھر آپ آئے۔ میں تم پر بہت ہی خوش ہوں۔ فخر الدین صاحب پر بھی خوش ہوں۔ آئے تھے۔ اس کے بعد میں نے ہاتھ بوسے اور آخری الوداع لیتا ہوا رخصت ہوا۔

انکھیں مڑ کر دیکھتیں۔ کہ شاید پھر یہ دیدار نصیب ہو؟

۳۶۶ گھر آیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا جملہ کلام مجید میں دیکھا۔ اور اپنے رب العزت کا شکر ادا کیا۔ کہ یہ آخری سعادت تھی۔ یہ آرزو بھی۔ کہ آخری الوداع پر راضی جائیں۔ سو اس کے محض فضل و کرم سے یہ نعمت حاصل ہوئی۔ بعض کتب صوفیہ میں بھی دیکھا۔ کہ اپنے خواص کو انھیں محبت آمیز الفاظ سے آخری الوداع فرمایا گیا۔ الحمد للہ علی ذالک۔ لیکن یہ افسوس کبھی نہ جائے گا۔ کہ قدمبوسی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ بخت۔

عشق ہو مصلحت آمیز نہ تو بے نام ابھی

طبیعت خوف کھا گئی۔ کہ آپ بیمار ہیں۔ شاید میرے اس فعل سے طبیعت ناساز اور بگڑ ہو جائے۔ مگر نہیں اپنی خامی تھی ورنہ وہ سراسر محبت کیوں ناراض ہوتے اور کیوں مشوش۔ لاکھوں ہماری شوخیاں دیکھتے ہوئے آپ تحمل فرمایا کرتے۔ بھلا اس گستاخی پر کیوں گرفت فرماتے اللہ اکبر۔

۱ کیا سعادت ہے کہ مرکز روح کے آخری الفاظ ہیں۔ سبحان اللہ۔  
۲ فخر الدین حضور قسب مرشد مدام نفلہ کے چچا زاد بھائی، جو میرا شریف حضرت میاں احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہوئے۔  
۳ حضرت میاں احمد میروی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیمان ترنسوی کے خلیفہ تھے۔  
۴ اللہ قلے ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔  
۵ محبت اگر وقتی تعلق کی بہتری سوچے تو محبت ابھی نام ہے۔ یعنی نتائج سے بے پرواہ ہو کر اظہار محبت ہو یہی نیت ہے۔  
۶ مشوش۔ پریشان۔

# لغزشات

۳۶۷ انسان لغزشات سے پُر ہے۔ کتنا ہی کوئی احتیاط کرے لغزشیں سامنے آ جاتی ہیں۔ لیکن اگر لغزش کنندہ اپنی لغزش کو دیکھ کر اپنے گناہ کا مُقَرَّب ہو جائے۔ تو لغزش سے بڑھ کر اس نے عنایت کا جامہ پہنا۔

۳۶۸ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام سے قصور تو ہوا لیکن رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ہ کے لطف بھی انھوں نے اٹھائے۔ کس حسرت، کس ندامت، کس پریشانی سے حضور پروردگارِ عالم میں لغزش کی معافی کے خواستگار ہوئے۔

۳۶۹ تاہم لغزش لغزش ہے۔ اور قصور قصور۔ کوئی اسے پسند نہیں کرتا حضور قبلہ مرشدِ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں جب کبھی میں حاضر ہوتا۔ تو سر اسرِ انفعال ہو کر پیش ہوتا۔ اپنے گناہ اپنے قصور اپنی غفلت۔ اپنی بے شعوری اور اپنی کم علمی میرے سامنے ہوتی اور ہر امر میں خالف ہوتا۔ اور جہاں تک ناقص خیال ہے۔ اس عفت کی وجہ سے حضرت کو مجھ پر شفقت تھی۔ ورنہ میری استعداد ناقص تھی۔ محبت جو اس راہ میں شرط ہے۔ وہ بہت کمزور تھی۔ خیالات فاسدہ اور افکار باطلہ میرے خمیر میں تھے غرض کوئی ایسا وصف نہ تھا جس کی وجہ سے توجہ خاص کے لائق ہوتا۔ باوجودیکہ طبیعت انفعالی ہے۔ تاہم بعض امور ایسے سرزد ہوتے جو آپ کی طبیعت پر گراں گزریں۔

۱۔ یہی فطرت بشری ہے کہ لغزش واقع ہو پھر ندامت کے آنسو ہیں اور معافیاں ہوں۔

۲۔ مُقَرَّب: اندر کرنے والا

۳۔ معافی اللہ تعالیٰ کی ایک عنایت ہے جس کا سبب لغزش ہی بنی۔

۴۔ ترجمہ: اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنی جانوں پر آپ ظلم کیا۔ اب اگر تو نے معاف نہ فرمایا اور رحم نہ دکھایا تو ہم خسارے والوں میں ہوں گے۔

۵۔ انفعال: لفظی معنی اثر پذیر ہونا، یہاں مراد ندامت ہے۔

۶۔ یعنی — اثر پذیر ہے اور ندامت والی۔

یہی طبع ہے جو لغزش کے نتائج سے آگاہ کرتی ہے اور انسان متقی بن جاتا ہے۔

۳۶۷-۱۔ دوسری مرتبہ حاضر ہوا۔ تو جمعہ لاہور ادا کر کے حاضر ہوا۔ خیال یہ تھا کہ جمعہ شریف سے پیشتر بھیڑ بھاڑ ہوگی۔ بعد کو موقعہ اچھا ملے گا۔ حاضر ہوا۔ تو آپ نے پہلا سوال جمعہ کی بابت کیا۔ کہ کہاں ادا کیا۔ اس کے بعد بھی کئی بار جمعہ ادا کرنے کے بعد گھر سے روانہ ہو، ہفتہ یا ایوار کو قدمبوس ہوتا رہا۔ گو آپ کو میرا یہ فعل پسند نہ تھا۔ لیکن کبھی اس کے متعلق ظاہر نہ فرمایا۔ مگر جب مرض الموت کی خبر سن کر حاضر ہوا۔ تو بھی ایسے اتفاق ہوا۔ کہ جمعہ کی شام کو مجھے اطلاع پہنچی اور ہفتہ کی شام کو حاضر ہوا۔ آپ

نے حسب دستور دریافت فرمایا: ”کہ جمعہ کہاں ادا کیا“ عرض کیا: ”کہ گھر میں“ فرمایا: ”یہ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں“ لیکن یہ الفاظ اس وقت تک دل پر کھٹکتے ہیں۔ اور جب

تک زندگی ہے۔ کانٹا بن کر چبھتے رہیں گے۔ کاش پہلے علم ہوتا تو تدارک کر سکتا۔

۳۶۸-۲۔ ایک بار ہفتہ کو حاضر ہوا۔ خیال تھا کہ جمعہ کو گھر پہنچ جاؤں گا پنجشنبہ کو میں نے جناب حاجی صاحب سے ذکر کیا، کہ ارادہ ہے کہ جمعہ کو واپس پہنچ جاؤں۔ حاجی صاحب نے گوش گزار کیا: ”تو فرمایا کہ کیا یہاں جمعہ نہیں ہوتا۔ دوسرے دن جمعہ کے بعد حاجی صاحب نے نہ معلوم کیوں پھر اسے دہرایا۔ تو آپ نے سخت جھنجھلا کر فرمایا۔

”جب مرضی ہوگی رخصت دیں گے“ لیکن شکر کہ میں حاضر نہ تھا۔ جناب سید نور الحسن صاحب آئے۔ اور انھوں نے مجھے کہا۔ کہ جمعہ گزر گیا تو اب یہ کہلانے کی کیا ضرورت تھی۔ حاجی صاحب نے بھی تو نہیں سوچا کہ حضور کے سامنے ہوشمندی سے بات کرنی

چاہیے۔ تازک مزاج شاہاں تاب سخن ندادارند

آخر تیرہ دن کے بعد رخصت ہوئی۔

۱۔ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ خود جمعہ مبارک کا وعظ فرماتے اور ہر سالک کی استعداد کے مطابق کھلم کھلتا نصیحت اور توجہات سے نوازتے، دُور دُور سے لوگ جمعہ کی خاطر پہنچتے اور حضور کی خواہش ہوتی کہ خواص و ذرائعین جمعہ شرفور شریف پڑھیں

۲۔ حاجی عبدالرحمن قصوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ بادشاہوں کی نازک مزاجی بات تک کو بھی برداشت نہیں کر سکتی۔

۳۶۹ لیکن اصل اس میں راز یہ تھا۔ حضور کی مرضی تھی کہ صوفی محمد ابراہیم صاحب جو بہار قبلہ جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے اور آپ کے گہرے اور مخلص دوست اور عقیدتمند تھے۔ میری اور ان کی ملاقات ہو جائے۔ تاکہ دونوں ایک دوسرے کو ایک چشمہ پر سیراب ہوتا دیکھ کر شکر الہی بجالائیں۔

۳۷۰ صوفی صاحب ہفتہ کو نشریف لائے اور پیر تک رہے اگرچہ حضرت مرحوم دماغفور نے پہلے ہفتہ کو فرمایا تھا۔ کہ اب صوفی صاحب کے بعد ان کو (مجھے) رخصت کریں گے۔ لیکن اچانک آپ نے دو شنبہ کی رات کو حاجی صاحب سے فرمایا کہ کل دونوں کو اکٹھا ہی رخصت کریں گے۔

۳۷۱ آپ کا معمول تھا کہ اپنے متعلقین کو بیکدم رخصت نہ فرماتے بلکہ یکے بعد دیگرے اجازت بخشتے۔ اور خواص کو تو پورے دن کے وقفہ سے رخصت فرماتے۔ جس کی وجہ یہ تھی۔ کہ رخصت ہونے والے کی طرف پوری توجہ باطنی فرماتے۔ بلکہ رخصت ہونے کے بعد کئی گھنٹے اسی حالت محبت میں آبدیدہ رہتے۔

آہ یہ محبت عامہ ہے جسے صوفی نما لوگوں نے ایک ٹکسالی اصطلاح میں گھڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور جس کا مسیحی اور مفہوم دنیا میں بہت کمیا ہے۔

۳۷۲ میں اس فوری رخصت سے خود حیران تھا۔ لیکن ایک ظاہر وجہ تو یہ نظر آئی۔ کہ شاید دونوں کو ہر فوقی سفر کرنے کے لیے ایسا کیا ہو۔ لیکن پھر بھی آنکھ اس حقیقت کے انکشاف کے لیے بنیاب تھی۔ تاکہ میں نے دریا عبور کیا۔ اور حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ والغفران کے بھانجے اور میرے چچا صاحب گھوڑی پر سوار مجھے

- ۱۷ یعنی قبلہ جان حضرت مرشدنا مظلوم اور صوفی محمد ابراہیم صاحب
- ۱۸ محبت کا خاصہ ہے کہ وہ یک طرفہ نہیں رہتی اور اولیاء اللہ تو محبت کا تخم ہوتے ہیں اور قاسم محبت اس لئے اہل محبت خواص کی جدائی کا اثر کس طرح ان پر نہ ہو۔
- ۱۹ محبت عامہ۔ تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔ یہ ساک کا ایک حال ہے کہ جلوة الہی کا ظہور ہر جگہ نظر آتا ہے۔ اور طبیعت بے اختیار محبت پر اُٹھ آتی ہے۔
- ۲۰ یعنی ایسے ساک جو اس بلند حال کے مصداق ہوں بہت کم ملتے ہیں۔ عام صوفی صرف اصطلاحات کو یاد کر لیتے ہیں۔
- ۲۱ مولوی صوفی غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ ساکن سودھی بالا جو حضرت خواجہ محمد عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور تربیت یافتہ تھے۔

نظر آئے جو بیریل سے رخصت ہو کر واپس گھر جا رہے تھے۔ اب فوری رخصت کی حقیقت کھل گئی۔ چنانچہ مصافحہ کے بعد انھیں پھر گھر لایا اور وہ صلح خاندانی ہوئی کہ جس کی کئی سالوں سے احباب کو خواہش تھی۔ اور یہی خواہان جس کے لیے دست برد رہتے تھے اور خود حضور قبلہ جس کے لیے قلبی ہمت صرف فرما رہے تھے۔ اور بس کاسرا آج بھی آنحضور قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر لٹک رہا ہے۔

۳۴۴ ایسی باتیں کچھ مجھ سے ہی خاص نہیں۔ بلکہ ہر حاضر ہونے والے کو ایسے بہت سے واقعات پیش آئے۔ کہ وہ ششدر رہے۔ کہ کس طرح کس صفائی سے آپ منزل مقصود کی طرف روانہ فرماتے۔

۳۴۵ برادر مہراج الدین صاحب نے جو سفر کشمیر میں بھی آپ کے ہمراہ تھے، بیان کیا۔ کہ ایک بار آپ نے رخصت دے کر فرمایا کہ دو دن گھر رہ کر شاہ صاحب کے پاس حضرت کیلیا نوالے جانا۔ میں نے سوچا کہ کیوں کر ایہ زیادہ خرچ کروں۔ پہلے حضرت کیلیا نوالہ جانا چاہیے۔ پھر گھر۔ لیکن شاہدے سے ٹکٹ لیا۔ تو وہ کسی دوسرے اسٹیشن کا دیا گیا۔ ہر چند میں نے گاڑی میں بیٹھنے کی کوشش کی لیکن کارگر نہ ہوئی۔ گاڑی چلی گئی پھر ٹکٹ بدلوایا گیا۔ لیکن گاڑی ڈاک تھی۔ اس کے بعد حضرت کے فرمان کا خیال آیا۔ تو میں نے کہا تبھی یہ مصیبت آرہی ہے۔ آخر پھر ٹکٹ بدلو کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جب گھر سے نصف میل پر پہنچا۔ تو میری خالہ ہمارے گھر سے رخصت ہو کر اپنے گھر جا رہی تھی۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔ خالہ نے کہا۔ آج دو دن سے تمہارے انتظار کے بعد واپس جا رہی تھی۔ شکر ہے کہ تو بھی آگیا۔ خالہ کو گھر لایا۔ دو دن کے بعد وہ اپنے

۱۔ بل کی قوت؛ تعلق باللہ کی وجہ سے جو نسبت کامل سالک پر قائم ہو جاتی ہے اور اسی نسبت اور توجہ سے لوگوں کی بگڑیاں بنتی ہیں۔

۲۔ مہراج الدین صاحب۔ تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب کے پاس رہے۔

گھر گئی۔ اور میں حضرت کیلیا نوالا آیا۔

۳۶۶ ۳۔ تیسری لغزش یہ ہوئی۔ کہ خیر نوال ضلع گجرات کا ایک موچی جو حضرت قبلہ عالم  
جدا مجد علیہ الرحمۃ کے ہاتھ پر بزمانہ طفولیت بیعت ہوا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر  
ہوا۔ جمعہ کا دن تھا۔ حسب دستور آپ داہنی طرف سے پوچھتے اور بتاتے جاتے۔ آخر  
اس کی نوبت آئی۔ آپ نے دریافت فرمایا: ”کسی بزرگ سے بیعت ہے“ عرض کیا۔  
حضرت بیربل والا سے۔ آپ نے فرمایا: ”تم نے خود انھیں دیکھا تھا“ عرض کیا جی ہاں۔  
فرمایا: ”کچھ فرمایا“ عرض کی ہاں۔ فرمایا: ”یا وہ ہے“ اس نے کہا۔ جی ہاں۔ اس پر آپ  
دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن میں اس کے سوال و جواب پر سخت اندر  
اندر کڑھتا تھا۔ کہ بیوقوف کیا کہہ رہا ہے۔ نہ تو ظاہر شریعت سے آراستہ ہے۔ اول  
نہ باطن تربیت سے پیراستہ۔ پھر یہی کہتا جاتا ہے۔ کہ سب کچھ یاد ہے۔ اور یہی وجہ آپ  
کی بے التفاتی کی ہوئی۔

۳۶۷ حضور شریف لے گئے۔ مجلس برخواست ہوئی۔ باہر نکل کر میں نے اسے بہت  
کچھ سخت سست کہا۔ وہ اپنی جگہ پریشان۔ میں اپنی جگہ شرمندہ۔ کہ اپنا آدمی ہو کر  
خالی جا رہا ہے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ مسجد کے بالمقابل ایک موچی  
کی دوکان پر حلقہ مزے سے پی رہا ہے۔ مجھے بھی طیش آیا۔ میں مسجد کے دروازہ کی بسا  
ط (چھت) پر جا لیٹا۔ اتنے میں اس کا ایک رفیق راہ بھی میرے پاس آ بیٹھا۔ اور مجھے کہا  
کہ فلاں موچی آپ کے خاندان سے تعلق قدیمی رکھتا ہے۔ لیکن آپ نے اس کے لیے کچھ  
نہ کیا۔ مجھے غصہ تھا۔ میں نے کہا۔ یہ ایسے ہی اچھے ہیں۔ دیکھو وہ حلقہ پی رہا ہے۔ اُسے

- |    |  |
|----|--|
| ۱۔ | ضلع گجرات تحصیل پھالیہ میں ایک گاؤں ہیں۔ جہاں حضرت اعلیٰ بیر بلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر<br>مڑیا اور مخلص موجود تھے۔ |
| ۲۔ | بچپن۔ اطمینان اور برکت کے لیے بعض لوگ اپنی اولاد کو بزرگوں کا مریہ کرا دیتے ہیں۔                                     |
| ۳۔ | یعنی کچھ وظیفہ پڑھنے کو بتلایا تھا۔  |
| ۴۔ | کامل کے پاس پہنچ کر اپنی ناقص حالت کو پیش کرنا چاہیے۔ اپنی ظاہر و باطن کی نسبت کا حوالہ<br>نہیں دینا چاہیے۔          |
| ۵۔ | نہ منہ پر دائرہ ہی ہے اور نہ صورت سے شرافت ظاہر ہوتی ہے۔   |
| ۶۔ | اور نہ ہی ذکر و فکر کا نور موجود ہے اور نسبت اعلیٰ کو بدنام کر رہا ہے۔   |



حضور کی خفگی سے شرم تک نہیں آئی۔ موچی جو حقہ پی کر آیا۔ تو رفیق نے تمام ذکر کیا۔ وہ بے چارہ در ماندہ ہو کر چادر لپیٹ کر چھپت پر لیٹ گیا۔ کھانا آیا۔ اسے اٹھایا۔ اس نے کہا دل نہیں چاہتا۔ پھر مجھے دوپہر کو وہ کہنے لگا۔ کہ میں تو واپس جانا ہوں۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ جمعہ تو پڑھ لے۔ اس نے کہا دل پریشان ہے۔ اب یہاں رہنے کو جی نہیں چاہتا۔

۳۴۸ وہ بے چارہ سچا تھا۔ ایک طرف تو حضرت کے اندر کی بیباکی اور پریشانی کا عکس اس پر تھا۔ دوسری طرف میرے الفاظ سے نمک کا کام ہوا تھا۔ کہ ایک زخم دوسرا نمک۔ میرا دل بھی بھرا آیا۔ میں نے اس سے نرم مزاجی شروع کی۔ اور وعدہ کیا۔ کہ کل انشاء اللہ تعالیٰ پھر تمہیں نیاز حاصل کراؤں گا۔

۳۴۹ اگرچہ حضور قبلہ کی خدمت میں دنیاوی دعا کی عرض بہت مشکل تھی۔ اور دعا کا لفظ سن کر آپ سخت پریشان اور آشفتمو جاتے تھے۔ تاہم اپنے نیاز مندوں کی التجاؤں پر پوری توجہ ہوتی تھی۔ ہر نواب خاں جو ہمارے علاقہ کا ایک بڑا زمیندار اور مرتضوی لنگر کا نہایت خدمت گزار تھا۔ اسے ایک زمینداری مقدمہ درپیش آگیا جس کا فریق ثانی ایک بڑا زبردست ٹوانہ تھا۔ مجھے کئی بار اس نے کہا۔ کہ حضرت قبلہ میاں صاحب کی توجہ کے بغیر یہ مشکل حل ہوتی نظر نہیں آتی۔ وہ اسی عرض سے میرے ہمراہ تھا۔ گو میں آپ کی نازک مزاجی سے پورا واقف تھا۔ لیکن اس کی اخلاص مندی اور حضور قبلہ کی نوازش سے بے انتہا کی وجہ سے اسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ اور حاجی صاحب اور خواجہ دین محمد صاحب کی معرفت عرض کی گئی۔ اور ان قدوة السالکین نے بھی اس مخلص کو قدمبوسی سے شرفیاب

کامل شیخ کی ہر ادا منجانب اللہ ہوتی ہے اور عکس ریز حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی حالت پر پریشان ہوئے تو وہ بھی پریشان ہو گیا اور اس کا پریشان ہونا ضروری ہو گیا۔

کامل شیخ فانی فی اللہ ہوتا ہے اور دنیا کی حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے۔ یہ چند روزہ قیام نگاہ ہے۔ گزشتہ اور گذشتہ ہے اور چونکہ کامل کی توجہ قلب اور قلب کی اصلاح پر ہوتی ہے اور یہی ایک چیز باہر کہیں نہیں ملتی اس لئے جتنی زیادہ سے زیادہ توجہ دل کی اصلاح پر دی جائے بہتر ہے۔

ہر نواب خاں حضرت اعلیٰ بربوی رحمۃ اللہ علیہ کا مخلص مرید اور بونگہ تحصیل سرگودھا کا رہنے والا۔ اپنے گاؤں کا نبردار تھا۔

اللہ کار استہ پلنے والوں کا پیشوا۔

فرما کر اس کی تسلی فرمائی۔ بعد جمعہ اس کے لیے رخصت بھی طلب کر لی گئی چنانچہ وہ بعد نماز جمعہ چلا گیا۔

۳۸۰ آپ نے شام کے بعد پوچھا کہ ان کے ہمراہ کوئی آدمی ہے؟ جواب عرض کیا کہ نہیں۔ صبح پھر دریافت فرمایا۔ کوئی ہمراہی ہے۔ عرض گزاری گئی کہ نہیں۔ آپ نے صبح کھانا طلب کیا۔ اور بالاخانہ پر مجھے کھلوا یا۔ اور نہایت محبت سے رخصت فرما کر حوالہ سجا فرمایا۔ اور حاجی صاحب میرے ہمراہ کیے گئے۔ لیکن جونہی میں نیچے آیا۔ اوڑھنوں نے اپنے نازہ رفیق کو دیکھا۔ تو حاجی صاحب کو اس کا ہاتھ دے کر عرض کیا کہ اسے حضور سے شرفیاب کر لائیں۔ میرے ہمراہ یہ جانے والا ہے۔ حاجی صاحب نے بھی میرے کہنے کے مطابق نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ہاتھ پکڑا اور چڑھ گئے۔ حضور بوجہ کمزوری لیٹے ہوئے

تھے۔ آپ کی نظر جو پڑی۔ تو دریافت کیا۔ کہ یہ کیا۔ حاجی صاحب نے عرض کیا۔ کہ اس کے ہمراہ جانے والا ہے۔ پھر کیا تھا۔ حضور سخت بے تاب ہو گئے۔ فرمایا "رات کو بھی پوچھا۔ کہ کوئی ان کے ہمراہ ہے۔ صبح کو بھی پوچھا۔ کوئی ان کے ہمراہ ہے۔ پھر کھانے پر بھی پوچھا۔ کہ کوئی ان کے ہمراہ ہے۔ رفیق راہ ہے۔ لیکن جواب یہی ملتا رہا۔ کہ کوئی نہیں۔ اب میں اسے کیا کروں۔ دسترخوان پر دو روٹیاں بچی تھیں۔ آپ نے ایک اس کے حوالے فرمادی۔ اور ایک اپنے پاس رکھ لی۔ اور فرمایا۔ بھاگ جا۔ یہ بہت کچھ عقیمت جان۔ سچ کہتے ہیں۔"

تھی دستان قسمت را چہ سودا ز را ہبیر کامل  
کہ خضر از آب حیوان نشنہ می آرد سکندر را

تھی دست - خالی ہاتھ -

خضر - حضرت خضر علیہ السلام، بنی اسرائیل کے وقت کے ایک وحانی کامل بزرگ ہیں جو زندہ و جاوید ہیں۔

پیغمبر یا ولی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہی کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ سورہ الکہف میں ذکر ہے۔ (قرآن کریم ۱۷)

آب حیوان - زندگی کا پانی - آب حیات -

سکندر - ذوالقرنین - جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے -

۳۸۱ ایک اس کی محرومی دوسری اپنی بے باکی تیسری حضور کی آشفتنہ ولی اور پریشا  
 خاطر غرض اتنی ندامت ہوتی کہ ہمیشہ پھر نام حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔  
 اور مور کی طرح آنکھیں قدموں پر رہتیں۔ اپنی گستاخی پر ندامت تھی اور میں تھا۔  
 ۳۸۱ الف یہ ندامت محمود ہو۔ یا مذموم۔ لیکن درحقیقت جو ہر انسانی کے جلا کے لیے ندامت  
 سے بڑھ کر کوئی چیز اور کوئی دوا کارگر نہیں۔ بلکہ لطف تو بھی ہے۔ جب مجھ جیسے کو ہر وقت  
 ہر گھڑی ندامت نہ چھوڑے۔ اپنے افعال اپنے اقوال اپنے احوال پر کبھی مطمئن ہونا نصیب  
 نہ ہو۔ اپنی نیکیاں، اپنی بدیاں، تمام کی تمام بدی کی صورت میں نمایاں ہوں۔

۳۸۱ ب لیکن یہ دو کسے ہم جیسے گنہگاروں کو نصیب کہاں۔ یہ کسی بلند بہت انسان کے  
 نصیب ہوتی ہے۔ ایک بار حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز فریضہ ادا  
 کی۔ اور اس کے بعد طبیعت میں اتنا جذبہ ندامت پیدا ہوا۔ کہ آپ نے صوفی محمد ابراہیم  
 صاحب سے فرمایا۔ کہ بھائی! نماز کے بعد میری یہ حالت ہو گئی ہے۔ جو کسی کو زنا کے بعد  
 اپنی رو سیاہی پر ہوا کرتی ہے۔ سننے والے حیران ہو گئے۔ لیکن کسی کو کیا معلوم۔ کہ وہ کس  
 درجہ پر اپنی نماز کی حقیقت دیکھنا پسند کرتے تھے۔

۳۸۱ ج یہ ہے حقیقت ندامت کی۔ ہماری ندامتیں گو کتنی اچھی ہوں۔ لیکن پھر بھی گناہ پر۔  
 گناہ پر ندامت کو کون محمود کہے۔ ہاں کفارہ ہو سکتا ہے۔ اور اچھا کفارہ۔ لیکن سچ یہ  
 ہے۔ کہ کامل ندامت تو رحمت اللہ علیہ کی جان ہے۔

علا عام انسان غمی اور خوشی کے چکر میں رہتے ہیں ان کی ندامت بھی دنیوی فروگذاشتوں پر ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ  
 جن کو قلبی بندیاں عطا فرماتا ہے ان کی بند قوتیں بھی بیدار فرمادینا ہے۔ بلند قوتوں میں ندامت بہت بلند قوت ہے۔ اور بسا اوقات  
 بغیر ظاہر سبب کے اندر ذنی جذبے سے بیدار ہو جاتی ہے۔ ندامت عموماً فروگذاشت پر ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی نیکیوں کی موجودگی میں بھی  
 ندامت آجاتی ہے۔ اور یہ کیفیت رحمت اللہ علیہ کی جان ہے۔

# تربیت ذاتی جلالی

۳۸۲ فَادْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونَهُ پاره دوم رکوع سوم سے آگے پڑھو۔ تو دو آیت کے بعد وَلَنْبَلُوَكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُودِ وَتَقْصِي مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ۔ آتا ہے جس کا صریح مطلب یہ ہے۔ کہ جو کوئی یا دِالہی (سلوک اور مسلمانی) میں پڑتا ہے۔ اس کے لیے ہر موقعہ اور ہر منزل میں امتحانات ہوتے ہیں۔ صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں چلتے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے۔ کہ ہر سالک کے لیے تکالیف (تربیت جلالی) کا آنا ضروری ہے۔

۳۸۳ بہت سے احباب سے سنا گیا۔ کہ وہ کہتے ہیں۔ "کہ جب ہم فقیر صاحب کی خدمت میں جانے لگے۔ یہ تکلیف دور ہو گئی۔ وہ رنج چلا گیا۔ وہ دولت ملی۔ یہ آرام حاصل ہو گیا۔ اور ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ فلاں درجہ، فلاں مقام تک ہم نے سلوک حاصل کر لیا۔" تو حیران رہ جاتا ہوں۔ کہ سنت اللہ کے برخلاف یہ کیا کچھ کہتے ہیں۔

۳۸۴ میرا تو خیال ہے کہ اگر تربیت جلالی نہیں ملی تو وہ سلوک ہی نا تمام ہے۔ لیکن یہ نہیں کہ تمام کو تربیت جلالی ایک قسم کی دی جائے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ جتنی تربیت جلالی زیادہ کھائیں گے۔ اتنا سلوک اور فقر بلند پایہ ہوگا۔

۳۸۵ دیکھو جن بزرگوں نے زنگارنگ مصائب دیکھے وہ کتنی بلند پروازی پر چڑھ گئے۔ اصل حقیقت یہ ہے۔ تربیت کا مدار قدرتِ ایزدی نے سالک کی ہمت اور حوصلہ پر

ملا ایسی تربیت جو قدرتِ سالک کے تکلیفوں میں مبتلا کر کے فرماتی ہے۔ علی پس تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اور تم میرا شکر کرو اور کفران (نعت) نہ کرو۔ ۱۳ ترجمہ آیت: اور ہم تم کو فردا آزمائیں گے (خواہ) کسی چیز سے آزمائیں۔ خوف سے آزمائیں گے اور بھوک دے کر امتحان لیں گے اور مال و متاع کے نقصان سے اور بندوں کی موت سے تمہارا امتحان لیں گے۔ اور پھلوں (ساج اور ثمرات) کو برباد کر کے آزمائش کریں گے (اور بے نی صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیں جن کو مصیبت آئی تو کہنے لگے ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ کا دستور تو یہی ہے کہہ اپنے محب کو گونا گوں تکلیفیں دیتا ہے۔ حیرانی کی بات ہے بعض لوگ محبت بھی بنتے ہیں اور بڑی تکالیف ہر طرح کی کامیابیوں کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ اس راستے میں ناکامیاں اور امتحانات ہیں۔ دنیوی فوائد باطنی فوائد کے ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

۱۴ مصیبت ہمت اور حوصلہ کی کسوٹی ہے جتنی تکالیف لایا خدا میں زیادہ ہوگی اتنا سالک درجہ بلند ہوگا، قدرت نے تربیت کا مدار سالک کی ہمت پر رکھا ہے۔

فان الہمة تبلغ مبلغ الرجال لا المجاہدات (ہمت ہی مرانِ کامل کے مقام پر پہنچاتی ہے صرف مجاہدات نہیں۔)

واللہ تعالیٰ یحب معالی الہم (اللہ تعالیٰ بلند ہمتوں کو دوست رکھتے ہیں۔)

رکھا ہے۔ جو شخص ایک من بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے سر پر دو من بوجھ مالک کہاں رکھتا ہے۔

۳۸۶ پھر صاحبِ ہمت کے ساتھ ہی یہ سلوکِ جلالی روا رکھا جاتا ہے۔ شاہباز کی آنکھیں سی جاتی ہیں اور اسے بھوک دی جاتی ہے۔ نہ کہ کوٹے کی۔ کیونکہ ایک دن اسے بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھانا مقصود ہوتا ہے۔ جب تک وہ یہ محنت اور ریاضت نہ کھائے گا۔ بادشاہ چھوڑ غلام بھی اسے اپنے ہاتھ پر بیٹھائے گا۔ اسی طرح گدھے کو بھی کسی نے ریاضت نہیں دی۔ لیکن گھوڑا ہے۔ کہ گھنٹوں دوڑایا جاتا ہے۔ اچھلایا جاتا ہے۔ بعض وقت جان تک اس کی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ مگر برابر دم نہیں مارنے دیتے۔ کیوں؟ اس لیے۔ کہ کسی دن دنیا میں انمول کہلائے۔ شاہ پسند کرے۔ خلق اللہ دیکھے۔ یہی حالت بندہ خدا کی ہے۔ کہ ریاضت شاقہ دے کر اسے صاحبِ حوصلہ بنایا جاتا ہے بلکہ دنیا کی سب سے بلند مصیبت سے اسے واسطہ دے کر اس کا امتحان کیا جاتا ہے۔ اسی امتحان پر اس کی کامیابی کا دار و مدار ہے۔ اگر حوصلہ ہار گیا۔ تو کوڑی سے بھی گئے اور ہمت بلند رہی، تمام دنیاوی تکالیف زیر کر لیے، اور خود بلند ہو گئے۔ تو تمام دنیا سے کامیاب ہو کر حقیقی مالک کی درگاہ میں جا ٹھیرے۔ دنیا زیر ہو گئی۔ اور خود زبر ہو بیٹھے۔ پھر جو چاہے۔ سو کرے۔ جو مانگے وہ حاضر۔ ہمیشہ کی کھٹن دور ہو گئی اور اللہ علیہم صلوات من ربہم ورحمۃہ واولئک ہم المہتدون کا پروانہ مل گیا۔

۳۸۷ اکثر پست ہمت ذرہ سی تکلیف، ذرہ سی مصیبت پر چلا اٹھتے ہیں۔ اور کیا کرتا

ہر چیز کے حصول اور ہمت بہ بند کے لئے بعض قوتیں مخصوص ہیں۔ فلسفہ کے کمال کے لئے خاص ذہن کی ضرورت ہے۔ فوجی افسر بننے کے لئے خاص ہمت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح قرب خدا کی بندگیوں کے لئے ایک خاص قسم کا حوصلہ ضروری ہے کہ ہر مصیبت کو برداشت کر جائے۔

کامیابی کے درجے کا بیان ہے کہ جس نے تکالیف کو زیر کر لیا خود بلند تر ہو گیا پھر اسے ہر طرح کی کامرانی مل گئی۔ تربیتِ جلالی کے بیان کے شروع میں آیت ولنبلوکم کا اتمام یہ ہے۔ ولنبشرا الصابورین الذین اذا صابتہم مصیبتہ قالوا اناللہ وانا الیہ راجعون اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ واولئک ہم المہتدون ترجمہ: آپ خوشخبری دیں ان لوگوں کو جن پر مصیبت آئے تو وہ کہنے لگیں ہم اللہ کے لئے ہیں اور اس کی طرف جانے والے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمتیں اترتی ہیں اور انہی کو ہدایت کا نور حاصل ہے۔

ہاتھ سے دے بیٹھتے ہیں۔ اور ایسے بھاگتے ہیں۔ کہ پھر قرب و مدارج کا نام تک نہیں لیتے۔

۳۸۸ بچپن میں سنتا تھا کہ اولیاء اللہ ہر وقت تیز تلوار کی نوک پر ہوتے ہیں۔ لیکن ظاہری جاہ و جلال دیکھ کر یہ وہم پیدا ہوتا تھا۔ کہ یہ کس تلوار یا کس نیزہ، کس سولی پر ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں آ کر عقدہ حل ہو گیا۔ کہ قدرت کے مجاری، حکم الہی کی قضا کی تلوار سر پر رکھے ہوئے نجلیات الہی کی سولی پر کھیلتے ہیں۔ جان جائے۔ لیکن اُف نہیں۔ بازو

کٹے لیکن ہاتھ نہیں۔ گھر لٹ جائے۔ لیکن پرواہ نہیں۔ تم کہو گے کہ ساری دنیا قضا و قدرت کے زبردست پنجے کے تھپڑ کھا رہی ہے۔ پھر اُن میں اور ان میں کیا فرق ہے! لیکن غور سے دیکھو تو اتنا فرق عظیم ہے۔ جتنا خدا اور اس کی خدائی میں۔ وہ سب کچھ دیکھتے ہوئے اختیار سے سولی چڑھتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ ہم سے امتحاناً کیا جا رہا ہے۔ لیکن دوسرے گروہ اپنے قدموں خود ٹھوکریں کھاتے ہوئے گرتے ہیں۔ اور نہیں جانتے

کہ کیوں ٹھوکری کھائی۔ اس بھوک اور اس بھوک، اس تکلیف اور اس تکلیف، اس مصیبت اور اس مصیبت میں اتنا فرق ہے جتنا زمین و آسمان میں۔

۳۸۹ سالک کی بھوک امتحان ہے اور اس کی بھوک نتیجہ۔ سالک کی تکلیف تخم ریزی ہے اور اس کی تکلیف برداشتِ فصل۔ سالک کی مصیبت دل لگی ہے۔ اور محبت و مہراؤ اس کی مصیبت قہر و رنج۔

۳۹۰ دشمن کے وار کے اندر تکلیف ہے اور محبوب کے وار میں لذت کیا خوب کسی نے کہا۔

۱۔ یعنی پست ہمت سلوک الی اللہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۲۔ مجاری: جاری ہونے کے مقامات (راستے)

وہ راستے جہاں سے بلیات اور امتحانات آتے ہیں۔

۳۔ یعنی سالک آزمائش میں ہے اور عامی اپنے کئے کی نرا ہیں۔

۴۔ سالک کو تکلیف اور برداشت کا پھل ملنے والا ہے۔

اور عامی کی تکلیف اس کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

۵۔ یعنی محبوب کی محبت کی ایک ادا۔

۶۔ عامی پر اظہار ناراضگی اس طریقے سے کیا جا رہا ہے۔

نہ بھولا ہوں نہ بھولوں کا حشر تک میں کبھی دل سے  
مزے جو جو ارے متائل! تری تلوار میں آئے

۳۹۱ ہر ایک آدمی اپنے مشرب کے مطابق اس ذات جلّ و علا کو جانتا اور دیکھتا  
ہے۔ لیکن سالک تو اس کو اپنا محبوب ہی جانتا ہے۔ اور بس اس کی ہر آواز، اس کی ہر  
شان پر فریفتہ۔ اللہ اکبر۔ جو ہر یا بے ہری اس سے کی جاتے اس میں اپنی سعادت ابدی  
جانتا ہے اور اس سے شاد کام رہتا ہے۔ تلخی، زشتی سب اس سے جدا ہو جاتی ہے۔ وہ  
ایسا ہی یکہ اور جدا ہو بیٹھتا ہے۔ جیسے اس کا محبوب تمام عوارض سے جدا اور پاک  
ہے۔

ہر چہ آید در نظر از خیر و شر

۳۹۲

جملہ ذات حق بود اسے بے خبر

اوست در ارض و سما و لامکان

اوست در ہر ذرہ پیدا و نہاں

افسوس کہ میں اُن خوش قسمت لوگوں سے نہیں۔ جو اول درجہ کے مبروں میں آتے  
ہیں۔ لیکن پھر بھی شکر ہے۔ کہ سرے سے معطل ہی نہیں چھوڑا گیا۔ ورنہ ہمیشہ کا خسراں  
سر پر ہوتا میرا ایمان ہے کہ جو کچھ روارکھا جاتا ہے۔ یہ میری بہتری کے لیے ہے ظلم  
نہیں۔ بلکہ عنایت ہے۔ یہ سختی نہیں۔ بلکہ رحم ہے لیلیٰ نے مجنوں کا برتن توڑ دیا تو وہ ہنسنے  
لگا۔ لوگوں نے کہا۔ مہنتا کیوں ہے؟ کہا! وہ جانتی تو ہے اور محبت کی وجہ سے یہ  
سوگ کیا۔ ورنہ کسی دوسرے کا بھی تو برتن توڑتی۔ آہ سچ کہا۔ اللہ تعالیٰ اسے غریقِ رحمت

۱۔ جب سالک اپنا ہر معاملہ اللہ کی طرف سے دیکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا محبوب ہے تو صَرَبُ الْحَبِيبِ كَيْبُ

محبوب کی ضرب بھی پسندیدہ ہے۔ کے مسداق محبوب کی طرف سے آئی ہوئی تکالیف بھی سالک کو محبوب ہیں۔

۲۔ خیر اور شر کی قسم سے جو چیز بھی سامنے آئے۔ وہ در اہل ذاتِ حق ہی ہے۔ وہی زمین میں ہے وہی آسمان میں ہے

اور لامکان میں ہے۔ وہی ہر ذرہ میں ظاہر ہے اور پوشیدہ ہے۔

۳۔ محبت میں تلخی بھی شیرینی ہے۔

فرماوے۔ عشق اسے ہی کہتے ہیں۔ اور محبت صادقہ اسی کا نام ہے۔

۳۹۳ جلالی تربیت بھی پھر کئی قسم کی ہے۔ ایک وہ جس میں کسی بندہ کو دخل نہیں بلکہ براہ راست مصائب مستط کر دیئے گئے۔ جیسے بیماری اور بھوک۔ دوئم وہ جس میں

واسطہ ہے اور کسی دوسری ہستی سے تربیت کرائی جاتے۔ یہ رتبہ میں بلند ہے۔ پھر اس کے بھی دو قسم ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے۔ کہ غیر سے دکھ اور رنج پہنچایا جائے۔ دوسری وہ کہ یگانہ سے رنج اور تکلیف دلائی جائے پھر یگانے بھی کئی قسم کے ہیں۔ سب سے لطیف تر

وہ تربیت جلالی ہے جو عزیز ترین اور محبوب ترین ہستی سے دلائی جائے۔ جیسے محبوں کو لیلیٰ سے۔ مرید کو پیر سے۔ عاشق کو معشوق سے، یہ تربیت اکسیر محکم رکھتی ہے۔ ہر ایک

کی قسمت میں یہ سودا نہیں ہوتا۔ جو اس تربیت میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ منزل مقصود پر آنا فانا جا پہنچتا ہے حضرت بلکھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی سوزانہ طبیعت ہی اس جوہر

گر انما یہ کے لائق تھی کہ سید ذات ہو کر آریوں کے گھر جانا چے اور زبان زبان پر بلکھا،

بلکھا ہو گیا۔ لیکن شاہ عنایت ہیں۔ کہ آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے آخر منزل پوری ہوئی۔ تو پیر

مرید شیر و شکر سے بھی زیادہ مل بیٹھے۔ حضرت لکھی قدس سرہ کے کئی ایک خلفائے نامدار

تھے۔ لیکن یہ دولت سوائے ہمارے حضرت جہا مجد کے کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ پیر ہے۔

کئی بار برأت نامے (خطوط بیزاری) لکھتا ہے۔ لیکن مرید ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ پراز

اخلاص ہوتا جاتا ہے وہ دہتکار تا ہے۔ تو یہ بڑھتا ہے۔ آخر وہ دن آگئے۔ کہ تمام یگانوں

سے بڑھ کر قرب حقیقی پر جا سجدہ گزارا ہوئے۔ اللہ اللہ اور اپنے پیر سے ہم نوالہ وہم پیالہ

ہو بیٹھے۔ مجازی قرب کے دعویٰ اڑ بیچھے ہے۔

عجب کی طرف سے ہمیشہ ٹھنڈی ہوا پہنچتی ہے اور دل ہمیشہ عنایات کا منتظر رہتا ہے لیکن جب قدرت کو کسی سالک کا امتحان مقصود ہوتا ہے تو قدرت ہی محبوب کی آنکھیں پھیرتی ہے اسباب ہی ایسے بن جاتے ہیں کہ شفقت کی نگاہیں غصہ سے بدل جاتی ہیں پھر محبت کا جواب سختی اور غضب سے جاتا ہے۔ جیسے ماڈرن پائے رفق ایسی حالت میں نہیں کی فراخی تنگ ہو جاتی ہے اور زندگی زہر کا گھونٹ بن کے رہ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں سالک کو تحمل سے کام لے اور رحمت الہی کا منتظر ہے تو پھر مل نہا رکھتا ہے۔ سالک کا کام بن جانا ہے اور پھر محبت کا دیر پھر شروع ہو جاتا ہے۔ حضرت بلکھے شاہ مشہور بزرگ ہیں جن کا غلبہ تھا انکے حقائق اشعار کی صوت میں عام ہیں قصود شریف میں فرار مبارک آیات کا وہ ہیں عوام سے حضرت شاہ عنایت حضرت تھاشاہ کے پیر مرشد ہیں آپ انہیں تھے پیر مرشد ناراض ہو گئے انہوں نے انکو خوش کرنے کے لئے بہت جیلے کئے جن میں ایک جیلہ تھا کہ ایک تیر پیر کے سامنے ناچے پھر حضرت نے ان کی اس نفسی قربانی سے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا (شاہ عنایت کی قبر مبارک لاہور میں چڑیا گھر کے پاس ہے) حضرت غلام نبی تھی آپ حضرت غلام نبی حضوری حضوری کے حلیل لقا خلیل تھے اور ہمارے حضرت خواجہ غلام نقضے رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت علمی باطنی حضرت لکھی نے فرمائی ہے حضرت غلام نقضے رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت عام دیکھ کر بعض حاسدوں نے غلط باتیں کہہ کر حضرت اعلیٰ لکھی کو حضرت ناراض کر دیا لیکن حضرت بیر لکھی پڑی نیازندی سے دعویٰ غلامی پر قائم رہے اور کامل استقامت کا ثبوت دیا آخر حضرت لکھی حقیقت سے آگاہ ہوئے اور پیر مرید باہم شیر و شکر ہوئے۔



۳۹۴ خود حضرت قبلہ مرشد مہم حضرت میاں صاحبؒ کے حصہ میں یہ دولت آئی تھی حضرت  
 بابا سلطان امیر الدین صاحبؒ نے آپ سے برأت ظاہر کی۔ آپ کے اخلاص کو عدم  
 نیاز پر پیر پستوں نے ظاہر کیا۔ پیر و مرشد نے علی الاعلان ناراضگی فرمائی۔ لیکن بندگان  
 نیاز حقیقی کب مٹنے والے تھے۔ پہلے سے زیادہ سرِ اخلاص قدموں پر جا رکھا آخر پیرِ جسم  
 کھا گئے اور ایسے بے تکبر ہوئے کہ دوسرے کی گنجائش نہ رہی۔ رہروان منزل نے اقرار  
 کیا کہ

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق  
 او صبح در رفت و ما در کوچہ ہا رسوا شدیم  
 وَلَدًا الْكَبِيرَ يَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

قدرت حق نے میری فطرت میں سوز کا مادہ بہت کم رکھا ہے۔ اور اس دولت  
 کے نہ ہونے کی وجہ سے میں ابھی تک آوارہ و دشت پریشانی ہوں۔ اگر یہ ایک جوہرِ ولایت  
 میری فطرت میں رکھا ہوتا۔ تو میرے تمام گھاٹے پورے ہوتے۔ لیکن پھر بھی ثنا کر ہوں۔  
 جو کچھ بھی ہے عین مصلحت نامر ہے۔ اس لیے قدرت نے مجھے اس آخری تربیت سے  
 سرفراز نہ فرمایا۔ بلکہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کی تمام توجہ جمالی ہی رہی۔ جیسا کہ کہا گیا۔ اور  
 تربیتِ جلالی (محبوب حقیقی نے) اپنے ہاتھ سے فرمائی۔

۳۹۵ بچپن سے ہی تکلیف اور مصائب اٹھانے کا خوگر کر لیا گیا تھا۔ دادا صاحبؒ کے  
 گزرنے کے بعد چھ مہینے کے اندر ماں نے دامنِ محبت سمیٹ لیا دو سال نہ گزرنے پائے۔  
 کہ زلیخان جوانی میں چھوٹے بھائی زبیر اماں جان کے ملنے کے لیے چلے گئے۔ پھر دو سال گزرے

- ۱۔ محبت کی کتاب میں میں اور مجنوں ایک ہی سبق پڑھتے تھے۔ وہ جنگل میں چسلا گیا اور جسم  
 کلی کوچوں میں رسوا ہو کر پھرتے ہیں۔
- ۲۔ اور اسی کی کسر بانی ہے۔ زمین میں اور آسمانوں میں اور وہ غلبے والا ہے اور  
 حکمت والا ہے۔
- ۳۔ یعنی مصائب آئے، بیماریاں آئیں، جانوں کا نقصان ہوا۔
- ۴۔ شروع جوانی۔
- ۵۔ حضرت قبلہ و کعبہ محبوب الہی مرشدنا معتمد مظلّم کے چھوٹے بھائی صاحبزادہ محمد زبیر صاحبؒ

توجید عالم حافظ محدث حکیم برادر معصوم چلے گئے اور بازو سمیت ٹوٹ گیا۔ پھر والدہ کثیر وغیرہ نے الوداع کہا۔ ازاں بعد تیسرے سال کے اندر حضرت قبلہ والدہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بھی سایہ مہر و محبت اٹھاتے ہوئے پتر والدہ نبرگوار کے نیچے جا کھڑے ہوئے۔ اِنَّا

لِلّٰهِ وَاِنَّا وَاِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ۝

۳۹۲ | رنج و تنہائی سہی لیکن بہل جانا ہے دل  
کچھ تمھاری یاد سے کچھ نالہ و سدا سے

اس رنج و غم کے علاوہ علالت طبیعت نے بھی پورا پورا ساتھ دیا۔ اور جہاں دل سچو غم کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا۔ وہاں جسم بھی اپنی امراض کی وجہ سے کمزور ہو گیا۔ یہ دور اول ہے۔ جس کی تفصیل دکھانا میں ضروری خیال نہیں کرتا۔ اُس کے بعد دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ جو حلقہ غلامی کے بعد سے گنا جانا ہے۔ گو اس کی پوری تفصیل نہیں دکھائی جاسکتی تاہم کسی قدر تفصیل کے بغیر کام نہیں چلتا۔

۳۹۳ پہلی قدمبوسی کے بعد گھر آیا۔ کوئی ایک مہینہ یا دو مہینے گزرے ہوں گے۔ کہ بیمار ہو گیا۔ اور تمام جاڑے بیماری میں گزارے۔ شوال ۱۳۲۳ھ میں دوبارہ حاضر ہوا۔ کسی دن قیام سعادت اندوز رہا۔ اور فیض پور بھی فارسی صاحب حضرت کی لجاز سے لے گئے۔ لیکن راستے میں پیٹ میں خلل ہو گیا۔ اور اسہال شروع ہو گئے۔ اول شرفیور شریف واپس آکر شب کو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعد عشاء بلوایا۔ توجہ فرمائی رخصت کیا۔ لیکن بیٹھے بیٹھے بخار بھی ہو گیا۔

۳۹۴ لاہور سے مجھے بچپن سے محبت تھی۔ دلی بھی رہا تھا۔ اور پشاور کے لطف بھی

۱۔ حضور قبلہ عالم پیر مرشد دام ظلہ کے بڑے بھائی حضرت محمد معصوم صاحب مدظلہ حضور قبلہ عالم کی بیوی پاک، حضرت صاحبزادہ سید صاحب قبلہ عالم کے بڑے صاحبزادہ صاحب مدظلہ جب کوئی ساک لادہ مولائیں ترم رکھتا ہے تو مصائب کا آنا ضروری ہوتا ہے۔  
۲۔ یعنی کامل کی مریدی کے بعد آزمائش اور امتحان کا دروازہ کھل جاتا ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کامل شیخ سے تعلق مصائب سے نجات کی جانب ہے۔ لیکن فی الحقیقت یہ تعلق کھرا کھوٹا جانچنے کا ایک پیمانہ ہے جس نے مہر کیا وہ کامیاب ہو گیا اور جو صبر نہ کر سکا وہ کم ہمت کچھ دکھیل دیا گیا۔  
۳۔ شرفیور شریف سے جذب مغرب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔

۴۔ قادیان بخش صاحب جو حضرت اعلیٰ بیر بلوئی کے خلیفہ تھے اور حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ کے دوست۔

۵۔ میرے قبلہ و کبیر حضرت پیر مرشد (مصنف) مدظلہ العالی تعلیم کے لئے دلی رہے مولینا ذرا احمد صاحب اور مولینا کفایت صاحب سے بھی اپنے علم حاصل کیا۔  
۶۔ پشاور اسلامیر کالج میں سات سال تک حضور قبلہ عالم مدظلہ پیر و فیصل رہے۔ (از ۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۹ء)

اٹھائے تھے۔ لیکن دلی محبت لاہور سے ہمیشہ رہی۔ اور جب سے حضرت کے ساتھ تعلق ہوا۔ تو دل اور بھی مجلا۔ آتے جاتے اب تو لاہور کی سیر ہو گئی۔ احباب سے ملا کریں گے۔ اب کے بھی یہ خیال گھر سے لے کر چلا تھا۔ کہ واپسی پر تین چار دن لاہور میں قیام کروں گا۔ گو بخار ہو گیا لیکن ارادہ میں ترنزل نہ آیا۔ تاہم لاہور تک خیف بخار تھا بلکہ حرات تھی بازار میں داخل ہو کر کچھ خرید و فروخت کی۔ اور دوپہر کو آرام لینے کے لیے لیٹ گیا لیکن سر رکھنا تھا کہ بخار نے شدت پکڑی اور اس کڑا کے کا چڑھا۔ کہ الہی توبہ نہ جائے ماندن نہ پائے نفع۔ اول تو لاہور میں کوئی بار غار تھا ہی نہیں۔ اور جو تھے وہ بھی ملازم۔ نوکری کا معاملہ ہے،

آئے اور گئے۔ پانخانہ ہے تو میری چھت پر، حکیم ہے تو چار محلے چھوڑ۔ رفیق راہ بھی ساتھ نہ تھا۔ کیونکہ حضرت کی خوشنودی اس میں دیکھی تھی۔ غرض جسم میں آگ لگ گئی۔ معدہ پُر از بلغم۔ اسہال شروع۔ تین دن ایسی مصیبت کی ٹکر۔ آخر چل دیا۔ راستے میں آکر ایک اور مصیبت واقع ہو گئی کہ کسی نے میری واپسی کی خبر سنا وہ میں کر دی

بارہ تیرہ آدمی ملنے کے لیے اسٹیشن پر جا پہنچے۔ گاڑی آئی۔ دیر تک تلاش کرتے رہے۔ چلنے لگی تو مجھے دیکھا ایک بد معاش ٹی ٹی نے انھیں کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ اگلے اسٹیشن پر اتر جانا۔ جو صرف چار میل کے فاصلے پر تھا۔ اور خود بھی گاڑی میں ہمارے ہمراہ بیٹھ گیا۔ راستے میں ہمارے دیہاتیوں نے اس کی بڑی عزت کی کھانے کے لیے کچھ پلاؤ دیا۔ وہ کھانا بھی گیا اور میو بھی تیار کرتا گیا۔

۳۹۹ گاڑی میں جو بھلے مانس اس کو جانتے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بد معاش لالہ موسیٰ کا کر یہ لیے بغیر نہ چھوڑے گا۔ لیکن دیہاتی حیران تھے۔ کہ اس نے خود کہا ہے اور یہ

۱۔ نہ ٹھہرنے کی جگہ اور نہ چلنے کے پاؤں۔

(یعنی سخت مجبوری)

۲۔ بھروسہ دوست و نداد کار دوست۔

۳۔ تحصیل پھالیہ میں پھالیہ سے دو کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔

کچھ اس کی تواضع کر رہے ہیں۔ آخر کار گاڑی ٹھہری۔ اس نے اسٹیشن ماسٹر کو میمو  
ریا دواشت) لے کر میرے ملنے والوں کو دکھایا۔

گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے کہ حضرت نے مجھے گیارہ روپے چلتے ہوئے  
دیئے تھے۔ اور میں حیران تھا۔ کہ کیوں دیئے۔ جبکہ ہم اسی قاری صاحب بعد عشاء

عنایت کیے تھے تو اس موقع پر کام آگئے۔ دس روپیہ کا نوٹ انھیں دیا۔ تو ان کی  
خلاصی ہوئی۔ پھر راستے میں ٹکٹ بدلنا تھا۔ اس کے لیے اتنی تکلیف ہوئی کہ الہی  
توبہ! آخر اپنے اسٹیشن پر پہنچا۔ سواری نہ ہونے کی وجہ سے چھتیس گھنٹے گڑا کے کی  
دھوپ جھلستی آگ جیسی ٹوہیں مسافر خانہ ریل میں لیٹا پڑا۔

۴۰۰ لیکن ساتھ ہی نسبت اپنی پوری طاقت میں جلوہ نما تھی۔ ہر آن اس کے تجلیات

اور اس کی نیرنگیاں اس کے مظاہر قدرت آنکھ میں آتے اور جاتے تھے اور میں محو حیرت  
تھا اچانک اپنے گاؤں کا آدمی مل گیا۔ اس نے ایک واقعہ بیان کیا۔ کہ تمھارے فصلات

پر فلاں کس قابض ہونا چاہتا ہے اور یہ تدبیر بنا رکھی ہے۔ غیرت نے جوش کھایا حضرت

قبلہ جدا مجد علیہ الرحمۃ کی روح مبارک کی طرف توجہ اٹھی۔ اور حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ

علیہ کی طرف التجا نے ہاتھ بڑھائے۔ کہ ایسے جد ہوتے اور ایسے پر ہوتے ہماری بیو

ہو دن گزارا تو اسی خیال میں۔ رات گذری تو اسی دھیان میں۔ صبح دریا پر ہزار وقت

پہنچا۔ اور کشتی سے دریا عبور کیا۔ تو سامنے ایک چارہ پائی پر ایک زمانہ نعش و نکھی۔ جسے

گھر لے جا رہے تھے۔ اور بے چاری نے غربت میں جان دی تھی۔ شکر پروردگارِ عالم

کیا۔ کہ زندہ جا رہا ہوں۔ اور کہ میری بھی نعش نہیں جا رہی۔ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
ڈھاک - دریائے جہلم کے کنارے ایک ریلوے اسٹیشن ہے۔ بیربل شریف یہاں سے تین میل جنوب کو ہے رستے  
میں دیا پڑتا ہے۔ تاہم گذشتہ زمانے میں یہی اسٹیشن قریب ترین اور آسان ترین ذریعہ تھا۔ آمد و رفت کا  
اب بیربل شریف جانے والے شاہ پور صدر میں اتریں یا موضع جھاوریوں میں آئیں۔ یہ دونوں مقام بہت قریب  
ہیں سواری مل جاتی ہے۔

۳۷ توجہ الی اللہ کا ایک حال ہے جو بہت بلند کیفیات کا حامل ہے۔ اور یہی حال سالک کے پرواز کے پر بن جاتا ہے۔  
تجلیات : جمع تجلی - روشنی - چمک - جلوہ -

۳۸ اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا، کہ کون سی زمین میں وہ مرسے گا۔

## أَرْضِي تَمُوتُ ه

۴۰۱ گھر پہنچا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ قابض ہونے والے دوست کا لڑکا کل دوپہر کو تقدیراً نالے پر نہانے کے لیے گیا۔ نالے میں چھلانگ لگائی۔ اور گردن ٹوٹ گئی۔ اور مر گیا۔ اس بات سے یہ بخوبی روشن ہو گیا۔ کہ جب نسبت بلند ہو جاتی ہے۔ تو اس کے آثار بھی بلند اور فوری ہو جاتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اس میں صاحب نسبت کا دخل نہیں جو اپنے آپ میں تکبر پاٹے۔ یا اس پر کوئی الزام رکھا جائے یہ نیرنگی تقدیر کا منظر ہے۔ جسے ایک شیشہ شفاف خیال کرنا چاہیے۔ کہ پر تو کا ظہور دکھارنا ہے۔ اور بس۔ گو لوگ ایسے صاحب نسبت کی بابت دور دور تک گمان اور وہم کرتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

الغرض چار مہینے تک، اس بیماری نے طول کھینچا۔ خاص و عام کو میرے مرجانے کا یقین ہو گیا۔ بعض حکماء نے مشہور کر دیا کہ اسے دق ہے اور چار ماہ تک اس کا کام تمام ہو جائے گا اکثر دوست کہنے لگے۔ کہ حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت کا نتیجہ ہے۔ اور عوام میں یہ خیال عام تھا۔ بلکہ بعض خواص بھی ان کے ہمزبان ہو گئے تھے۔ اس کی زیادہ وجہ یہی تھی کہ حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ واقعی ایک غیور ولی اللہ تھے۔ اور جیسا کہ گذر گیا کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہمیں شیشہ اور تلوار عنایت ہوئی ہے۔ اور نفس الامر میں یہ بات ٹھیک بھی تھی۔ کئی آپ کے مرید اور بزرگوں کی خدمت میں گئے۔ تو سخت رحمت اٹھائی اور طرح طرح کی مصیبتوں سے تکلیف پائی۔

علا تعلق باللہ کا ایک حال ہے جو سالک میں آتا ہے اور اندر باہر عجائبات کا باب کھول دیتا ہے۔  
 علا تقدیر کے عجائبات براہ راست آتے ہیں لیکن جب سالک میں نسبت جلوہ گر ہوتی ہے تو سالک کی کرامات بن کر یہی عجائبات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔  
 علا سالک دل تزکیہ پا کر شیشے کی طرح ہوتا ہے کہ تجلیات الہیہ کا عکس قبول کرتا ہے، تقدیر کے ظہور کا سبب بنتا ہے وغیرہ۔  
 علا اس کا کہنا اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ کے بندے کے منہ سے نکل رہا ہوتا ہے۔  
 علا اولیاء اللہ کی طبائع میں مختلف آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ غیرت یعنی غیر مناسب کو ناپسند کرنا اور اپنے تعلق اور لاج کی پاسداری۔ بعض اولیاء اللہ کو یہ خاصیت طبع اتنی نمایاں ہوتی ہے کہ جس کو ناپسند کرتے ہیں اس پر وبال آنے میں دیر نہیں لگتی۔ اور اپنے تعلق اور نسبت ظاہری و باطنی۔  
 علا حضرت اعلیٰ میرجلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت مبارک کی یہ خاصیت نمایاں تھی۔  
 علا شیشہ سے مراد مکمل انکشاف و لاپاک دل در تلوار سے مراد مقابلے میں آنے والے کو تباہ کرنے کی قوت۔

۲۰۲ ایک بار مولوی حکیم محمد عظیم صاحب مرحوم ضلع گوجرانوالہ نے بھری محفل میں ہر مستانہ یہ کلمہ کہہ دیا تھا کہ اگر آپ کچھ عنایت نہیں فرماتے۔ تو کوئی اور تلاش کروں۔ لیکن محترمہ حضرت جدامجد قبلہ علیہ الرحمۃ نے ہلے دروازہ طمانچہ منہ پر سے مارا۔ کہ دنیا کانپ اٹھی یعنی فرمایا: "کہ نامردوں کی عورتیں غیروں کے پاس جایا کرتی ہیں مرد تو غیر کی طرف نظر بھی اٹھانے نہیں دیتے حکیم صاحب یہ تماشا بھی دیکھو"

ع نازک مزاج شاہان تاب سخن ندارد

۲۰۳ بیچارے حکیم صاحب نے کسی اور امر کے لیے کہا تھا۔ لیکن غیور طبیعت کسی اور طرف چلی گئی۔ اہل العالمین ہمیں اپنے اولیاء کرام کی غیرت سے بچائیو۔

۲۰۴ لیکن میں بھی عجیب محبوب الحواس آدمی ہوں۔ دل میں کہا۔ کہ آج تک بڑے افعال بڑے حرکات تو کرتا رہا۔ ملازمت کی، وہ پڑھا اور یہ پڑھایا۔ جو آپ کو پسند نہ تھا۔ تو

آپ ناراض نہ ہوئے غیرت نہ فرمائی۔ اگر آج ایک ولی اللہ کی خدمت میں گیا جو اپنے وقت کا غوث، اپنے زمانہ کا یگانہ، سنت رسول کا سچا عاشق۔ بدعت و شرک کا اکھڑنے والا۔ اور حضرت قبلہ جدامجد کا ہر وقت شاخوآں۔ جس کا دل ان کی محبت اور اخلاص سے

بھر پور ہے۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو غیرت آگئی۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ اِنْ اَكُوْنَ مِنْ الْجَاهِلِيْنَ۔ لیکن یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر حالت یہی رہی۔ کہ ایک بیماری گئی اور دوسری آئی۔ سال بھر سے نو مہینے نہیں تو چھ مہینے تو بلا شک بسترِ علالت پر کھٹتے۔ نا اہلیکے آپ نے توجہ آخری ۱۳۴ھ میں فرمائی اور دریافت فرمایا اور آرام پایا۔ یہ تو تھی جسمانی تکلیف

۲۰۵ اب سننے مالی تکلیف۔ پیر لوگوں کی آمدن کا انحصار تعلقات پر وابستہ ہوتا ہے۔

۱۔ مولوی صاحب کوٹ فاضل المعروف ٹھٹہ شمس تحصیل حافظہ آباد کے رہنے والے تھے۔ آپ کے صاحبزادہ مولوی عبدالعلی صاحب حضرت موڑھوی رحمۃ اللہ کے مجاز تھے۔ ان کے دو صاحبزادے مولوی منظور احمد صاحب اور حافظ لطیف احمد صاحب ہیں جو پنڈی بھٹیاں کے قریب رہتے ہیں اور دونوں حضرت قبلہ مرشد کرم (مصنف غلط) سے نسبت باطنی رکھتے ہیں۔

۲۔ بادشاہوں کا مزاج نازک بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

۳۔ حضرت میاں صاحب ولایت میں غوثیت کے مرتبہ پر تھے۔

۴۔ حضرت اعلیٰ شہر قیودی رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ بیرونی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ اقدس سے والہانہ محبت رکھتے تھے اور ہمیشہ آپ کی تعریف سے رطب اللسان رہا کرتے تھے۔

۵۔ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں اس بات سے کہ کہیں میں نا سمجھ لوگوں میں ہو جاؤں۔

اور میرے جیسے پیروں کے تعلقات اسی وقت قائم رہ سکتے ہیں کہ آنا جانا ہے۔ مرید جذب ہو کر پیر کی خدمت میں نہ پہنچ سکا۔ تو پیر مجذوب ہو کر مرید کے سر جا کھڑا ہوا۔ چارونا چارو وابط کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اچھا بھلا گزارہ چلتا رہتا ہے۔

۴۰۶ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سپری دورہ سے سخت نفرت تھی بلکہ آپ اپنے پیر بابا امیر الدین صاحب علیہ الرحمۃ کی بابت کہ ان کا دورہ سراسر رحمت ہوتا احباب سے کہ بیٹھتے تھے کہ بابا صاحب کی یہ بات مجھے پسند نہیں۔ حیا مانع آئی۔ مجھے خود تو نہ فرمایا۔ لیکن قاری اللہ بخش صاحب سے پہلی ملاقات میں فرمادیا کہ مجھے مریدوں پر جانا پسند نہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ حضرت صاحب کی مزار کو نہ چھوڑیں۔ سب کچھ ہوتا ہے گا۔ قاری صاحب نے مجھے بیان کیا میں نے کہا۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ جو مجھ سے نہ ہو سکے طبیعت پہلے بھی غیور واقع ہوئی ہے۔ احباب کے کہنے اور بزرگان سلف رحمۃ اللہ علیہم کے طریق کی وجہ سے چلا جایا کرتا ہوں۔ لیکن دل میں خیال آتا ہے۔ کہ پیر ہو کر گھر گھر جائے!

کام بھی سنورے اور ارشاد پیر بھی پورا ہو۔ تو پھر مجھے کیا اعتراض۔ اور کیا گنجائش۔ لیکن میرے اس کہنے سے کہ پیر ہو کر گھر گھر جائے یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ ان پیشوایان دین پر طعن ہے۔ جو دورہ کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وساوس سے بچائے وہ صرف ذات رتی عزت شانہ کی خوشنودی کے لیے۔ اسلام حقیقی کی خدمت کے لیے اور ارشاد پیر کی تعمیل کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ اس میں ذاتی نفع نقصان سے تعلق نہیں اور لوگ بھی ان کے قدم باسعادت کو وسیلہ دارین سعادت کو نہیں خیال کرتے

عل دورہ۔ مریدین کی درخواست پر ان کے ہاں جانا۔ کمال ارشاد تبلیغ دین اور اشاعت دعائیت کی غرض سے مرید چاہے ہاں تشریف لے جاتے ہیں لیکن بعض کمزور قسم کے آدمی اس کو ذریعہ معاش اور وسیلہ یافت دیکھتے ہیں اور یہ آخری چیز بہت ناپسند ہے۔  
۲ طبیعت غیور ہو۔ اور پھر شیخ کمال کا حکم بھی ہو تو ہر ایسا تعلق جس سے خوری پرفرب بھی پڑتی ہو آسانی سے چھوڑا جاسکتا ہے۔  
۳ فرمان شیخ سے کام سنور جاتے ہیں بظاہر گھالے کا سودا بھی فی الحقیقت نفع مند تجارت ہوا کرتی ہے۔  
۴ بعض مقتدایان دین مریدین کی درخواستوں پر ان کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں۔ قبول دعوت سنت بھی ہے اور تبلیغ دین کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ لوگ جب ان حضرات کے ساتھ تربیت یافتہ درویشوں اور مریدوں کو دیکھتے ہیں تو ان کی صورت اور روش سے متاثر ہوتے ہیں اور دین کی طرف راغب۔ اور بعض مشائخ تو اپنے خلفاء کو اس خدمت دین کے لئے حکم دیتے ہیں۔ ایسی ہیئت میں مریدوں کی جانب سے تحفہ مخالف پیش ہوں یا جس قسم کی خدمات بھی ہوں وہ ان حضرات سے بالاتر ہوتے ہیں انکے دورے اور ان کا قبول دعوت سب کچھ طبیعت ہوتا ہے اور مریدین کے لئے باعث رحمت و برکت۔

ہیں۔ بلکہ یہ طعن ان پر ضرور ہے۔ جو نفس پروری کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور دروری کی گدائی سے پیٹ بھر لے ہیں۔ اور خلق اللہ ان کے گھرانے کو وبالِ جان سمجھتی ہے۔

کچھ تو دورہ بند ہو گیا۔ کچھ بے تعلق بڑھ گئی۔ اور پہلی سی طبیعت میں مدارات بھی نہ رہی۔ اپنے حالِ مست کے پاس کون جائے۔ نتیجہ وہی ہوا جو آپ کی زبان سے اچھلنا ہوا نکلا تھا۔ کہ ”اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ سے مجھے سب کچھ سمجھ آ رہا ہے۔ ”قرض تو نہیں“ عسر (اور تنگی) بھی آئی۔ قرض نے بھی آدبا یا جس کے پاس سینکڑوں جمع رہتے تھے وہ سینکڑوں کا قرضدار ہو بیٹھا۔ واہ سبحان اللہ! تیری قدرت۔ لطف یہ کہ جو اپنے ہاتھ سے روپیہ دھکیلتا تھا۔ وہ پیسے پیسے کے لیے آنکھیں پھاٹنے لگا۔

مگر واہ لے طبیعت۔ کہ ذرا نہ بھسمی بلکہ پہلے سے بھی شوخ۔ دل ہے تو شاید کہ چند دن کی تنگی کھا جاؤ۔ عنقریب عسر (تنگی) یس سے بدل جائے گا۔ وعدہ الہی برحق اور زبانِ مٹھی قاطع۔ لیکن سب سے عجیب بات یہ ہے کہ جمع بھی تیرہ سو تک پہنچی تھی اور قرض بھی تیرہ سو تک پہنچ کر بھیر گیا اور ساتھ ہی قبلہ مرشد م بھی ہم سے ہمیشہ کے لیے سایہ اٹھا گئے۔

۴۰۶ مرزا جاجانان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ ہمیں تنگی اتنی پہنچی کہ کھانے کے لیے کچھ میسر نہ ہوتا تھا اور دستِ سوال دراز کرنا طریقت کے برخلاف تھا۔ آخر ایک دن یہ سوچ کر کہ مرنا تو ہے۔ لیکن رسوا ہو کر کیوں مرے۔ دروازہ حجرے کا بند کر کے میں بیٹھ گیا اور دل سے عہد کیا۔ کہ اگر اب کوئی دے گا بھی تو نہیں لوں گا۔ تین چار دن اسی فاقہ مستی

۱۔ بعض کہ ہمت یا بے تربیت لوگ جو کسی دگر سے عوام کے مقدمات جاتے ہیں اور ان میں خدمتِ دین کا کوئی جذبہ کارفرما نہیں ہوتا۔ اور محض مفاد و اغراض سامنے ہوتے ہیں وہ خود بھی ذلیل ہوتے ہیں اور اپنے سلسلے کو بھی بدنام کرتے ہیں۔

۲۔ سانک اپنے حال میں مست ہو تو لوگ اس کی بے توجہی اور بے نیازی سے بے توجہی کا اثر لیتے ہیں اور قریب کم آتے ہیں۔

۳۔ فضلِ خداوندی شامل حال ہو مرشدِ کامل کا حال مرید پر اثر انداز ہو جائے اور طبیعت مستعد اور صابر ہو تو معائبِ آفاقی و انفسی کے میل و نہار آسانی سے کٹ جاتے ہیں اور طبیعت میں سکنت کے آثار نہیں آتے۔

۴۔ وعدہ الہی سے مراد فان مع العسر یسرا بیشک تنگی کے ساتھ آسانی۔

۵۔ زبانِ قاطع سے مراد حضرت میاں صاحب کی زبانِ مبارک کہ ”غ کفتر اذ کفتر اللہ بود کا مصداق ہوتی تھی۔

۶۔ مرزا جاجانان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی مجددی سلسلے کے اکابر ہیں سے ہیں ۱۱۹۵ھ میں وفات پائی۔ قبر مبارک دہلی میں ہے۔



میں نہایت استقلال سے کٹ گئے چوتھے پانچویں روز ایک آدمی نے دستک دی لیکن میں نے کوئی آواز نہ دی۔ بلا بلا کر جب تھک گیا۔ تو کواڑ کی دراز (سواخ) سے ایک دیکھو اندر پھینک دیا۔ اُس دن کے بعد پھر ایسی تنگی کبھی نہیں آئی۔ بلکہ وسعت سے دینا ہے گویا یہ آخر کھائی ٹھکی جس کے سرے پر پہنچ کر اترائی شروع ہونی تھی۔

۲۰۸ یہ یاد رہے کہ جتنی بلندی (عسرا) زیادہ ہوگی اور جتنی تکلیف اور دکھ سے بلندی

پر پہنچیں گے اتنی پستی (یسرا) زیادہ ہوگی۔ اور اترنے (عیشی زندگی) میں آرام چنانچہ آخر مرزا علیہ الرحمۃ کو اپنے خواص کی اس التجا پر (کہ میں شاہی وظیفہ آپ کے لیے مقرر کرتا ہوں) کہنا پڑا ہے

ما ابروی فتر وقناعت نمی بریم

بامیرزا بگوئے کہ روزی مقدر است

۲۰۹ سو میں کوئی بلند پرواز نہ تھا۔ تیرہ سو پر جا کر سہاری (تنگی) اور چڑھائی ختم ہو گئی۔

اب دو سال سے اسی چٹان پر آرام سے پڑا ہوں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ دل چاہتا ہے کہ اور بلندی (تنگی) ہوتی تو، اور منازلِ علوی طے کرتا۔ لیکن آہ حوصلہ ہار گیا۔ تیرہ سو کی بلندی کوئی زیادہ بلندی نہیں جو امتیاز کے قابل ہو۔ میرے پیرو مرشد قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بلندی کی آخری انتہا کو عبور فرمایا۔ کہ نظر اٹھا کر بھی دیکھیں تو دل لرز جانا ہے۔ بعض خواص سے سنا ہے۔

”کہ گھر بھر میں صرف ایک گھوڑی رہ گئی تھی لیکن وہ بھی شتر قوپر کے خواجگان نے نیلام کرائی۔“ ایک سو روپیہ قرضہ پوری ادا کرنے کے لیے آپ کے چچا صاحب نے کسی

آپ کے دوست کو لکھا۔ کہ کوئی اللہ کا بندہ اور حضرت کا مخلص بہت کرے تو یہ قرضہ

۱۔ تکلیف و مصائب کا مجاہدہ طبع سالک کو بلند یوں پر لے جاتا ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

۲۔ تندی باد مخالف سے نہ گھبرائے عقاب ۱۔ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے۔

۳۔ عسرا و یسر متقابل صفات ہیں جتنا عسرا زیادہ ہوگا اتنا ہی یسر زیادہ ہوگا۔

۴۔ ہم فقر اور قناعت کی آبرو ضائع نہیں کرتے۔ مرزا سے کہہ دو کہ رزق (ہر شخص کا) مقرر ہے۔

۵۔ سالک حوصلہ جتنا بلند ہوگا اتنی طلب کی بلندی زیادہ ہوگی۔ اور مصائب کی وجہ سے عدم سیری تو جو صلے کی انتہا ہے۔

۶۔ زبور نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغمت ۱۔ سرد و ستاں سلامت کہ تو بخیر آزمائی

۷۔ کاش بر من فتر نہ بر تو سن ۱۔ دمدم زحمت تا زیادہ تو

۸۔ بلند مقامات فقر و تصرف۔

ادا کیا جائے۔ چنانچہ ایک صاحب برکت، صاحب حوصلہ گورہ تصور نے بہت کی (اللہ تعالیٰ اسے برکت دے) لیکن قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو اس تکلیف اس ذلت اس تنگی سے ذرا بھر بھی پروا نہ ہوئی۔ اور جیسے شیر تھے ویسے ہی شیر ہمیشہ وحدت ہے اور عرفا کے جنگل میں دھاڑتے رہے اللہ اکبر استعداد بلند اسے کہتے ہیں۔ معلوم نہیں۔ لوگ استعداد کے کیا معنی لیتے ہیں۔ اور اپنے زعم باطل میں کیا بنائے پھرتے ہیں۔

۴۱۰ یہ فرضہ سا ہو کارانہ نہ تھا۔ براوری کا تھا۔ چونکہ ادا ہونے کی وجہ سے ہزاروں طعنہ دیتے۔ لاکھوں باتیں سناتے تھے یہ خیال نہ کرنا کہ آپ کی طبیعت غیور نہ تھی بلکہ استغراقِ فائیت اتنا موقع نہ دیتا تھا۔ کہ اس طرف آنکھ بھی اٹھے۔ ورنہ بشر تھے۔ کیوں نہ گھبراتے اور کیوں نہ "وَلَقَدْ لَعَلَّمْنَاكَ يَصِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ" کے مطابق تنگی سینہ پیدا ہوتی۔ ایک بزرگ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک بار شیر سامنے آگیا۔ پریشانی تک ظاہر نہ کی۔ دوسری بار کتے سے بدکنے لگے کسی نے سبب پوچھا۔ فرمایا پہلی دفعہ میں نہ تھا کہ میں اس سے ڈرتا اور دوسری دفعہ میں تھا۔ کیوں نہ اس سے خوف کھانا۔

۴۱۱ اے دوست یہ باتیں میں اس لیے لکھ رہا ہوں۔ کہ تم سمجھ جاؤ۔ کہ حوصلہ کا ہارنا، او حوصلہ کا قائم رہنا۔ سالک کے اختیار میں نہیں۔ بزور کو ہزار شیر دل بناؤ۔ وہ شیر دل نہیں ہو سکتا۔ اور شیر دل کو ہزار قصے خوف اور مصائب کے سناؤ۔ وہ بزور ہو کر رک نہیں سکتا۔ تو خود کچھ نہیں۔ جو اتراٹے۔ بلکہ تیری شاہ زوری کا دار و مدار اس کی طاقت پر ہے۔ ایک بادشاہ کا کمزور نوکر کس رعوت اور شیر ولی سے بولتا ہے۔ اور ایک توانا طاقتور پست بہت کیسے عجز ظاہر کرتا ہے۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ عَطَاً كَامِلاً

۱۔ توجید کے جنگل کے شیر۔

۲۔ استعداد۔ قابلیت کسی کمال کو حاصل کرنے کی قوت فکر کی استعداد یہ ہے کہ حوصلہ اور برداشت زیادہ سے زیادہ ہو اور مطلوب کی طرف مشغولیت ایسی ہو کہ باقی احوال کی طرف نگاہ نہ اٹھے۔ خواہ وہ احوال مثبت ہوں خواہ منفی۔ استغراق، انوار باطن کی جستجو میں ایسی رعوت کہ جو اس ظاہر معطل ہو جائیں فائیت: شعور کا اسباب ظاہر سے اٹھ جانا اور کسی رنج و غم کا محسوس ہونا۔ اور البتہ تحقیق ہم جانتے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔

۳۔ نسبت کے بجلی سے آنا کا احساس جاننا تھا۔

۴۔ نسبت کی قوت ہوتی ہے جو بندے میں آکر اپنے کرشمے دکھاتی ہے۔

۵۔ وہاں بھی تعلق ہے اور بادشاہی نسبت پر وہ اترا رہا ہے۔

۶۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہے عنایت فرمادے۔

ہے اور بس۔ مدار علیہ تعلق (نسبت) شاہی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے جبروتی طبیعت ہوتی ہے اور اس تعلق کے نہ ہونے اور ربط کے ٹوٹ جانے سے بشری طبیعت لوٹ آتی ہے اور بشری خواص کا مرکز سالک ہو جاتا ہے۔

۴۱۲ مجھے خوب یاد آتا ہے کہ اس فرضہ سے دل تنگی نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب تیرہ سو تک نکل گیا۔ تو پاؤں نے لغزش کھائی۔ دل میں شکر آنے لگا۔ رب العزت کے ربار میں التجا کرنے لگا۔ لیکن ابھی پورا نہیں مارا۔ بلکہ دونوں کنا سے برابر نظر آ رہے ہیں۔ او یاس و امید کے نقطہ وسط میں کھڑا ہوں۔ اللہ تعالیٰ لغزش شے سے آمین فیم آمین۔

۴۱۳ اب خوف کا قہہ سنبے۔ روز اول سے طبیعت آزاد ملی ہے۔ اور کسی جابر کے زیر ہونا پسند نہیں کرتی۔ لیکن چچا صاحب ہیں کہ ان کی طبیعت میں حاسدانہ اور تجابرانہ مادہ زیادہ ہے۔ وہ ہر پہلو دوسروں کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ان دونوں متضاد فطرتوں نے مل

کر تمام خاندان کو تباہ اور خاک سیاہ کر دیا۔ جب سے ملازمت چھوڑ کر گھر آیا تو آپس میں وار چلنے لگے۔ اور ہر وقت ان کے داؤ اور گھات سے خوف رہا۔ کبھی کبھی جوش میں آ کر کہلا بھیجتے تھے کہ اس کا کیا ہے۔ اس کے چچا بڑے چچا رحمۃ اللہ علیہ کا کیا ہے۔ کسی دن کام کر دوں گا۔ یہی قبلہ تھے کہ میری بابت حکم فرمادیا تھا کہ چار مہینے کے اندر چلا جائے گا۔ آپ کی بدولت مسجد

خانہ خدا اکھاڑا بنی۔ اور آپ کی برکت سے دارالافتاء بیربل ویران ہوا۔ میں ایک نہیں۔ دنیا ان کی دشمن۔ بندہ بندہ ان کا خونخوار لطف یہ ایک طرف میرے مکان گرانے کے لیے طغیانی کے پانی کا بند جوان کی زمین کے سر پر تھا توڑ دیا۔ اور اڑھائی گز سے زائد ٹکڑے کھانے کی وجہ سے گہرا گڑھا دیوار کے ساتھ پڑ گیا۔ اور بنیاد خالی ہو گئی۔ لیکن کام کیا تو یہ کیا۔ کہ حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

۱۔ مدار علیہ۔ جس پر دار و مدار ہو۔

۲۔ اُمید اور نا اُمیدی کے بالکل درمیان ہیں۔

۳۔ سب پہلا فیض الہی جو کسی سالک پر ہوتا ہے وہ طبع کا فیض ہے طبیعت بند ہو۔ اور خود دار ہو شرف بشری کے تقاضے پر سے ہوں تو فقر کے تخم کو تباہ زمین مل جاتی ہے اور خوب پھلتا پھوتا ہے۔ ۴۔ بعض طبائع میں برتری تو ہوتی ہے لیکن اس کی افتاد آسمانی بندی کی طرف نہیں زمینی جذبات کی عامل ہوتی ہے۔ وہ مادی قسم کا تعلق پاہتی ہے اور اس کے لیے سب کچھ کرتی ہے۔ ۵۔ حضرت اعلیٰ بیر بلوی کے وقت اور آپ کے بعد بیر بل شریف جہاں فقر و تقویٰ کا مرکز تھا وہاں علم کا بھی مرکز تھا۔ ہزاروں علما ہاں سے فیضیاب ہو کر گئے اور دور دور سے فتویٰ حاصل کرنے کو لوگ آتے اور شرعی فیصلوں کے طالب پہنچتے۔

ایک خط لکھ دیا۔ کہ بڑے بھائی اور برادر زادہ محمد عمر میرے سخت مخالف ہیں۔ اور لوگوں کو میرے برخلاف اُکساتے ہیں حضرت قبلہ والدہ کے بعد یہی آرزو ہے کہ اس آستان کو نہ چھوڑوں۔ آپ بزرگ ہیں دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس آرزو میں کامیابی بخشے۔

۴۱۴ حاضر دربار ہوا۔ تو آپ نے فرمایا ہے۔ کہ تمہارے چچا صاحب کا خط آیا تھا۔ لیکن میں خوب ان کو جانتا ہوں۔ حضرت صاحب جب لاہور بادشاہی مسجد میں تھے۔ تو وہ بھی ہمراہ تھے۔ سر پر شیشہ دار ٹوپی تھی۔ لیکن حضرت صاحب کے سامنے نہ ہوتے تھے۔ بلکہ کبھی ادھر کبھی ادھر چلے جاتے۔ خیر میں خوب جانتا ہوں۔ لیکن پھر بھی حضرت صاحب کی اولاد میں۔ تم ہی درگزر کیا کرو۔ اور عزت سے پیش آیا کرو۔

چچا بزرگوار کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ میرے پاس یا ان کے بڑے بھائی صاحب اور ان کے صاحبزادہ کے پاس کوئی نہ بیٹھے۔ اور گاہے کسی کو دیکھ پاتے۔ تو نہایت انکسار از لب و لہجہ سے ہمارے عیوب دکھا کر اپنے تعلقات بزرگانہ اپنی شفقاتِ پدرانہ سنا کر التجا کرتے تھے۔ کہ بس تم ہمارے ہو رہو۔

۴۱۵ یہ باتیں جو میں لکھ رہا ہوں۔ ہیرل کے آنے جانے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ اور نہ ان کی یہ غرض ہے۔ کہ ان کی برائی بیان کر کے اپنی بلندی اور علو ہمتی ظاہر کی جائے۔ بلکہ ایک خاص پہلو آبیہ شریفینہ کے مصداق دکھانے کے لیے جو مجھے پیش آیا۔ ظاہر کر رہا ہوں۔ کہ سالک کو ایسے امور سے واسطہ پڑتا ہے۔ آخر میں میرے ایک رفیق نے خود بخود بلا اطلاع دیکھے مجھے حضرت قبلہ کی خدمت میں شکایت کی۔ اس وقت میری عجیب سبکس حالت تھی۔ اور عزیز عابد مرحوم کو گزرے کوئی بیس دن ہوئے تھے۔ کہ تنگ دل ہو کر اپنے ماویٰ و ملجا کے پاس چلا گیا۔ چونکہ عزیز مرحوم کی شادی چچا صاحب

سالک کو قدرت بڑے سخت شکنوں میں بھینچتی ہے اور ہر قسم کی ظاہری باطنی تکالیف سے دوچار کرتی ہے۔ یہاں ہمت اور حوصلہ کی بلندی دیکھنا مطلوب ہوتا ہے اور اہل دنیا اہل جانچنا۔ فقر کے لیے جو لوگ موزوں ہوئے ہیں۔ وہ حوصلہ نہیں ہارتے اور دوسرے کچھ برداشت نہیں کرتے۔ جو برداشت نہیں کرتے وہ اپنے اپنے مقام سے گر جاتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم مرشد نادام ظلہ (سنت) فرماتے ہیں، "حوصلہ فقر کا تاج ہے۔"

کے گھر ہوئی تھی۔ اس لیے اس موقع پر چچا صاحب نے ہمیں خوب دھمکایا کہ اب تمہاری بہاری بازی کا پتہ لگے گا۔ پہلے تو رشتہ داری تھی اب لوسے کے چنے چبائے نہ رہوں گا۔

۲۱۶ حضرت نے عزیز کی تعزیت وغیرہ تو نہ فرمائی۔ کیونکہ تعزیت تو غیر کرتے ہیں۔ لیکن

خود تعزیت کے قابل ہوتے ہیں۔ لیکن رفیق سے حال و احوال سن کر طبیعت میں جوش آگیا۔

فرمایا: ”کچھ پرواہ نہیں“ ایسا ہوتا چلا آتا ہے۔ اور مجھ سے بھی ایسا ہی سلوک ہوتا تھا۔ لیکن

جو ان کے پاس آنے والے ہیں۔ وہ ان کی طرف نہ جائیں گے۔ کچھ فکر نہیں میں یہاں

بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ وہ کیا کرتے ہیں؟

پھر مجھے ایک دعوت کا ارشاد فرمایا طریقہ بیان فرمانے کے بعد نہایت جوش

سے فرمایا۔ کہ جو کوئی یہ بتلاتا ہے۔ اور جو کوئی اسے کرتا ہے۔ کبھی خطا نہیں جاتا۔

کہنے کو آپ نے دو فقرے فرمائے۔ لیکن سچ یہ ہے۔ کہ دریا کو کون سے میں بند کر گئے۔ اور

فرما گئے۔ کہ میں نے کیا کچھ تمہیں دیا گھرا آیا۔ چند دن حسب ارشاد عمل کیا۔ جہاں ایک دو

آدمی رہا کرتے تھے۔ وہاں دس بارہ کی بھرتی جمع ہو گئی۔ طبیعت گھرائی کہ مجھے ایسے امور

سے کیا تعلق جس طرح چاہے۔ وہ کرے۔ وہ خود دانا بیانا ہے اور حکیم اور سالک کو ان

مخمولوں سے کیا تعلق۔

۲۱۶ آپ کو یہ گمان نہ ہو۔ کہ عام عملیات کی طرح یہ بھی کوئی عمل تھا، نہیں، بلکہ یہ ایک

روحانی دعوت تھی۔ گھنٹوں نہیں۔ منٹوں میں عمل کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بھی نہیں کہ اس

کے عمل سے دل میں سیاہی پیدا ہو۔ بلکہ پہلے سے زیادہ صفائی۔ اور پہلے سے زیادہ دشنامی

دل دینے لگتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو شمس العارفین مصنف سلطان العارفین صاحب

یا فطرت انسانی ہر مقام پر اپنے تقاضے رکھتی ہے اور ان کا پورا ہونا فطرت کی تسکین سبب بنتا ہے۔ تعزیت کا ہر مقام پر عام رسم ہو جانا تسکین کا ہر رسم ہو جاتا ہے۔ درز حادثہ اندر ہی اندر رہ کر طبیعت کو سخت گزند پہنچاتا۔ لیکن بلند ترین ہستی کا آسرا اور اس کی تعزیت فرمانا تسکین ہوتا ہے۔ اور تسکین کے الفاظ کو نہ دہرانا ایک قسم کی خاص یگانگت کا عملی اظہار ہے۔ اور بلند ہستی سے یہ تعلق اور ان کی یہ بدش تسکین کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔

۲۱۷ سالک جب مقام رضا پر پہنچتا ہے تو ہر کام میں محبوب حقیقی کی حکمت نظر آتی ہے۔ اس لئے تکالیف اور راحتوں میں کیفیت یکساں رہتی ہے نیز جب آسانی نسبت پہنچتی ہو جاتی ہے تو ظاہری رونق اور دلچسپی کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

۲۱۸ معلوم ہوا کہ سفلی اعمال سے دل سیاہ ہوتا ہے۔

حضرت بابو رحمۃ اللہ علیہ -

تیسرے درجے پر کمی مال اور نفوس کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے عزیز شہید احمد طویل عمرؒ کی خبر بیماری شریقیہ پور شریف میں ہی پہنچی۔ کہ سخت لاچار ہے۔ حضرت قبلہ روحی فداہ نے کئی بار خط سے پہلے فرمایا: "کہ رمضان میں آنے کی کیا ضرورت تھی بعد میں دیکھ لیا جاتا"۔ لیکن سمجھ میں نہ آیا۔ کیوں آپ اس پر مصر ہیں۔ مگر خط آیا۔ تو حضرت قبلہ کی خدمت میں ہی پہنچا۔ مجھے کارڈ ملا۔ تو حاجی صاحب کے ذریعہ۔ دوبارہ پیش کیا۔ آپ نے اجازت فرمائی۔ حاجی صاحب سلمہ سے ہیں نے دوبارہ التجا کی۔ کہ دعا کے لیے عرض کی جائے۔ حاجی صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ بھلا یہاں کہنے کی ضرورت ہے؟ سبحان اللہ! یہ ہے مجھ سے یہ ہے صداقت۔

گھر پہنچنے تک میری عجیب حالت تھی۔ کیونکہ دیہاتی لوگ اس وقت ایسی تخریر لکھتے ہیں۔ جب انسان آخری حالت میں ہو۔ قبل ازین ایسے واقعات ہو چکے تھے۔ لیکن گھر کے قریب پہنچ کر نہایت پریشان حالت میں ہو کر ایک باغ میں بیٹھ گیا۔ کہ اب کیا سننے میں آئے؟ مگر الحمد للہ۔ ٹھوڑی دیر کے بعد گاؤں کا آدمی ملا۔ کہ بزخوردار کو کل سے افاقہ ہے ورنہ پہلے رو دھو چکے تھے۔ درحقیقت یہ حضور کی توجہ کی برکت تھی۔ جبکہ کارڈ پہنچا تھا۔ بہر صورت تیسرے دن حاجی صاحب کا خط بھی آ گیا۔ کہ بزخوردار کی حالت کیا ہے حضور قبلہ دریافت فرماتے ہیں۔ خود اندازہ کیجئے۔ ایک طرف تو دعا کے لیے التجا کرنے پر وہ الفاظ۔ دوسری طرف یہ توجہ اس عنایتِ خاصہ پر اگر قربان اپنے آپ کو کر لو تو کم ہے۔

- ۱۔ یعنی سالک کو مال و متاع کے نقصان اور عزیز و اقربا کے جانی نقصان کی آزمائشوں میں مبتلا کر جاتا ہے۔
- ۲۔ حضور قبلہ عالم مصنف مطلقہ کے بڑے صاحبِ جووانی میں انتقال فرما گئے تھے۔ اب ان کے صرف ایک صاحبِ جزاء صاحب حضرت سعید احمد صاحب ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو سعادت دارین عطا فرمادے۔ آمین۔!
- ۳۔ پروردگار کے قلبی تعلقات کا نور حالاتِ ظاہر پر بھی حاوی ہوتا ہے اور ضروریات بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔
- ۴۔ کامل کی توجہ سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور بیمار شفا پاتے ہیں اور مقصد پورے ہوتے ہیں۔
- ۵۔ یعنی حضور کو شکر رہی اور رضی کی کیفیت طبع دریافت فرمائی۔ یہ عین نوازش ہے۔

۲۲۰  
 بزخوردار اچھا ہوا ہی تھا۔ کہ عزیز عابد صاحب مرحوم کی بیماری کا خط آگیا۔ اور  
 کھوڑے دنوں بعد وہ طویل رخصت لے کر اچانک آگئے۔ پورے آٹھ ماہ بسترِ علالت  
 پر رہ کر ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو گئے۔ نہ تو دوا کی کمی ہوئی۔ نہ علاج کی۔ اور نہ دعا و  
 صدقات کی۔ خود حضرت قبلہ روحی فداہ کی خدمت میں کئی ایک عریضے لکھے۔ خود حاضر ہوا  
 تو عرض گزاری۔ فرمایا۔ گیارہ بار الحمد شریف بمسب اللہ شریف صبح و شام پڑھ کر بھونک  
 دیا کرو۔ سب کچھ کیا گیا۔ لیکن قضا مہرم کو کون ٹالے۔ مرحوم عابد اتنی خوبیوں کا آدمی تھا  
 کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ماں باپ کے بعد اکٹھے رہے تھے۔ ایک جا کھانا پینا۔ ایک جا  
 رہنا سہنا۔ پھر اتنا حیا دار کہ کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ نوکر ہوا۔ تو جو کچھ کمانا میرے سامنے  
 رکھتا اور جو کچھ کرتا۔ پوچھ کر کرتا۔ دنیا میں بھائی بہتیرے ہوں گے۔ لیکن اس صداقت،  
 اس محبت، اس سلوک کا بھائی کوئی نہ ہوگا۔ شادی ہو جانے کے بعد عموماً بھائیوں  
 میں ناچاقی ہو جاتی ہے۔ لیکن واہ سے عابد کہ پہلے سے بھی زیادہ جھکتا گیا۔ بچپن سے لے کر  
 مرنے دم تک عابد عابد رہا۔ کالج میں تھا تو تہجد گزار تھا۔ نوکر ہوا تو تہجد خوان رہا۔  
 طبیعت اتنی ملنسار۔ کہ بیگانے سب یگانے تھے سحری کو جب حکیم نے حالت نزع کی اطلاع  
 دے دی۔ تو مجھے صبر کی تلقین کی اور خود نہایت استقلال سے دوگانہ فریضہ ادا کر کے  
 وائیں پہلو لیٹ گیا اور اپنی رضائی لپیٹ دینے کے لیے کہا۔ آہ یہ وہ وقت تھا۔ کہ اس کی  
 روح مجھ سے لپٹ لپٹ کر آخری داع کر رہی تھی۔ گو میں اور ادھیڑ پڑھ رہا تھا۔ لیکن میں  
 دیکھ رہا تھا۔ کہ اس کی روح آخری بلائیں میرے سر سے لے رہی ہے۔ اور میرے آسوا  
 شبہم کے موتیوں کی طرح اس پر نثار ہو رہے تھے۔ ایک طرف اور ادا ختم ہوئے تو دوسری

علا تقدر کے دراقسام پیا کی گئے اول متعلق جو بعض ذرائع اور مسائل سے مل سکتی ہے۔ دوسری مجرم، یہ ایسا نوشتہ کہے مل نہیں سکتا ہو کے رہتا ہے۔  
 عابد عابد کی تشریح، نوجوانی میں عبادت کا شوق، پختہ ہونے کا اور اگرناہت بڑی سعادت مندی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے جوانوں کو یہ شرف عطا فرماوے۔ آمین۔  
 مٹا موت کی گھڑیوں میں جانے والے کی حالت کا عوہ کو صبر کی تلقین ہو رہی ہے یعنی بلند اور مبارک کیفیت ہے اور ذوق اصواتِ پاک و ذوق اصواتِ بالقبورہ کی زندہ تفسیر۔  
 مٹا اور ادھیڑ ایک مختصر سی کتاب ہے، بہت مبارک اور ادراہ میں مسنون اور ادراہ میں اور مختلف دعائیں ہیں حضرت علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ (جو نہایت صاحب کمال ولی اللہ گزے ہیں۔  
 اور جن کا نزار مبارک سرنگو کشمیر کے وسط میں دریائے جلم کے کنارے ہے) کی تالیف ہے اور کشمیر میں صبح کی نماز کے بعد عموماً بلند آواز سے اور نہایت ذوق شوق سے یاد اور  
 پڑھے جاتے ہیں۔ اور حضرت اعلیٰ شرفیوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے خواص کو ورد کے طور پر یاد اور پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔

۵ اہل محبت کی جدائی اور اہل دُعا کے فراق کا یہ اچھا منظر ہے۔ سو حیاتِ ابدی موت پر اس کی قدر بان  
 جس کی میت پر کرے زلف پریشاں کوئی

طرف بھائی جان کی جان نے قالب سے پرواز کر کے علیین کا رخ کیا۔ آخری دم ختم کر لیا تو دوستوں نے رضائی اٹھا کر حسرت بھرے چہرے سے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ہ کا نقشہ میرے سامنے کر دیا۔

۲۲۱ وہ بھائی صرف بھائی نہ تھا۔ بلکہ یا رِغَار۔ اور وزیر باندبیر اس کے مرنے نے میرے بازو توڑ ڈیٹے۔ اب میں نہتہ ہو کر رہ گیا ایک چھوڑ دو بھائی۔ ایک ماں اور ایک باپ اور کئی ایک دوسرے قریبی رشتے دار یکے بعد دیگرے گزرے لیکن مرحوم عابد کا مزاج کچھ اور ہی تھا۔ اس صدمہ کو میں جانتا ہوں۔ جیتک جسم میں جان ہے اور جیتک دل میں احساس ہے۔ یہ صدمہ مٹ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے قرب و جوار میں جگہ دے۔ آمین ختم آمین۔

۲۲۲ یہ اٹھائیس رجب ۱۳۲۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد صرف ڈیڑھ سال گذرا۔ کہ حضرت قبلہ مرشدی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے گو پہلا صدمہ ابھی تازہ تھا لیکن حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی تسلی نے مجھے بہت کچھ اطمینان دے رکھا تھا۔ دنیا فانی ہے اور ہر ایک چیز فنا کا مزہ چکھے گی۔ مرحوم گذر گیا۔ والدین چلے گئے۔ لیکن تقدیر نے پلٹا کھٹایا۔ میری اس آخر تسلی اور اطمینان کو بھی چھین لیا۔ اور ایسا تو تھرا ہو گیا۔ جس طرح چڑیا کا بچہ بے بال و پر گھونسلے کے باہر گر کر رہ جاتا ہے۔

۲۲۳ والد علیہ الرحمۃ بیمار پڑے تھے۔ تو پشاور میں خواب آیا تھا کہ میرے سر پر پگڑھی نہیں اور ننگے سر بیٹھا ہوں۔ بعینہ اسی طرح جس رات حضور کا وصال ہوا۔ خواب میں اپنے آپ کو ننگے سر دیکھا۔ صبح انوریم مولوی فخر الدین صاحب کو خواب سنا کر کہا۔ کہ ایسا معلوم

۱۔ علیین۔ آسمان پر وہ مقام جہاں ابرار (صالحین) کی رو میں بعد موت قیام کرتی ہیں۔

۲۔ ہمدرد دوست: دوستی روحانی عجیب رشتہ ہے۔ جہاں جسمانی رشتہ اور روحانی رشتہ اکٹھے ہو جاتے ہیں وہاں رنگِ محبت بھی کچھ اور ہوتا ہے۔

۳۔ مرشد کامل کا وجود باعث ہزار تسکین و رحمت ہے۔ دراصل نسبت روحانی اور محبت قلبی ہی اس روحانی رشتہ مرید و مرشد کو پُر تاثیر بنا دیتی ہے اور جب اس تعلق میں مضبوطی آجاتی ہے۔ تو ماں، باپ، بھائی بہن غرضیکہ کوئی رشتہ اور کوئی تعلق اس کے مقابلے میں نہیں۔

۴۔ یہاں یہ بیان مقصود ہے کہ قدرت اپنے سالک اور مجتہد کے تمام ظاہری سہلے اور تمام آسے ختم کر دیتی ہے، اس کو آزمانی ہے اور صرف اپنے آسے اور اپنے سہلے پر بھروسہ رکھتی ہے۔ صبر، توکل اور ایک سونگر لیستی کی یہ ایک مشکل ترین مشق ہوتی ہے۔ جو اس سختی کو اٹھا گیا وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے بے صبری و بے توکل کو شیوہ بنائے رکھا وہ ناکام رہ گیا۔



ہوتا ہے۔ کہ حضور کا انتقال ہو گیا۔ آخر تیسرے دن خط بھی آپہنچا۔ کہ ۳ ربیع الاول ۳۲۶ھ  
رات کو گیارہ بج کر ۲۵ منٹ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سایہ ہٹا پایا یہ سہارے میں  
سے اٹھایا اور ملا علیقین میں تشریف لے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

۲۲۴ حضور کے وصال کے بعد دوسرے تیسرے دن خیال آیا۔ کہ عزیز بھی گذر گیا۔ جو  
میرے دل کا سہارا تھا۔ حضرت صاحب بھی رخصت ہو گئے۔ جو سر کے تاج تھے اقرباء  
اور رشتہ دار پہلے چلے گئے۔ اب کوئی جائے امید ہے۔ تو صرف مہر نواب خاں اور  
میاں کرم الدین صاحب۔ دیکھیے ان سے کیا سلوک ہوتا ہے۔ باقی تمام درتوبند کر دیئے  
اب اس ایک امید مہموم کا خاتمہ کس طرح کیا جاتا ہے۔

۲۲۵ مہر نواب خاں اگرچہ صرف بیس مربعہ زمین نہری کا مالک اور اپنے گاؤں کا واحد  
نمبر دار تھا۔ لیکن حضرت قبلہ والد علیہ الرحمۃ کے بعد تقریباً تمام لنگر کا ذمہ وار تھا۔ غلہ  
کی ضرورت معلوم کرتا تو روانہ کرتا۔ بھوسہ کی ضرورت ہوتی۔ تو بھیجتا۔ فالتمز موبیشی ہوتے  
تو اپنے چھپرے میں لے جاتا۔ شیردار ہوتے تو لنگر میں پہنچاتا زمین بھی لنگر کے نام کر رکھتی تھی۔

آمدن پوری کی پوری ادا کرتا اور لگان اور آبیانہ خود ادا کرتا۔ اس کے علاوہ نقد و جنس  
کی خدمت زائد تھی۔ سب سے بڑھ کر اس کی خوبی یہ تھی۔ کہ بار احسان نہیں رکھتا تھا۔  
شعرے

منت منہ کہ خدمت سلطان بھی کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشت

یہی اس کا شیوہ تھا۔

ہما کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ پزندہ جس کے سر پر سے گزر جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے یہ درست ہونہ ہو لیکن یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ ولی اللہ کا سایہ ولی اللہ بنا  
دیتا ہے۔ اور اولیاد اللہ حقیقی بادشاہ ہوتے ہیں۔ ع۔ برگدا از زیاد او سلطان بود۔

یہ صاحب حضرت اعلیٰ امام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور مخلص تھے۔ موضع بونگر، تحصیل مرگودہا کے رہنے والے تھے اور مرضی لنگر کے ساتھ خوب نبھائی۔ اب ان  
کے دو بیٹے ہیں حاجی مہر محمد یا صاحب اور مہر گل محمد صاحب (مہر گل محمد صاحب نائب تحصیلدار تھے ملازمت چھوڑ کر کاروبار شروع کر دیا۔)

پرفہمست کرنے والا بزرگی محسوس کرتا ہے لیکن حقیقی خدمت یہ ہے جو اولیاء اللہ کرتے ہیں۔ دلوں کی دنیا آباد کرتے ہیں اور ٹوٹے ہوئے تعلق باللہ کو جوڑتے ہیں  
ان کی خدمت کا قد دان ہی مقبل بارگاہ الہی بن سکتا ہے۔ اور جان دے کر بھی کوئی ان کے اس احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ کہ ہمت ہٹتے  
ہیں اور بے نصیب جو اپنے پیرو مشد کی خدمت کریں اور اس خدمت کی قبولیت کے شکر لیے اور ممنونیت کی بجائے دل میں احسان کا احساس  
لاہیں۔ العیاذ باللہ ع۔ تو یہ احسان نہ رکھ کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے یہ اس کا احسان ہے کہ تجھے اس نے اپنی خدمت پر لگا رکھا ہے۔

میاں کرم الدین صاحب نے ابتدائی تربیت حضرت قبلہ جدامجد علیہ الرحمۃ سے پائی تھی۔ ان کے وصال کے بعد حضرت قبلہ والدہم بزرگوار کی خدمت اسی جانفشانی سے کرتے رہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ۔ ان کا انتقال ہو گیا۔ تو میرے ساتھ ایسی نبھائی۔ کہ کوئی اپنا مرید یا اخلاص بھی نبھاؤ نہیں کرتا۔ گو ایک نادار آدمی تھے لیکن حضرت قبلہ والدہم بزرگوار رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اپنے گھر کا تمام بوریا بستر پیٹ دیا۔ رات، دن لنگر کی خدمت پر کمر بستہ ہو گئے۔ ساتھ ہی لنگر سے الگ رہے۔ پیٹ بھریں گھر سے اور کام کریں لنگر کا۔

میرے دونوں رفیق ہم عمر بھی تھے۔ اور دوست بھی۔ دونوں پندرہ بیس دن کے بعد آتے اور خبر گیری کر جاتے۔ ضروریات کا احساس میاں صاحب کو زیادہ ہوتا تھا۔ وہی ہر صاحب سے مشورہ کر کے ضروریات ہم پہنچاتے۔ لیکن جب کبھی اکٹھے ہو جاتے۔ تو شاہ و گدا میں تمیز نہیں کی جاسکتی تھی۔ مگر نواب خاں واقعی نواب تھا۔ صرف مجھ ہی سے یہ اخلاص نہ تھا۔ بلکہ فقیر صورت کا غلام تھا۔ عرب جب کبھی آجاتے۔ تو جو کچھ ہاتھ میں آتا۔ نہایت عجز سے پیش کر دیتا۔

ایک وقت یکصد روپیہ کا نوٹ پاس تھا۔ ایک دوسرے کو توڑوانے کو کہا۔ لیکن جب گاڈوں سے یزگاری حاصل نہ ہو سکی۔ تو وہی نذر کر کے کہا کہ آپ کی قسمت ہے۔ لیجئے حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں کو نہایت عقیدت تھی اور عرس مجدد علیہ الرحمۃ پر حاضری فرض جانتے تھے۔ ایک طرف تو حضرت قبلہ کے وصال مبارک کا خط آیا۔ اور میں اپنی قسمت ناہنجار

۲۲۹

۱۔ کمال شیخ کی تربیت کا یہ اولین نتیجہ ہے کہ آنا کو شکست ہو جاتی ہے۔ تکبر اور عناد، برتری اور بڑائی سب اسی ناپت کا نتیجہ ہے۔ جب بانس ہی نہ رہا تو بنسری کہاں سے بچے گی۔ اس لئے کمال کے مریدین چھوٹے بڑے سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوتے ہیں۔

۲۔ طبع کریم ہو تو اس کے اثرات پابند نہیں ہوتے۔ اخلاص کے اظہار کے لئے ہر موقعہ کو غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ اور دو جہان کی بھلائی حاصل کی جاتی ہے۔

۳۔ حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ دہلوی بہت بڑے پائے کے ولی اللہ گزے ہیں۔ خلوت گزینی اور بے نیازی آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کی خانقاہ مقدس کے جانشین تھے۔

۴۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ۲۷-۲۸ صفر کو سرہند شریف میں ہوا ہے۔

پر رو رہا تھا۔ اور دوسری طرف سے اچانک ایک دوسرا خط آگیا۔ کہ مہر نواب خاں سخت بیمار ہے۔ اور تمھارے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔ عرس وفات کی وجہ سے بہانہ مل گیا تھا۔

ساتھ ہی کئی بار دل کی طرف دیکھا۔ کہ کچھ خوف ہے یا نہیں لیکن دل بے دھڑک تھا۔ دل میں خیال کیا۔ کہ اچھا ہو جائے گا۔ مگر اتنا نہ سوچا۔ کہ بعض وقت اطمینان اور تسلی ہی ناکامیابی اور نامرادی کی دلیل ہوتی ہے۔ آخر وفات سے دوسرے دن جب ملنے کے لیے

تیار ہوا۔ تو مرحوم کے گزر جانے کی خبر آگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

مگر حیرت یہ ہے کہ جنازہ کے لیے گیا۔ اور آیا۔ لیکن فکر نہیں۔ بیچ نہیں۔ منہ

سے نکلتی ہے۔ تو صرف دعاء مغفرت اور بس۔ مگر می شاہ صاحب سید نور الحسن صاحب

نے بتفریب عرس ایک موقع ذکر کیا۔ کہ بعض وقت سالک کو آئندہ کے واقعات کا پہلے

علم دیا جاتا ہے۔ تاکہ سالک کو اس واقعہ ہالہ سے تشویش پیدا نہ ہو۔ کیونکہ غیر متوقع حادثہ

سے طبیعت میں سخت ہیمان پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن متوقع حادثہ سے طبیعت تیار ہو بیٹھتی

اور نہایت ثنانت سے اسے برداشت کرتی ہے۔

حضرت میاں صاحب کے فصال سے پیشتر چار پانچ ماہ ہمیشہ میرزا بان پر ہوتا تھا

تنت بناڑ طبیبیاں نیاز مند مبارک

وجود نازکت آزرده گزند مبارک

سلامت ہمہ آفاق در سلامت تست

بیچ عارضہ شخصے نودر و مند مبارک

بلکہ بعض وقت دل چاہتا تھا۔ کہ حضرت کی خدمت میں لکھوں اور اکثر طبیعت

۲۳۱

۱۲ ربیع الاول کو حضرت اعلیٰ بی بی رحمۃ اللہ علیہ حضور سرور کائنات علیہ السلام کا عرس کیا کرتے تھے وہی عرس مبارک آج تک جاری ہے اور عرس وفات کے نام سے موسوم ہے حضرت قلم شدم فرماتے ہیں کہ چونکہ عرس وفات قریب تھا اس لئے مہر نواب خان صاحب کے پاس نہ پہنچنے کا عذر موجود تھا۔

۱۳ سالک کا اطمینان بعض اوقات تکلیف کے وقوع کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور قدرت سالک کو بہر حال مطمئن رکھتی ہے۔

۱۴ مراد عرس وفات حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب حضرت کیسیاں والارحمۃ اللہ علیہ

۱۵ ہالہ۔ ہولناک کھبراہٹ

۱۶ تیرا وجود طبیوں کے ناز کا محتاج نہ ہو، اور تیرے نازک وجود کو کوئی تکلیف پریشان نہ کرے۔ تمام جہان کی سلامتی تیری سلامتی میں ہے۔ کسی عارضہ سے تیرا وجود دردمند نہ ہو۔

لرزاں رہتی تھی۔ کہ مبادا یہ دولت چھن جائے۔ لیکن جب حضرت بیمار ہوئے۔ تو پھر طبیعت نڈر بے خوف رہی۔ بلکہ آپ کے وصال پر بھی آنسو نہ پھوٹے۔

۲۳۲ مہر نواب خاں کے بعد طبیعت تمام آلودگیوں سے پاک ہو گئی۔ اور اسی ذات رب العزت کی طرف متوجہ ہو بیٹھی۔ نہ کسی سے آس رہی نہ کسی سے یاس۔ جو کرے کرتار مہراج۔ جو کرے کرتار

اگرچہ میرا ایک رفیق (خدا سے سلامت رکھے) موجود ہے۔ لیکن میری آس و یاس کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ سب کچھ پہلے کی طرح کرتا ہے۔ لیکن وہ محض واسطہ ہے۔ اس سے بڑھ کر اس پر کوئی دار و مدار نہیں ہا۔ ہاں ایک خاندانی اعتماد چچا صاحب کی ذات بابرکات سے تھا۔ کہ وہ حضرت قبلہ جد امجد علیہ الرحمۃ کے قائم مقام تھے۔ وہ بھی ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ کو ہمیشہ کے لیے ہمیں یتیم کر گئے۔

۲۳۳ یہ تمام پہلو تو تربیت جلالی کے ظاہری تھے۔ اب وہ باطنی پہلو جس کی تمہید کے لیے۔ جس کی بنیاد کے لیے یہ سب کچھ لکھا گیا مختصراً پیش کرتا ہوں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ سالک کو تدبیر کی آلودگیوں سے پاک کر کے تقدیر کی مضبوط چٹان پر بٹھایا جاتا ہے۔ عوام کا تمام دار و مدار تدبیر پر ہوتا ہے اور اس تدبیر کے لیے انہیں ہر وقت رنگارنگ خیالات اور بوقلموں محضوں میں رہنا پڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایک آن بھی حضور دل میسر نہیں ہو سکتا اور کسی ایک وقت بھی کیسوٹی حاصل نہیں ہو سکتی۔

۲۳۴ صاحب تدبیر اگر اپنی پوری کوشش بھی کرے۔ تو ایک آن بھی ایسی عمر بھر میں دیکھ نہیں سکتا۔ جس میں اس کا دل مطمئن یا دلہی میں غرق ہو سکے۔ لیکن جب فضل الہی شامل حال

غلغیر اللہ پر بھروسہ کرنا اور کسی کی آس لگا کر بیٹھنا طبع سالک کے لئے آلودگی ہے۔

غلغیر حضرت صاحبزادہ محمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت قبلہ عالم و ام ظلہ کے چچا صاحب اور خسر تھے۔

غلغیر معرفت الہی کا تقاضا ہے کہ عارف دنیا میں صفات الہیہ کے افعال کو ہر مقام پر دیکھے اور انسانی تدبیر کو تقدیر کا پر تو سمجھے۔ اس صورت میں انسانی تدبیر کا اپنا کوئی مقام نہ رہا اور اس میں مصروفیت تفتیح اوقات موتی بلکہ صفائی قلب کے لئے نکلنے کا ایک سبب بنی۔ اس لئے تدبیر کو قبلہ عالم و ام ظلہ نے آلودگی سے تعبیر فرمایا۔ تاکہ تدبیر ذہن کو مصروف رکھے گی اور پھر عمل جسم کو قابو کرے گا اور یہ گرفت کبھی بھی ڈھیل نہ پڑے گی اور یکسوٹی اور اس کے نتیجے میں حضور دل کبھی حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے سالک کو چاہیے۔ تدبیر تدبیر حقیقی پر ایسا بھروسہ کرے کہ ذہن اس مصروفیت سے فارغ ہو جائے یہاں عوام کا سوال نہیں خواص کا ذکر ہے۔ یہ نیک لوگ جو اولیاء اللہ سے وابستگی رکھتے ہیں انہیں یکسوٹی اور حضور دل کے حصول کا شوق ہی ہوتا ہے لیکن ہر تدبیر کے چکر میں پھنسنے کی وجہ سے اس نعمت سے محروم رہتے ہیں اور اپنی خودی کے شاکی رہتے ہیں۔ یا دلہی کا ایک نشہ ہے لیکن اس نشہ کی بہا جب ہوتی ہے جب مہر رضا، توکل کے مرحلے طے ہو جائیں اور زندگی کے مخمضے یا دلہی کی قوت سے دب جائیں۔

ہوتا ہے تو ہمیشہ کے لیے اسے وہ اطمینان دلایا جاتا ہے جس کی خبر کسی دنیا دار، کسی فلاسفر، کسی حکیم کو نہیں۔

ایک بار حضرت شاہ ابوالخیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ امرت سر تشریف فرما ہوئے کئی بڑے بڑے علماء کرام اور مخلصین خدمت عالیہ میں حاضر تھے۔ آپ نے اپنے جوش میں آکر فرمایا۔ اگر ایک بار بھی کوئی اللہ کے اور خیال غیر نہ لائے۔ تو میں اسی وقت اسے خلافت دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن آہ نصیب کسی سے ہمت نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ اختیار سے باہر اور اس کے قبضہ قدرت کے اندر تھا۔ خود ذات باری عزاسمہ فرماتے ہیں۔ ذَلِكْ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ۔

ع۔ تیار کرنا باشد و میلش بکہ باشد؛

اس لیے ہادی عزاسمہ خود سالک کو تدبیر کے سمندر سے نکالنے کے لیے اور تقدیر کی چٹان پر پہنچانے کے لیے سامان مہیا کرتا ہے۔ اور تمام وہ ارادے جو سالک اپنی تدبیر کے لیے کرتا ہے۔ وہ بتمامہ ناکام کیے جاتے ہیں۔ بلکہ وقت آتا ہے۔ تو سالک ارادے کے خیال سے بھی کانپ اٹھتا ہے۔ کیونکہ اسے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ارادہ میں آیا۔ اس کے برعکس نتائج پیدا ہوں گے۔ یہاں تک کہ انتفاغے ارادہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور اپنے اختیار کی لگام اس کے قبضہ قدرت کے ہاتھ میں ڈے کر خود مجبور محض ہو بیٹھتا ہے۔ لیکن جب جبر سے اضطراب پیدا ہو کر اسے سنانے لگتا ہے اور ساتھ ہی بے تدبیری اسے آرام اور اطمینان کا مژرہ دلاتی ہے۔ تو اضطراب خود بخود اس سے زائل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بلکہ تقدیر کے تمام کارخانے

۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔

۲۔ دیکھیں یاد کس کا بنتا ہے اور اس کی طبع کا میلان کس کی جانب ہوتا ہے۔

۳۔ انتفاغے ارادہ۔ نفی ارادہ، یعنی سالک میں اس وقت ارادہ ختم ہو جاتا ہے۔

۴۔ مجبور ہو کر مضطر اور بے تدرار ہوتا ہے۔ اور اس بے تدراری کا علاج صرف تدبیر کو چھوڑنے میں

دیکھتا ہے۔

مشیتِ ایزدی کے تمام کارنامے اور ایزد متعال کے تمام قیود اپنے لیے  
 رموزِ حیات جانتا ہے۔ اس وقت سالک کے لیے زہرِ تریاق کا کام دیتا ہے  
 اور شیرِ پاسبانی کرتا ہے۔ سانپ اس کے جوتوں کا غلام ہو بیٹھتا ہے۔ اور  
 سالک بشریت کے تمام تقاضوں تمام خواہشوں اور تمام آلودگیوں سے  
 پاک اور صاف ہو کر بارگاہِ ایزدی کے جلال و جمال میں غرق رہتا ہے۔ اور  
 ماسوائے سے اعراض کر کے جاوہِ توکل کے ذریعہ مسندِ تسلیم پر قدم جاتکاتا  
 ہے۔ اور تسلیم و رضا کا تاج پہن کر سرِ افسرِ ملکوتیاں ہو بیٹھتا ہے اور زبانِ حال  
 سے کہتا ہے۔

نہ تو نور ہا نہ ہی میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی  
 (اسے ہی فنائے انا کہتے ہیں)

اس اجمال کی توضیح اس طرح ہے۔ کہ بچپن سے ہی قدرتِ ارادے کے خلاف  
 چلتی رہی۔ اور ہزاروں نہیں۔ لاکھوں ایسے مظاہرے دیکھے۔ جو ارادے کے برخلاف  
 ظہور پذیر ہوئے۔ گو کہ انجام ان کا شاندار تھا تاہم ہر وقت دل میں خیال آتا تھا کہ عجب  
 معاملہ ہے کہ ارادہ کچھ کیا جاتا ہے۔ اور ظہور اس کے برعکس ہوتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا  
 گھر سے جب میں نکلا تھا۔ تو اور ارادے اور خیال تھے۔ جب دہلی پہنچا۔ تو کچھ اور کرنے  
 لگ گیا۔ مولوی فاضل کا امتحان صرف وکالت کے لیے دیا تھا۔ لیکن جانکلے مدرسہ کی  
 چار دیواری میں۔ انگریزی پڑھی تھی ولایت کے وظیفہ عربیہ کے لیے اور آبیٹھے مسجد کے  
 کونے میں۔ ٹریننگ لی تھی تنخواہ کے زیادہ پانے کے لیے اور آبیٹھے نوکری چھوڑ کر غرض

۱۔ سالک آزما جاتا ہے کہ ارادہ الہی کے تمام اعمال حکمتوں سے بھر پور ہیں جب یہ یقین کامل ہو چکا ہے تو ہر مخالف چیز موافق ہو جاتی ہے۔ اور تاثرات  
 اشیاء بدل جاتی ہیں۔ سالک سرِ پا کر امت بن جاتا ہے۔ لیکن بشریت کے تقاضے نہ ہونے کی وجہ سے اسے اس سے کوئی سروکار نہیں وہ تو  
 پہلی تکلیفوں بھری زندگی میں بھی خوش تھا۔ یہی مقام انسانیت کا بلند ترین مقام ہے۔

۲۔ مشرقی علوم کی انتہائی ڈگریاں لے کر شروع شروع میں وکالت کا امتحان دیا جاسکتا تھا پھر جب بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی لوگوں کی کثرت ہو گئی تو یہ چیسیز بند  
 ہو گئی۔

۳۔ مشرقی علوم کی یونیورسٹی کی سندت والوں کے لئے سنٹرل ٹریننگ کالج میں ادنیٰ کلاس کھولی گئی۔ مشرقی علوم کے  
 تفضل جہاں تعلیم کی تربیت حاصل کرتے تھے۔

۴۔ اسلامیہ کالج پشاور میں حضرت قبلہ سات سال تک پروفیسر رہے نوکری سے مراد اسلامیہ کالج پشاور کی ملازمت ہے۔

مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ میری حیات کی اصلی غرض کیا ہے۔ جو کچھ بھی سوچتا ہوں۔ چند دن کے بعد کچھ اور نظر آتا ہے۔ یہی حالت ہے میرے دوسرے کاموں اور خیالوں کی۔

۲۳۸ جب کبھی میں نے پیسے جمع کرنے کا ارادہ کیا۔ کہ کفالت شعاری کا انجام بخیر ہے۔ تو

ایک کی جگہ دس ہی خرچ کرنے پڑے۔ ملازمت میں میں نے کئی بار یہ ارادہ کیا۔ لیکن جب صرف ایک سوزر نقد ہاتھ میں ہو گیا۔ تو بیماری آگئی۔ کوئی نقصان مال ہو گیا۔ کہیں سے تاوان پڑ گیا۔ یہ ایک بار کا واقعہ نہیں۔ جو اتفاقاً کہلائے۔ بلکہ عمر بھر کا تجربہ ہے۔ کئی بار اُسے وہم خیال کر کے اس کا مقابلہ بھی کیا۔ لیکن آخر کار کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ چاروں شانے چپت گر گئے۔ ایک بار کالج میں خانہ تعلیم کے اندر میں جماعت کے سامنے بیٹھا تھا۔ کہ پرنسپل آدھمکا۔ دیکھ کر منہ بنا تا ہوا چلا گیا۔ دوسرے دن میں نے اپنی خفقت دُور کرنے کے لیے سارا دن کھڑے ہو کر گزارا۔ لیکن جب اس کے آنے کی امید نہ رہی اور میں سٹولی پر بیٹھ گیا۔ تو اچانک داخل ہوا تقریباً یہ حالت دو ماہ رہی۔ آخر میں نے مجبور ہو کر یہ خیال واگذار کر دیا اور حسبِ عادت اٹھتے بیٹھتے تعلیم دینے لگا تو اب جب کبھی وہ آیا۔ اسی وقت آیا۔ کہ میں کھڑے ہوئے سخت انہماک میں تعلیم دے رہا ہوتا۔ وہ دیکھ کر اٹھے پاؤں بھاگتا۔ حالانکہ اس آخری دور میں زیادہ تر بیٹھ کر کام کرتا تھا۔ اب ان تمام اتفاقیات کو کس امر پر محمول کیا جائے۔ کہ محض حسن اتفاق ہے۔ یا اس کے اندر کچھ اور حقیقت ہے۔ جو اسے اپنے کارخانہ قدرت سے سرموٹنے نہیں دیتی۔

۲۳۹ اس کے علاوہ تمام کلی اور جزوی امور میں توقعات کے برخلاف نتائج پیدا ہوتے

۱۔ ”ہر کے راہبر کارے ساختند“

قدرت نے ہر ایک کو کسی خاص مصلحت تکوینی کے لئے بنایا ہے۔ اور اس مقام سے پہلے پہلے جس جس مقام پر بھی لے جایا جاتا ہے وہاں کے کچھ مشاہدات کچھ تجربات اور کچھ محض مصلحتیں ملحوظ ہوتی ہیں۔ جن کو قدرت اپنی محبت اور اپنی ولایت کے لئے منتخب فرمالتی ہے۔ نتیجے کا کوئی مقام اور کوئی منزل اسے راس نہیں آتی۔ اور بسا اوقات وہاں ناکامی کی صورت پیدا کر دی جاتی ہے۔ گونا گویا سے دل پرفرب پڑتی ہے لیکن دل کا ٹوٹنا دنیا سے مایوسیوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اور دنیا سے مایوسی ہی معرفت کا حرفِ اول ہے۔ جب تک ذہن میں دنیا کی اپنی اصلی بے معنی صورت نہ آئے گی تب تک اس کو کون چھوڑ سکتا ہے اور جس اور انقطاع کے بغیر معرفتِ الہی کے راستے کیسے طے ہو سکتے ہیں۔

رہے۔ جن دوستوں سے امید نفع تھی۔ ان سے نقصان ہی پہنچا۔ اور جو مخالف ہو کر مٹا ہوئے۔ اور امید خیر ان سے نہ رہی۔ تو وہی غلام ہوئے۔ اگلے دن کا واقعہ ہے کہ میں سفر سے آ رہا تھا۔ کہ ایک ہمسر نے میرا گھوڑا تھام لیا۔ اور نہایت عقیدت سے پیش آیا۔ میرے دل میں خیال آیا۔ یہ ایک پکا مخلص ہوگا۔ لیکن ایک دو ہفتہ نہ گزرنے پائے تھے کہ شرعی مسئلہ کے تنازعہ میں صرف وہی نہیں بلکہ اُس کا تمام گاؤں مجھے رشوت خوار کا الزام دینے لگا۔ اخلاص تو کہاں۔ اب علیک سلیک کو بھی ایک دوسرے کا جی نہیں چاہتا۔

۴۴۰ ہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اس راہ میں جن افعال کو گناہ کبیرہ خیال کیا جاتا ہے اور جن کے ارتکاب سے حد و شرعیہ قائم ہوتی ہیں۔ ایسے گناہوں کی سزا قانون سلوک اور درجہ و لائت میں کم ہے۔ لیکن وہ خیال جن کو قلبی ذمائم میں رکھا جاتا ہے۔ ان کی سزا سخت ترین ہے۔ بلکہ بعض وقت ایک معمولی سی لغزش قلبی پر جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ انھیں لوگوں کے باسے ارشاد ہوتا ہے۔ **لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَاِنَّ نَبْدًا وَّمَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْا مِمَّا سَبَّحُوْا بِهٖ اللّٰهُ**۔ یہ محاسبہ معمولی نہیں۔ بلکہ زبردست محاسبہ ہے جو پڑیوں کو توڑ دیتا ہے۔ دماغ کو پکلا دیتا ہے۔ بلکہ زمین کا دائرہ سالک کے لیے سوراخ سوزن سے تنگ کر دیا جاتا ہے۔ اور سالک کی ذات کو اُس کے اندر سے کھینچا جاتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے کونسا گناہ کیا تھا۔ کہ آ رہے کے نیچے ان کا سر پڑا گیا۔ حضرت یونس نے کونسی گستاخی کی تھی۔ کہ مچھلی کے پیٹ میں دے دیتے گئے تھے۔ صرف ایک تسلی

۱۔ قدرت کے تمام کام حکمت بھرے ہوتے ہیں، دنیا کو سالک کا مخالف بنا کر اسے اپنی ذات پر بھروسہ کا سبق دیا جاتا ہے اور مخالفین کو ان کی سابقہ بدکرداریوں کی نذر یوں ہی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کی مخالفت کریں اور اللہ کے بندوں کے دل میں ان سے نفرت پیدا ہو جائے اور ہدایت کا باب ان پر بند ہو جائے کہ جب وہ عقیدت اور محبت سے ان کے قریب آئیں گے ان کے مؤثر کلمات نہیں گئے تو گرا ہی پختہ ہوگی اور دل کے پرے اور بڑھیں گے اور مخالفین نے انہیں علیہم السلام پر بھی الزام لگائے جس سے انہیں علیہم السلام کی ان سے نفرت بڑھی اور مخالفوں کی اپنی قسوت قلبی بڑھی۔

۲۔ قدرت لطیف ہے انسان کا قلب لطیف ہے۔ سالک لطافت کے راستے طے کر رہا ہوتا ہے ایسے ذہنی اور قلبی ذمائم (برائیاں) اسکی لطافت قلبی کو ضائع کرتی ہیں لطیف مطلق کے سامنے پوش ہو جاتی ہیں ایسے ایسی برائیاں برائیوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور سالک کو قلبی لغزشوں کے نتائج دکھائے جاتے ہیں جو شرعی برائیوں سے اس کے نزدیک کہیں زیادہ ہوتے ہیں۔ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کا ہے تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کر دیا ان کو چھپاؤ اللہ تعالیٰ انکی حساب لگائے گا سالک کو جب قلبی لغزش کی سزا ملتی ہے تو دنیا کی پریشانیوں اور تکالیف اسے گھیر لیتی ہیں۔



لغزش تھی جس نے اتنی بڑی سزا دلوائی۔ جو کسی کے وہم میں بھی نہیں آسکتی۔  
 ۴۴۱ اہل حقیقت یہ ہے۔ کہ ولایت یا نبوت تمام کائنات کی جڑ ہے۔ اگر اس میں ذرہ  
 بھر بھی نقص آجائے۔ تو تمام کائنات کھوکھلی پڑ جاتی ہے۔ اس لیے نبی اور ولی کے قلب  
 کی ہر ایک جنبش پر پوری پوری نگہداشت کی جاتی ہے۔ بخلاف افعال کے۔ کیونکہ افعال  
 کا تعلق اگرچہ قلب کے ساتھ نہایت مضبوط ہے۔ تاہم بعض وقت نادانی میں افعال بلا ارادہ  
 سرزد ہوتے ہیں۔ ان کا تعلق ارادہ بشری سے تو نہیں ہوتا۔ بلکہ ارادہ ازلی ان سے ایسے  
 افعال سرزد کرانا ہے۔ تاکہ وہ حلقہ بشریت سے باہر نکل کر خلق اللہ کی تباہی کا باعث نہ  
 ہوں۔ کہ خلقت انھیں الوہیت کا درجہ دے بیٹھے ساتھ ہی خود ایسے افعال ان کی فطرتی  
 ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔ جبکہ از تکاب کے بعد ندامت کے پانی سے فطرتی کدورت کو  
 صاف کیا جاتا ہے۔

۴۴۲ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام بہشت میں پیدا کیے گئے۔ فطرتی کدورت  
 ابھی تھی۔ جس نے باہر پھینک دیا۔ لیکن زمین پر آکر اپنا نشہ غفلت دور دیکھا۔ کہ کتنا  
 میلہ کسٹلا ہوں۔ جوش دل نے کدورت کو آنسوؤں کے ذریعے باہر پھینک دیا۔ مینہ کی  
 طرح آنسو برسنے لگے۔ دامن عفت کی چادر پر جو داغ سیاہ عصیاں پڑے تھے۔ وہ  
 سب دھو ڈالے۔ اور مغفور و مقبول ہو کر پھر داخل بہشت ہوئے۔ اور خَالِدِیْنَ فِیْهَا  
 اَبَدًا لَّهْمُ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ کی پکی سند پائی۔ اب یہ آدم اور وہ آدم  
 ایک نہیں۔ بلکہ پہلے ہیں کدورت تھی۔ اب کدورت کا نام تک نہیں۔ پہلے انانیت  
 تھی۔ اب انانیت کی بونہ رہی۔ پہلے سراسر ناز تھے۔ اب سراسر نیاز ہوئے فَلِلّٰہِ

علا نبوت اور ولایت روح کی صلاحیتوں اور کیفیتوں کا نام ہے جس طرح روح کائنات کی زندگی ہے۔ اگر کیفیت بگڑ گئی تو کائنات روح بگڑ  
 گئی اور عالم میں فساد آیا۔ ایسے نبی اور ولی کی کیفیات قلبی کو سلامت رکھنا ہی کائنات کی سلامتی ہے۔ ع سلامت ہمہ فاق در سلامت تست افعال کا چشمہ قلب ہے اور دل پر تاثیرات وہ  
 قسم کی ہوتی ہیں اول کسی تاثیرات ذمہ کو نبی ازلی تاثیرات کسی تاثیرات سے پیدا شدہ نتائج سنگین ہیں نسبت ازلی تقدیری تاثیرات کے کیونکہ ان میں ارادہ بشری کام نہیں کر رہا ہوتا بلکہ بشر  
 کی صلاح کے لیے بشر ہی مڑوں۔ انبیا اور اولیاء بشریت کے تقاضوں کی خلاف چل چل کر روح خالص اور نور مجسم ہو چکے ہیں اور الہی تاثیرات کا زمین پر بہترین مظہر ہوتے ہیں عوام کے لیے یہ مقام  
 توحید چھوڑ کر غیر خدا کو خدا سمجھنے کے دھوکے اور خطرے کا بڑا مقام ہے اس لیے ارادہ ازلی اپنی مخلوق کو الہی بشریت کا عملی اقرار کرتا ہے اور ان سے بعض ظاہری لغزشیں اور ظاہری  
 کزدبانہ بند ہوتی ہیں جن کی بنا پر خدا ان پر بھی اپنا مقام مانع رہتا ہے اور مخلوق الہی بھی خدا کو خدا سمجھنے کے لیے آنکھیں بند کرتی ہے۔ جب ملائکہ میں فرق محفوظ رکھا جائے۔ اور  
 مخلوق کو الوہیت کا درجہ دیا جائے تو یہی روح کی تباہی ہے اور ناقابل معافی گناہ ہے انسان ایک معجز ہے بلند اور پست تو فرق۔ بندیوں کے تقاضے چھوڑنے اور پستی کے روانے کھٹکانے  
 سے جب اس پر ندامت چھا جاتی ہے تو یہی ندامت کا پسینہ عرش کے متقی بن جانا ہے اور اللہ کریم اس کی اس حالت کو پسند فرماتا ہے اور اس کے درجہ میں بندی عطا فرماتا ہے۔  
 موتی سمجھ کے شان کری نے چن لئے ۷ قطرے ۶ قطرے میرے عرق افعال کے (بقیہ صفحہ ۱۷۲ پر)

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
 وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ اگرچہ پہلے واقعات اور حالات میری بصیرت افروزی  
 کے لیے کچھ کم نہ تھے۔ لیکن حلقہ غلامی میں داخل ہوتے ہی ان واقعات عبرت آموز نے اور

بھی ترقی کی اور اب ہر امر پر پوری نگہداشت شروع ہوئی۔ اور ہر موقع ہر امر میں مجھے  
 متنبہ کیا جاتا۔ پیر و مرشد رحمۃ اللہ علیہ بار بار فرماتے: "کہ انَّ مَعَ الْعُسْرِ  
 يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا سے مجھے تو سب کچھ دکھائی دے رہا ہے۔" پھر میں  
 اتنا غافل تو نہ تھا کہ جو سلوک مجھ سے کیا جاتا۔ اس کی حقیقت سے میں آگاہ نہ ہوتا۔ بلکہ

خوب جانتا تھا۔ کہ میری بہتری کے لیے سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ ورنہ وہ ذات پاک بحیب  
 عز اسمہ ان تمام عیوب پاک ہے جو کسی کے دل اور وہم میں آتے ہیں۔ مجھے کبھی بھی

گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی آخر قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے عزیز مرحوم کی وفات کے بعد نہایت  
 شان اور تسلی سے فرمایا: "کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی چالیس سال کیسے گزرے

اور پھر صرف دس سال میں کیا کچھ ہو گیا۔ ان الفاظ مبارکہ کے ساتھ میرے وہ کچھ رموز  
 حیات وابستہ ہیں۔ جن کو مولیٰ کریم جانتا ہے۔ یا میں خود جانتا ہوں کسی دوسرے کو ان  
 سے کیا تعلق۔ قَالَ اللَّهُ خَيْرٌ خَافِظًا وَهُوَ الرَّاحِمِينَ ط

گر دیوان غزل صدر نشینم چه عجب

سالہا بند گئے صاحب دیوان کردم

اب چند چھوٹے چھوٹے واقعات لکھتا ہوں۔ جو ناظرین کے لیے بصیرت افروز  
 ثابت ہوں گے۔ وَرَنَ قِصَّةَ الْعِشْقِ لَا نِقْصَامَ لَهَا يَهْ اَبِكْ مَجْبُوبًا نَهْ چھپر چھاڑ

(بغیر صفحہ ۱۷۱) علامتی بھول جانا یا فرمان کی اطاعت سے منہ موڑنا ایک ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے ان کے لئے اللہ کی بخشش ہے اور بلند ترین رزق  
 علامت سب تعریف اللہ کے لئے ہے اور اللہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے اور زمین میں اور آسمانوں میں اسی کی بڑائی ہے اور وہ غلبے والا ہے اور حکمت والا علامت بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے  
 بیشک تنگی کے ساتھ فراخی ہے علامت حضور و رزق کوئی کی ابتدائی زندگی مصائب اور تکالیف سے پڑتی پھر نبوت کے ظہور کے بعد کی زندگی میں تو مصائب اور پریشانیوں نے سد ہی کر دی لیکن  
 پھر جب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوا تو حال نے ایسا پیش کیا کہ دشمن دست بن گئے اور فتوحات کے باب کھل گئے علامت دلالت کا بھی یہی حال ہے جس کو جتنا بندی پر لے جانا مقصود ہوتا ہے آقا ہی اس کی  
 تربیت جلالی کمال کی جاتی ہے اور سالہا گذرہ ذرہ ذرہ وجود کا اور لمحہ لمحہ وقت کا مصائب میں پڑا ہوتا ہے اور مصائب ظاہری ہوں خواہ بانی جن پر گزرتے ہیں وہی جانتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ بہترین محافظ ہے اور وہ سب رحم والوں سے زیادہ رحم والا ہے۔

علامت اگر میں غزل کے باب میں سب سے سبقت لے گیا ہوں تو اس میں تعجب کا کوئی مقام ہے میں نے سالہا سال صاحب دیوان کی غلامی میں گزار دی ہے۔

علامت عشق کی داستان کو افسانہ نہیں ہے۔

ہے جو ختم نہ ہوگی۔ کوئی نماز میں لذت اٹھائے۔ کوئی فکر میں اور کوئی ذکر میں۔۔۔۔۔  
 . . . اور کوئی تلاوت میں۔ لیکن سجدہ ہمیں تو اس چھیڑ چھاڑ میں لطف آتا ہے۔ ورنہ  
 وہ دنیا سے زیادہ رحیم ہو کر ہم سے سلوک کر رہا ہے۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کا اضطراب سے کہ  
 وہ چھم چھم برستا ہے۔ کہ ہمارا ہر سر مو بھی خوش ہو کر سر نیاز میں ہو جاتا ہے۔

۲۲۳ ایک دن کا واقعہ نہیں۔ دوکانہیں کہ اس کو اتفاق سے تعبیر کروں۔ بلکہ ہر گھڑی  
 ہر آن کا ہے۔ اور ایک زمانہ سے۔ ہاں! بعض وقت ایسے مایوس کرتا ہے اور ایسی ٹیڑھی  
 چال چلتا ہے اور الٹی شطرنج بچھاتا ہے۔ کہ آبرو اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں لیکن  
 جب جان سخت گھبراہٹ میں گھر جاتی ہے۔ تو صاف بچا لیتا ہے۔

۲۲۳ اکثر سنتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام پر آتش نرود کو کلزار کر دیا  
 تھا۔ لیکن ع شنیہ کے بودمانند دیدہ

ہم تو خود روزانہ یہ معاملہ دیکھتے ہیں۔ پھر کھلا ہمارے ایمان اور یقین میں شک کیوں  
 ہو۔ صرف نموناً لکھتا ہوں ورنہ تکرار سے کیا فائدہ۔

۲۲۵ ایک بار والد علیہ الرحمۃ کی مزار مبارک پر بیٹھے خیال آیا۔ کہ اتنے بزرگ اور اتنے  
 تعلقدار ہوتے ہوئے جو گھوڑی چرائی گئی تھی اور یہ تلاش نہ کر سکے۔ میرا وقت ہوتا تو  
 کیوں نہ ملتی۔ لیکن خیال کے بعد ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ پھر گھوڑی چرائی گئی اور کھوج  
 بھی لگ گیا۔ لیکن یک دم پھر ایسی گم ہوئی اور چوروں نے انکار کیا۔ کہ واپس پانے کی  
 کوئی صورت مہیا نہ ہوئی۔ دوست بھی ہزاروں تھے۔ مددگار بھی سینکڑوں اور اپنے  
 فن کے استاد بھی تھے اور اپنے سینے پر ہاتھ بھی مارتے تھے۔ کہ ڈھونڈنے بغیر نہ

۱۔ بعض اوقات تکالیف کا عرصہ بڑھ جاتا ہے جتنا عسر کا عرصہ زیادہ ہوگا یسر بھی اتنا وسیع ہوگا اور بعض اوقات  
 تکالیف مختصر ہوتی ہیں اور ساتھ کے ساتھ باب رحمت کھلتے جاتے ہیں اور فطرت انسانی ہے کہ تکالیف کے بعد جو  
 راحت آئے گی وہ شکر اور نیاز کی ملی جلی کیفیت کی حامل ہوگی۔

۲۔ سنا ہوا دیکھے ہوئے کی مانند کب ہوتا ہے۔ فقر و ارشاد مشاہدہ کی کیفیات کا نور ہے۔  
 شہر آئی حقائق دنیا میں اپنا کام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور معجزات کی دنیا اب بھی  
 آباد ہے، صرف نظر کی ضرورت ہے۔ کم نظر کیا جائیں۔ صاحب مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں  
 اور اس کے کرشموں کا اپنے اندر اپنے باہر اور کائنات کے ذرے ذرے میں مشاہدہ کرتا  
 ہے۔ !

بچھوڑیں گے۔ لیکن جتنے قدم آگے بڑھتے تھے۔ اتنے ہی اپنے نقصان میں بڑھتے تھے۔  
 میں خود کئی بار تلاش کے لیے اٹھا۔ لیکن ہر بار اپنے سر ہی گرا۔ تاہم عزم میں فرق نہ آیا۔  
 آخر تلاش کے لیے نکلا تو نوکوس کے فاصلہ پر وہ سزاوار تپ چڑھا۔ کہ ہفتہ تک ہوش  
 نہ آیا۔ اس پر اپنی تقصیر اپنے سامنے آگئی۔ بارگاہِ الہی میں عجز و نیاز ادا کیا اور وعدہ کیا۔  
 کہ اس کے بعد تلاش کے لیے کبھی قدم نہ اٹھاؤں گا اور نہ ہی تلاش کا ارادہ کروں گا۔ لیکن  
 کوئی تصرف میں نے لکھ دیا۔ لیکن آج بھی اس دکھ کو یاد کرتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہوتے  
 ہیں۔ آخر قصور کیا تھا؟ وہی لغزش قلبی۔

۴۴۶ لاہور میں ایک سائل نے ایک پیسہ مانگا۔ میں نے ساتھی سے کہا کہ کہاں تک  
 سائل پورے ہو سکتے ہیں اتنے میں تانگہ آگیا۔ بیٹھ کر اسٹیشن پر پہنچے۔ ٹکٹ لے کر  
 جب گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اور گاڑی چلنے لگی۔ تو مہسی ٹوٹا یاد آیا۔ کہ تانگے میں رہ گیا۔ ایک  
 پیسہ کے بدلے پورے اڑھائی روپیہ کا جرمانہ کیا گیا۔ پھر تو ہوش آگیا۔

۴۴۷ اگلے دن کا واقعہ ہے کہ دلی دروازہ سے باغبان پورہ جانے کے لیے ٹانگے والے  
 سے پوچھا۔ تو چار آنے کہے۔ میں نے کہا۔ ایک دو اور سے پوچھ لوں۔ شاید کوئی کم پرے  
 چلے۔ بس کیا تھا۔ جس سے پوچھوں۔ چھ آنے سات آنے۔ آٹھ آنے مانگے۔ پورے  
 نصف گھنٹے کے بعد پھر بھی پانچ آنے پر بٹھایا۔ وہ بھی تب جب اپنی غلطی کا اقرار  
 کر کے نادم ہوا۔

۴۴۸ ملکوال کے اسٹیشن پر صرف تین آنے کے پیسے کے لیے وہ مصیبت اٹھائی کہ  
 مہینوں پاؤں باندھے پھرا۔ موٹر والے نے آٹھ آنے فی سواری طلب کیے اور ٹم ٹم والے

۱۔ بعض اوقات بعض الفاظ اور بعض خیالات حیران کن نتائج پیدا کرتے ہیں۔ سالک تعلق باللہ کے نور سے ان نتائج

کو ان قلبی یا زبانی اعمال سے وابستہ دیکھ کر سر نیاز جھکا دیتے ہیں عجز و انکسار بارگاہِ ستار و غفار میں پیش کرتے

ہیں تو بڑے استغفار کرتے ہیں اور رحم و کرم کو دعوت دیتے ہیں اور عفو و کرم کے پھول حاصل کرتے ہیں اور یہ سلسلہ

ہمیشہ قائم رہتا ہے سالک کو اپنی زبان اور اپنے دل پر ہمیشہ پرو دینا پڑتا ہے کہ کہیں ان کی کسی لغزش سے بال نہ آجائے۔

نے پانچ آنے۔ ہم دو آدمی تھے۔ ٹم ٹم پر سوار ہو گئے۔ خدا کی مار۔ نہ تو گھوڑا چلے۔ نہ سا پہ نظر آئے۔ ادھر کو چوان اس بے چارے کو چابک پہ چابک مارے۔ میں نے اسے کہا۔ فکر نہیں آہستہ پہنچ جائیں گے۔ لیکن اسے کیا معلوم کہ بندر کی بلا طویلہ پر پڑے گی۔ آخر گھوڑے نے ٹھوکر کھا، دھم سے گر پڑا۔ مجھے بھی ایک دو جگہ معمولی سی خراش آئی۔ لیکن پاؤں کے چھترے پر جو خراش آئی تھی۔ اس نے کئی ماہ مجھے لنگڑا کر دیا۔ بہتیرے علاج کیے فائدہ کی بجائے الٹا زخم کھلتا گیا۔ کئی ماہ کے بعد خود رحم کھایا اور اچھا ہو گیا۔

۱۳۹ ﷺ شریف کا عرس مبارک قریب آیا۔ تو خیال آیا۔ کہ والعصر کی تفسیر اب کے صوفیوں کو سنا کر انھیں خوب بھلی بری سناؤں گا۔ عین روانگی کے دن اپنی حویلی کو جا رہا تھا کہ ٹخنے کی رگ میں راستہ میں جاتے ہوئے کانٹا چبھ گیا۔ جو فوراً اپنے ہاتھوں کھینچ لیا۔ لیکن جوں جوں ہوا لگتی گئی۔ رگ میں ہوا بھر گئی۔ آخر کئی دن لاچار رہی سے گزارے۔ بارگاہ بے نیاز میں قصور کا اعتراف کیا۔ تب جا کر کوئی ڈیڑھ ماہ کے بعد آرام ہوا۔

۲۵۰ موسمِ بخار تھا۔ خلقتِ خدا بیماری بخار میں مبتلا تھی۔ لیکن بہارِ اکھڑا السلام بنا ہوا تھا۔ لنگر کے تمام آدمی اچھے بھلے تھے اور ایک مکان کی تعمیر شروع تھی جب چھت کے قریب پہنچی۔ تو مستری کو ایک دو دن کا کام تھا۔ اور مجھے بھی ﷺ شریف کی کشش ہو رہی تھی۔ وہ گھر گیا۔ اور میں ﷺ شریف لیکن جاتے ہوئے فیصلہ کر گئے۔ کہ ضرور اترسوں چھت ڈالیں گے۔ پھر کیا تھا۔ ﷺ شریف میں ہی نہیں بیمار ہو گیا اور مستری بھی خدا معلوم کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ باقی کارندے بھی یکے بعد دیگرے چار پائی پر گرتے

۱۔ ایک محاورہ ہے کہ قصور کسی کا اور دھریا گیا کوئی۔ امتحان تو سالک کا ہو۔ ہاں اور متعلقات کو بھی شامل اہل کر دیا گیا ہے۔

۲۔ ﷺ شریف۔ تحصیل پٹوآں ضلع جہلم میں ایک قصبہ ہے یہاں حضرت اعلیٰ غلام نبی کے وجودِ باوجود سے ایک خانقاہ طریقت بنی حضرت کا عرس مبارک ۲۱ ربیع الاول کو ہوتا ہے۔ ۳۔ والعصر ان انسان لغی خسر (پارہ تیسرا) صوفی حضرات کی قسم اول تو طلب الی میں جیتی اور مرقی ہے لیکن ان تصوف کی کامیابی راہ مولانا محمد کریم جو نسبت طبیعت لوگ اس کامیابی کے حال کو دہریا طر پر پندہ کے سوجی کے حصوں کی طرف آتے ہیں یا ان کا داعیہ طلب کو بچے کا ہوتا ہے اور شکل صورت میں قسم اول سے جتنے جتنے ہیں اور نقص اعلیٰ کے لئے قربانی دینے سے واقف نہیں ہوتے ان کو حقائق سنانے کا خیال فریاد نہیں چونکہ مخلوق کے ادنیٰ اور اعلیٰ احوال خود حقائق و مالک کی طرف سے ہیں اور سالک کو قدرت کے افعال پر مبنی کھونے کی اجازت نہیں اس لئے اس خیال کو ہی ناپسند فرمایا اور تکلیف دی گئی۔

۴۔ سالک خیال سے گرفت ہوتی ہے اور اس کا علاج بارگاہ بے نیاز میں اعترافِ قصور اور توبہ استغفار کے سوا کچھ نہیں۔ ۵۔ سدا منی کا گھر ۶۔ سالک کا ارادہ اپنا نہیں ہونا چاہیے بلکہ ارادہ الہی کی اتباع ہو۔ کچھ ارادہ ہونے میرا اگر ارادہ میں کروں ۷۔ جو ارادہ تو کرے پھر وہ ارادہ میں کروں

گئے۔ یہاں تک کہ کئی ماہ کے بعد بھی کسی کو یہ خیال نہ آیا۔ کہ چھت بھی ڈالنی تھی۔ آخر پورا سال گذر گیا۔ کوئی سامان پیدا نہ ہوا جب کبھی ارادہ کیا۔ تو ایسا سخت مانع و پریش آیا۔ کہ پھر سب کچھ کیا کرتا رکھا رہ گیا۔ آخر مرحوم عابد (نور اللہ مرقدا) نے وفات سے چند دن پیشتر مجبور کیا تو میں نے اسے اپنی غلطی اور لغزش بتلائی کہ اصل حقیقت یہ ہے۔ اب کے میں باز آیا۔ تمھارے کہنے سے کام شروع کرانا ہوں۔ چنانچہ اب کے کام شروع ہو کر بخیر سرانجام ہوا۔

۲۵۱ ہمارے گاؤں میں ایک مستری آہستہ کام کرنے کا عادی ہے۔ جب کبھی مجھے اس کی سستی اور کاہلی سے گریز کا ارادہ ہوا۔ تب ہی مجبور کیا گیا۔ کہ کام اسی کے ہاتھ سے ہو۔ یہ ایک دفعہ کا واقعہ نہیں۔ کئی بار کا ہے۔ تدبیر کے برخلاف تقدیر کے عمدہ نتائج کئی بار دیکھے۔ ذیل کے واقعات نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

۲۵۲ ایک بار رقبہ کی آبپاشی کے لیے بہت بڑی کوشش کی گئی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ کئی بار تدارک ہوا۔ لیکن ہر بار کسی نہ کسی وجہ سے فیل ہو گیا۔ چونکہ زمین شوردار تھی۔ اور پہلے سال ہی پٹہ میں آئی تھی۔ ساتھ ہی پٹہ خواہاں نے تدارک آب پاشی روک دیا تھا۔ اس لیے سخت باہوسی ہوئی اور پٹہ کا زرق و برق ضائع ہوتا نظر آیا۔ مگر مولیٰ کریم نے آخر بھادوں میں وہ بارش کثیر اور وہ طغیانی عظیم بھیجی۔ کہ تمام جنگل منگل ہو گئے۔ اور دو سال نہ پٹہ کی وصولی پہلے سال ہو گئی۔ اگر آب پاشی ہوتی تو آبپاشی کا خرچ زیادہ پڑتا۔

۲۵۳ گذشتہ سال کا واقعہ ہے۔ کہ ایک چاہیچہ میں ہمارا اور ہمارے بڑے چچا صاحب کا ۱/۲ حصہ ہر ایک کا تھا اور چھوٹے صاحب ۱/۴ کے مالک تھے۔ مدت سے یہ

۱۔ اللہ اس کی قبر کو روشن فرمادے۔

۲۔ عارف پر احوال کھل جاتے ہیں نرشی اور عمر کے اسباب معلوم ہو جاتے ہیں اور یقین ہوتا ہے کہ فلاں حالت فلاں سبب سے وابستہ ہے۔

۳۔ ساکب کو تدبیر کے بھنور سے بار بار نکالا جاتا ہے اور اس کے حق میں تدبیر کے نقصان کو واضح کیا جاتا ہے۔ پھر جب ساکب اپنی تدبیر کی نفی کے

مقام پر پہنچ جاتا ہے تو تقدیر کے وہ امور اس پر منکشف کر دئے جاتے ہیں جو تدبیر کرنے سے اٹنے نتائج پیدا کرتے اور نتائج ساکب کے خلاف جاتے۔

چھوٹا کنواں ویران تھا اور کاغذات میں انھوں نے اپنے نام کرا لیا تھا جب ان کو یقین ہو گیا۔ کہ اب اُس کی مبعاد گذر گئی۔ تو مرت کرانی شروع کی۔ حضرت عموی صنا نے مجھے فرمایا کہ اپنا حصہ طلب کرنا چاہیے۔ میں نے عرض کی بے فائدہ ہے۔ وہ خوشی سے نہ دیں گے۔ آخر ان کے اصرار سے چھوٹے چچا صاحب سے طلب کیا۔ تو انھوں نے انکار فرمایا۔ نوبت بہ سختی رسید کا مسئلہ ہو گیا۔ اتفاقاً قاری اللہ بخش صاحب بھی حکم حضرت قبلہ میاں صاحب تشریف لائے ہوئے تھے۔ انھوں نے حقیقتِ حال سے مطلع ہو کر چچا صاحب سے بڑی منت سماجت کی لیکن آپ نے فرمایا حصہ تو ان کا نہیں۔ آپ کے کہنے سے اتنا کرتا ہوں۔ کہ کنوئیں کا برج اکھیر کر اینٹیں اپنی لے لیوں۔ لیکن خود سوچئے۔ اینٹیں ہمارے کس کام تھیں۔ انکو رکھنے کہہ کر چھوڑ دیئے۔ آخر چچا صاحب نے اسے مرمت کرایا۔ چوب چکلے سے آراستہ کیا۔ لیکن میرے مولے کو وہ منظور ہوا۔ کہ ایک بار کاشت کی گئی تو بارش نے تخم ریزی بیکار کر دی۔ اور دوسری بار کاشت کی گئی۔ تو دریا کی طغیانی نے کاشت چھوڑ۔ کاشتکار کی جڑ اکھیر دی۔ آخر وہ چلنا بنا۔ آج تین سال ہو گئے۔ تمام کچھ بنا بنا یا رکھا ہے لیکن بیکار۔

۴۵۴ چونکہ میرے مکان کے قریب چاہیچہ واقع ہوا ہے اور یہ سچے سے ہر وقت اس پر نظر پڑتی ہے۔ تو ہر وقت مَدَبَرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ کی شان نظر آتی ہے! اور ہر وقت شاکر رہتا ہوں۔ کہ اس نے ہماری تمام کوشش بے سود کی۔ ورنہ ہمارے پیسے بھی اس ویراں کنوئیں میں رہتے۔

۱۔ حضرت محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ جو حضورؐ کے چچا اور خسر تھے۔

۲۔ فیض پور ضلع شیخوپورہ (نزد شرقپور شریف) کے قاری اللہ بخش صاحب جو حضرت اعلیٰ پرہیز کے

خلیفہ اور منت میں صاحب رقبہ ہی ممتا اللہ علیہ کے دست تھے۔ جن کا ذکر پہلے بھی آچھا ہے۔

۳۔ آسمان اور زمین کے کاموں کی تدبیر کرنے والا۔

۲۵۵ اگلے دن کا ایک واقعہ اس سے بھی عجیب ہے۔ کہ عرس حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سات آٹھ ربیع الاول کو میں واپس ہوا۔ وفات شریف کے عرس کے لیے گوشت کی ضرورت تھی۔ چونکہ گاؤں میں گوشت نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے لیے دوسرے گاؤں میں تدارک کے لیے آدمی بھیجا۔ لیکن زمانہ کانشیب، فراز عجیب و غریب ہے۔ کہ قدیم زمانہ میں خائفوں اور مساجد و مہبہ میں وہ لوگ ہاکرتے تھے۔ جو نہایت ہوشیار اور عقلمند چست اور ذی علم اور زیرک ہوتے تھے۔ کیونکہ لطیف کی تلاش۔ لطیف طبیعت ہی اپنے ذمہ لے سکتی ہے۔ لیکن زمانہ حاضرہ میں چست اور زیرک لوگوں نے دنیاوی سُخ لے لیا۔ اب ہے تو اپنا بیج اور کاہل۔ یا کوئی بیچارہ۔ سو خائف ہیں اور مساجد ان لوگوں سے پر ہیں۔

۲۵۶ اس لیے ایک صوفی صاحب کو روانہ کیا۔ تو کچھ اڑھلیا سا کام کر آئے نستی نہ ہوئی۔ تو بڑے صوفی صاحب کو روانہ کیا۔ کیونکہ پہلے صوفی صاحب کہتے تھے۔ کہ آٹھ سیر گائے کا۔ اور دس سیر بیل کا وہ گوشت دیں گے جس میں سے صاف معلوم ہوگا تھا۔ کہ عقد بیع ابھی تک نہیں ہوا۔ لیکن وہ گئے۔ اور آئے۔ کہ پہلا صوفی فیصلہ کر آیا ہے۔ قصاب گھر نہ تھا۔ گھر والی نے کہا۔ کہ وہ تمہارے لیے مویشی لینے گیا۔ میں نے بڑے صوفی جی کو کہا۔ نہ پہلے فیصلہ ہو انہ اب۔ پھر جاؤ اور جا کر پیشدستی (بیعانہ) دے آؤ۔ لیکن صوفی جی نے کہا۔ کوئی ضرورت نہیں۔ وہ کل مویشی ضرور ہی لے آئیں گے۔

۲۵۷ دوسرا دن وفات کا تھا۔ پہلے صوفی صاحب کو کہا گیا۔ جاؤ اور قصابوں کو لاؤ۔ وہ گیا۔ اور عمدہ گائیں قصابوں کے ہمراہ لایا۔ میں روضہ شریف کی فاتحہ سے آیا تو دیکھ کر

حضرت اعلیٰ شرفپوری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس شرفپور شریف میں یکم دوم سوم ربیع الاول کو ہر سال منعقد ہوتا ہے۔  
۱۲ ربیع الاول کو عرس وفات شریف بربل شریف میں حضرت اعلیٰ بربلوی غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے قائم ہے۔  
مذہب کا مقصد اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنا ہے مسجد و خانقاہ اس مقصد کے لیے بہترین مقام ہے عبادت و نیاز سے تعلق جوڑتا ہے۔ لیکن جوں جوں دنیا کی محبت بڑھے گی عقل کی دنیا رُوح کے مخالف چل کر مقصد پیدائش کے خلاف چلے گی اور میرٹھ میں مقامات سرف بے مقصد لوگوں کی گزرانہ ذریعہ اور مقام بن جائیں گے۔

نہایت ذہین باہمت اور شہسور بند درجے کا انسان اس مقصد عظیم یعنی معرفت الہی کے راستے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔  
جس کی عقل جن کا فہم آخرت کو سمجھنے کی اہمت رکھتا ہو اور اس کی ہمت آخرت کے لئے قربانی دے سکے اور دنیا کو پاؤں کے نیچے رکھے۔  
(بقیہ صفحہ ۱۷۹ پر)



خوشی ہوئی۔ لیکن جب جگنا دیکھا۔ تو دریافت کیا معاملہ کیا ہے حقیقت کھلی تو یہ کہ کل کے دن بعد دوپہر ایک شخص دو روپیہ پیشہ سنی (بیگانہ) اور رے آیا۔ جو چھوٹے چچا صاحب کی طرف سے تھا۔ اب قصاب حیران کہ کس کو تریح دی جائے۔ بڑا قصاب ہمارے رُخ تھا۔ کہ میں نے انھیں گوشت دینے کا وعدہ کیا۔ لیکن اس کا نوجوان بھائی ان کی طرف مائل تھا کہ پہلے ہم ان کے لیے گئے تھے۔ تو کوئی مولشی ماتھ نہ آیا۔ پھر ظہر کے وقت ان کا آدمی جب پیش دستی سے آیا۔ تو پھر یہ مولشی تلاش کیے گئے۔

۲۵۸ معلوم نہیں مجھے اطمینان کیوں تھا۔ حال و حقیقت سنکر میں نے نہایت تسلی سے کہا۔ کہ جس طرح قصابوں کے خیال میں آئے کر لیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ وہ اسی شش و پنج میں تھے۔ کہ ہمارے چچا صاحب کا ایک چرکٹہ (ایک جوان ڈاڑھی منڈا خادم) آیا اور مولشی کھول کر اپنی حویلی میں لے گیا۔ قصاب منہ تکتے رہ گئے آخر میں نے بنیں سیر گوشت وال کے لیے طلب کیا۔ قصاب نے دینے کا بھی وعدہ کیا لیکن مہربانوں کی مہربانی کی وجہ سے وہ بھی میسر نہ ہوا۔ مگر پریشانی نہیں تھی۔ حلوا و وال کی تجویز کر لی اور اطمینان سے لیٹ گئے۔ ابھی گھنٹہ بھر نہیں گذرا ہوگا کہ ایک آدمی آیا۔ اُس نے کہا ہم نے بہل ذبح کیا ہے جسے دبلا پتلا خیال کرتے تھے۔ وہ اچھا موٹا نکلا ہے۔ ضرورت ہے تو لے جاؤ۔ میں نے ایک آدمی کو دیکھنے کے لیے کہا۔ وہ دیکھ کر آیا۔ تو کہنے لگا گوشت اچھا ہے۔ میں نے کہا۔ دامن کافی ہے لیتے آؤ۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سارے نین روپیہ میں تمام بہل کا گوشت اٹھالائے جو چار من کے قریب تھا پکا اور خوب مزیدار پکا۔ احباب نے پسند فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۸) ۵۰ کنذہن

یعنی عرس مبارک بارہ وفات

حضرت اعلیٰ بیروبی غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا روضہ مبارک بیر بل شریف میں شہر سے مشرقی جانب قبرستان کے جنوب مغرب میں ہے۔ بلند چوڑے پر خوبصورت روضہ ہے۔ روضہ کے اندر سنگ مرمر کی خوبصورت قبر ہے جس پر ایک کتبہ ہے کتبہ کے ایک طرف حضور رحمت اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی درج ہیں۔ روضہ کے شمال میں مسجد ہے۔ حضرت اعلیٰ کے وقت میں تعمیر ہوئی تھی اور بوسیدہ ہو گئی تھی۔ یہ وہ شہر تھوڑا قطب عالم محبوب الہی محمد عمر صاحب طہارے نے لڑنے سے نہایت خوبصورت مسجد اسی جگہ تعمیر کروائی ہے۔ علامت مکتب عالم لہر کے سامنے ایک آئینہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات بغا ہر نقصان وہ چیزوں پر طمان ہوتا ہے کیونکہ فی الحقیقت ان میں نفع پوشیدہ ہوتا ہے۔

۲۵۹ اب تقدیر و تدبیر کا مقابلہ دیکھو اور تقدیر کی کامیابی دیکھو۔ کہ کس طرح ہمارے  
پتے بچانے۔ کس طرح ان لوگوں کو نیچا دکھایا۔ جو ہمیں دکھانا چاہتے تھے۔ اور کس طرح  
ان کا خرچ بڑھایا اور ہمارا خرچ گھٹایا۔ یعنی تعبیر سے وَمَكْرُؤًا وَمَكْرًا لِّلّٰهِ وَاللّٰهُ  
خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

۲۶۰ لیکن ساتھ ہی یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اگر سالک کسی کا بُرا چاہے اور کسی  
کوئی وار چلانا چاہے تو وہ بعینہ اپنے پر واپس آئے گا۔ اور مقابل کا ذرہ بھر بھی نہ بگڑے  
اسی کا نام رجعت ہے۔ ایسے واقعات ابتدا میں بہت پیش آئے۔ خود چچا صاحب کے  
لیے خود کو ٹھٹھا تھا۔ لیکن نقصان اپنے دامن ہی پر ٹھٹھا۔

۲۶۱ اس پر شاید آپ کو اعتراض ہو۔ کہ پھر بعض موقع پر جو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ فلاں بزرگ کی  
غیرت نے یہ کام کیا۔ وہ کیا۔ آخر اس کی وجہ بھلا کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ولی ذاتی  
نقصان پر نظر رکھتے ہوئے اُسے نہیں دیکھنا۔ بلکہ اُس کے بُرے فعل پر اس کی نظر پڑتی ہے  
جو اس کی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ اپنی بے ادبی سے واسطہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی شوخی  
پر نگاہ جا سکتی ہے ورنہ اس وقت اگر سالک کو اپنی ذات نظر آئے تو وہ سالک نہیں  
بلکہ چارپایہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجدد علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔ کہ اگر فقیر خود را از کافر فرنگ بد  
نہ شمار و فقیری بر حرام است۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو جانتا ہے کہ میں ولی ہوں۔  
کیونکہ اگر ولی نہیں جانتا تو اس کی ولایت کس کام ہے۔ کیونکہ حقوق ولایت نگاہ رکھ سکتا  
ہے۔ تم خود نہیں دیکھ سکتے۔ جب تک کسی کو کسی کی دوستی کا یقین نہیں ہوتا تب تک  
اُس کے حقوق دوستی کو کہاں نبھاتا ہے۔

۱۔ تقدیر۔ پردہ کے اندر کی پوشیدہ طبعی تدبیر، تقدیریں۔ پردہ دنیا پر ظاہری انسانی تدبیر بسا اوقات ظاہر تدبیر کچھ اور ہوتی ہے اور اسباب ایسے بنتے ہیں کہ کام اس کے لٹا ہو گیا  
پھر قدرت دکھاتی ہے کہ پوشیدہ تدبیر (یعنی تقدیر) کی نظروں میں تمہارا فائدہ مقصود دکھاتا ہے مخالفوں نے چال چلی اور اللہ نے (اسکے مقابلے میں) تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر والا ہے  
۲۔ سالک اللہ کے ارادہ کا مطیع ہونا ہے۔ اور ہر کلیف اور ہر احتیاج پر راضی اسکی یہوش قدرت کو بہت پسند ہے اور اسی فطرت سے اسکے دست کو قدرت پناہ دست سمجھتی ہے اور اس کے  
پناہ دہن لیکن اگر سالک اپنے مخالفین کے خلاف خود کوئی ارادہ کرے اور اس کو عمل میں لائے تو گویا اُس نے اللہ کی سرپرستی قبول کی اور یہ غلط بھی لاحق ہو گیا کہ شاید خود اسکا اپنا نقصان ہو  
۳۔ روحانی مرتبے سے گر جانا حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر فقیر اپنے آپ کو فرنگی کافر سے بدتر شمار نہ کرے تو فقیری اس پر حرام ہے۔ ولایت  
بلند کیفیت کا ایک حصہ ہے جسے کفایت بخیر جاتی ہے تو زمین کا ذرہ ذرہ گرا ہی دیتا ہے خود صاحب کیفیت کس طرح سے خیر ہے۔ ہاں یہ لطیف کیفیت بھی اُن سب کا ایک حصہ ہے کہ  
یہ سب نعم حقیقی کی عنایت ہے اور اسے ظہور ہے میں تو صرف ایک مظہر ہوں اور مجسمہ ہے کائنات کے ذرہ ذرہ کے ساتھ جم کریم کا تعلق ہے لیکن جتنا تعلق ایک ولی اللہ عارف سے ہے اتنا کس سے  
اور دوستی کے ظاہر حقوق بھی ہیں اور باطن کے حقوق بھی ہیں اور لطیف حقوق ان سب مستزاد۔ ان سب حقوق کی گہرائی ولایت کے ذرائع سے ہے۔ یقیناً ولایت ہی ارادے فرض کرتا ہے اور ان  
ذرائع دوستی کو پختہ تر کرتی ہے۔

بلکہ سالک کی نظر فی حدیث اتہ اپنے عیوب پر ہوتی ہے اور فی حدیث صفاتہ مالک حقیقی  
 کرم و عنایت اور فضل پر ہوتی ہے۔ جہاں وہ اپنے آپ کو کافر فرنگ سے بدتر جانتا  
 ہے۔ وہاں وہ اپنے آپ کو اس کا ولی بھی جانتا ہے۔ فَتَدْبُرُ فِي ذَلِكَ الْمَقَامِ فَإِنَّهُ  
 لَذَلَّلَ قَدَامَهُ۔

عَرَفْتُ رَبِّي بِفَسْخِ الْعَنَرَةِ إِسْمِهِ كَأَجْمَلِهِ بِرَأْسِ مَعْرِفَتِ حَضْرَتِ عَلِيِّ كَرِيمِ اللَّهِ وَجْهَهُ  
 بِإِنِّ بَارِكٍ بِرُكْيُوبِ آيَاتِهِ۔ صرف اسی ترسیت جلالی کا نتیجہ تھا۔ گو جمالی معرفت کا  
 پاز حد بلند ہے۔ تاہم جلالی معرفت بھی ایک نہایت بلند شان رکھتی ہے جنہ ت  
 ہیم علی نبینا وعلیہ السلام نے اتنی جرأت کی کہ حضور رب العالمین سے کیف  
 الْمَوْتَى کا سوال کر بیٹھے اور اَوْ كَمْ تَوُؤْمِنُ کا خطاب پایا۔ لیکن ایک جلالی  
 بیت یافتہ کی کیا مجال کہ وہ ایسے کلمے منہ سے نکالے اس کا دل بوقلمون حقیقتوں سے  
 قدر متاثر ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک چیز اس کے لیے معرفت الہیہ کا گنجینہ ہوتی ہے۔ ساتھ  
 قدرت کا زبردست ہاتھ اس کے سر پر ہوتا ہے۔ اس کو اطمینان قلب کے لیے کسی  
 چیز کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہی اس کے اطمینان کے لیے کافی ہے۔

میرا ارادہ تھا۔ کہ اس باب میں کچھ اور لکھتا۔ لیکن اتنا لکھنے پایا تھا۔ کہ سیلاب عظیم  
 برائے جہلم کے ذریعے میرے ارادے توڑ دیے گئے اور میرا قلم لنگڑا کر دیا گیا۔ مجبوراً یہ کہتا  
 وارخصت ہوتا ہوں۔ جو کچھ اس باب میں لکھا گیا۔ سالک کی وضاحت کے لیے کافی  
 ہے اور یہی خلاصہ ہے۔ جو آج پھر اس ذات بے نیاز نے از سر نو تازہ کیا۔  
 اندکے گفتم پیش تو از غم دل ترسیدم کہ دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

یعنی سالک کی بشریت جو حدیث ساتھ رہتی ہے اور اس کا ملاحظہ مورو کو اپنے پاؤں دیکھنے پر مجبور کرتا ہے لیکن صفات عالیہ بھی میں جو محض اللہ کا فضل و کرم ہے جس نے دولت  
 عطا فرمائی یہ نہ کہ کمال نہیں۔ بشریت تو یہ کجا ہے جہاں صفات عالیہ کا خیال بھی نہیں آتا۔

یہاں تو یہی کہہ کر بہت باہر رستہ ہے جہاں سے گزرنا مشکل ہے۔

میں نے اپنا اس طرح پرنا، ہے کہ وہ نکتہ اردوں کو توڑ دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے ارادوں کے خلاف عمل فرماتا ہے ورنہ ان کو اپنی ذات کے  
 ارادے میں فنا کرنے کی سزا آتے مگر خود کو کچھ نہیں چاہتے بلکہ عکس ارادہ الہی ہوتے ہیں۔

جہاں منہ جو زبان زد و شہادت شہاد کی وجہ سے ہوئے جلالی معرفت جو آزمائش و امتحان اور مجاہدہ اور ریاضت سے وابستہ ہو۔

دلہن، نوم، وں کو زندہ کیسے کریگا۔ (خطاب الہی) کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟

میں نے غوراً ساغر در کا بیان تر سے سامنے کر دیا اور ڈر رہا کہ کہیں تو پریشان نہ ہو جائے ورنہ کہنے کی باتیں اور بھی بہت سی ہیں۔

فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ - ساتھ ہی یہ بھی اقرار ہے  
 کہ یہ باب طویل الذیل ہو گیا ہے لیکن  
 لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم



۱۔ پس اللہ تعالیٰ ہی بہترین حفاظت کرنے والے ہیں اور وہ بہترین رحم والے ہیں۔

۲۔ لمبے دامن والا (دامن دراز) مراد کافی لمبا۔

۳۔ یہ حکایت لذیذ تھی اس لئے میں نے اسے لمبا کر دیا۔

حصہ دوم

## بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳

سے بدائع ولایت ثلاثہ و این کمالات و حقائق سب سے و دیگر مقامات کہنے ازاں دریا دریں قرطاس تراوشے یافتہ ہمہ متوسلین این خاندان شریف را معتبر هست۔ بعضے بولایت قلبی بلکہ در رازہ اسکان، و بعضے بولایت کبری بکمالات ثلاثہ نادرے بحقائق سب سے و جزاں نازے شود۔

و ازیں است کہ در حالات و تاثیرات این عزیزوں نفاذ تھا است کہ حالات و علوم ہر مقام جدا است۔ چنانچہ نمونہ ازاں تحریر یافتہ۔

بالجہد در ولایت قلبیہ تاثیر و حالات باذوق و شوق ظاہر شود و در کمالات نبوت و حقائق سب سے جمعے یا صفا در لطائف ہر یک پیدا گردد۔ کہ دریں جا تجلیات ذاتیہ بے پردہ اسما و صفات ظہور دارد۔ کما لایخفی علی اہل سہا۔ و تفصیل این مقامات و معارف در مکتوبات مجدد علیہ الرحمۃ مذکور است۔

بالفعل در این کمالات ثلاثہ و این حقائق سخن نمودن سے پیش نیست۔ استعداد کجا و کرا لیاقت این مقامات بلند است۔ نہ ہر کہ سر بنزاشد قلندی داند۔ نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندی داند۔ بشارات معمولہ این خاندان بے تحقیق آثار و علامات در خارج باطن ساک مسموع نیست مگر "موشے بخواب اندر تر شد" در دو حالات باشد پس بے خطرگی و دوام نگرانی و فناء ہوا و فناء ارادہ با فناء آنا ضرور است۔ حضرت ایشان ما رضی اللہ عنہ سے فرمودند قریب است کہ راہ تسلیک تمام مقامات مجددیہ مسدود شود۔ و اشارہ بقرب انتقال خود فرمودند۔

معلوم نیست کہ بر دوئے زمین کسے قوت تسلیک تمام مقامات باشد۔ محمد احسان اللہ در وقت القیومہ کرد۔ مقامات مجددیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نوشتہ نیز نقل این معنی نمود۔ پس جذبات و کیفیات ولایات و سقہا و نیرنگیہا و کمالات نبوت و دیگر مقامات گواہ صدق حصول مقامات کافی است۔ از وہم خیال چہ بے شود بہ اشاعت این حقیقت مفرد ساختن و مردم را در غلبہ انداختن چہ فائدہ۔ فائدہ نیست مگر ظاہر را باتباع سنت آراستن و باطن را بدوام حضور و توجہ بہ جناب الہی سبحانہ نمودن و نشستن در پیشی چسبیت، یکساں زیتن و یکسو نگریتن۔

تا ز قید خود پرستیہا و می آسودے

ہمچو منظر کاش را ہی با خدا بودی مرا،

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کھلے لفظوں یہ استہار فرمایا۔ کہ ہر ایک کو ایک جیسی نسبت حاصل نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی تمام سالکین منازل سلوک کلیہ طے کر سکتے ہیں۔ بلکہ موجودہ دود میں یہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی عبارت سے واضح فرمایا۔ ساتھ یہ بھی بیان فرمایا کہ اصل نسبت کیا ہے۔ کمالات نبوت کیا ہیں۔ اور کمالات ولایت کیا۔ اور صرف دعویٰ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ اور وہم و خیال کی حقیقت اس راہ میں کچھ بھی نہیں۔ بلکہ جو کچھ ہے۔ کیفیات اور اذواق و وجدان اور اسی پر نسبت کا دار مار۔

بھلا جن دوستوں کو کیفیات و اذواق نے کبھی اپنا چہرہ بھی نہ دکھایا ہو۔ اور بے خطرگی و دوام نگرانی کا نلکہ بھی پیدا نہ ہوا ہو۔ اور ساتھ ہی فناء ہوا فناء ارادہ فناء آنا کے مارچ بھی طے نہ رکھے گئے ہوں۔ تو پھر کیونکہ ایسے صوفی کو صاحب کمالات ولایت یا نبوت خیال کیا جاوے۔

کسی کی شہادت لے کر اپنے آپ کو کچھ سمجھا بے حقیقت ہے۔ بلکہ اپنی شہادت اپنے حق میں ایک نیک شہادت ہے۔ بشرطیکہ نفسی وساوس سے پاک ہو۔

# نتائج

۱ نتائج دیکھنے دکھانے کی چنداں ضرورت نہ تھی جبکہ دُنیا نے خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیا تھے۔ پنجاب بھر کا کوئی شہر، کوئی قصبہ ایسا نہیں رہا جس کے اندر حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ، مہذب بااخلاق، خدا یاد، بے ریا، روشن چہرہ موجود نہ ہوں لاہور جیسے شہر سے جب یہ لوگ گزرتے تھے تو بازاروں میں انگلیاں اٹھتی تھیں کہ میاں صاحب کے خادم جارہے ہیں۔ گاڑیوں میں غیر مذہب کے لوگ پہچان لیتے تھے۔ لاہور ٹانگوں کا اڈا ان کے نورانی چہروں سے ممتاز رہتا تھا اور گزرنے والے تار جاتے تھے کہ یہ پروانہ ہائے عشق کا جگمگا ہے جو شرف پور جا رہا ہے۔ لاریوں میں جب کسی کی نظر پڑتی تو سب صاف لباس اور مقطع ڈاڑھی کے نورانی فرشتے نظر آتے۔ گاڑی بانوں تک ان لوگوں کا احترام کرتے تھے۔ راستے کے مسافر انہیں سلام کرتے تھے۔ کیونکہ یہ سگد اتنا روشن تھا کہ پہلی نظر میں آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ خود شرف پور شریف کے لوگ اور باشندے ان زائرین سے عقیدت رکھتے تھے کہ جتنے لوگ بھی حضرت قبلہ میاں صاحب کی خدمت میں آتے ہیں۔ بے ریا۔ عبادت گزار۔ صوفی صافی ہیں۔ لیکن ان کی حالت یہ ہوتی کہ بھرے بازار میں آنکھ نہ اٹھاتے۔ گردن ڈالے قدموں پر آنکھیں لگائے بازار سے نکل رہے ہیں۔ اور یہ نہ دیکھتے کہ بازار میں کیا ہے اور کیا ہو رہا ہے۔ لاہور جیسے پر رونق شہر میں سے گزر ہوتا اور وہ بھی ڈبٹی بازار اور کشمیری بازار سے ہو کر۔ لیکن کوئی خادم ایک گھنٹہ بھی اپنا وقت اس نماشاٹھے عجوبہ پر صرف نہ کرتا۔ کیونکہ اُستاد مشفق کی تعلیم یہ تھی کہ ”بازار سب سے بُری جگہ ہے“ اور دل کو اتنی سردی پہنچائی گئی تھی کہ دنیاوی حرارت آتی ہی نہ تھی۔

پروانہ ہائے عشق کی حالت

۱۔ اس زمانے شاہی مسجد کے جنوب میں موٹروں اور ٹانگوں کا اڈا تھا شرف پور شریف جانے والے ہیں سے سوار ہوتے تھے۔

۲۔ جب دل سے حواس اپنے باطن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو دنیا کے غیر ضروری تقاریر اور مشاغل از خود چھوٹ جاتے ہیں۔

۳۔ نفس حرارت غریزی میں خواہش کی گرمی پیدا کر دیتا ہے اور حواس اس گرمی سے اپنا اپنا کام شروع کر دیتے ہیں اور ہر دلچسپی کو اپنا لیتے ہیں۔

دلالت اور معرفت کی تاثیر نفس کی کیفیت ختم کر دیتی ہیں اسی کو سردی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲ - خود لاہور کے لوگ جو فلسفیت اور دہریت کی فضا میں پیدا ہوئے جن کی نشوونما فرنگی تہذیب سے ہوئی۔ جن کی تعلیم کا اکثر حصہ لائڈ ہیٹ پر مشتمل ہے۔ وہ بھی آپ کے اس کمال کے معترف ہیں۔ غیر مقلد اصحاب جو پیر پستی کو شرک اکبر کہتے ہیں، یہ بھی اس بدیہی امتیاز کے قائل تھے کہ حضرت میاں صاحب نے جس کو ہاتھ سے چھو ہی یا ہے وہ گنڈن ہو گیا اور خالص مسلمان۔ شرک سے پاک صاف اور عبودیت الہیہ کا پورا پورا منظر بن گیا۔

۳ بڑے بڑے شہروں کے لوگ جو مغربی علوم کی اعلیٰ ڈگریاں لے کر دنیا کے بڑے جلیل القدر مراتب پر سرفراز تھے اور جن کے خمیر میں فرنگیت تھی وہ خود حاضر خدمت ہوئے اور پہلی مشرف یابی پر پکے دیندار ہو کر اسوۂ حسنہ کے عاشق ہو بیٹھے۔ میں سینکڑوں کے نام گن سکتا ہوں جن کو تعلیم یافتہ دنیا جانتی ہے اور ان کی پہلی زندگی کسی ایک خاص امتیاز رکھتی ہے مگر جب سرنیاز تسلیم کیا تو پھر کیا ہو گئے۔ لیکن جب میرا مقصود ذاتیات کا ذکر کرنا نہیں بلکہ ایک عام تبصرہ کرنا ہے اس لیے لکھ نہیں سکتا۔

۴ اگر ایسے حالات کے ہوتے ہوئے اس باب میں ایک لفظ بھی نہ لکھا جاتا تو مناسب تھا بلکہ بہتر تھا۔ مگر ایک مکرم دوست نے جو ایک کامل بزرگ کے مجاز اور خلیفہ ہیں اور کئی بزرگوں کی خدمت سے سرفراز رہ کر خلعتِ خلافت سے ممتاز ہو چکے ہیں۔ آپ کی وفات حسرتِ آیات پر آنسو بہاتے ہوئے لکھا کہ میرے پیر و مرشد کے صاحبزادہ صاحب نے فرمایا: "کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود تو بڑے کامل تھے لیکن دیا کسی کو کچھ نہیں۔ ہاں اگر اُسے (مجھے) دیا ہو تو معلوم نہیں۔ وہ دیکھے نہیں۔" ان کو تو اپنے موقع پر جواب دیا گیا۔ لیکن اس فقرہ نے میرے دل پر خاص اثر کیا۔ موجودہ فقر کی حقیقت سلف صالحین کے فقر کی حقیقت سے الگ ہے جس امر کے لیے پہلے بزرگ عمریں صرف کرتے اور اس کے

علا اسوۂ حسنہ، حضور پرورد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و اخلاق و اعمال۔ حضور میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے اندر باہر بدل گیا، دنیا پرستی چلی گئی اور خدا پرستی آگئی۔ عطا یعنی اپنے حال میں مست اور دنیا کے نظاروں سے بے نیاز ہو کر چلے جاتے۔  
سلف صالحین کے فقر میں ان کے ناقصا حول کا کوئی اثر نہ ہوتا، ان کی الہامی فنا ہوتی، لیکن موجودہ فقہ میں اکثر بے ہمت لوگوں نے ماہل کا اثر قبول کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے خواہش کی فنا نہ ہوئی اور اسی فنا کا نام فقر تھا اب فقر کا نام ہے لیکن حقیقت نہیں۔



حاصل کرنے کے بعد جب اپنی نیستی پاتے تو دنیا و مافیہا کی کامیابی جانتے۔ آج اس کا خیال بھی کسی ایسے بھلے صوفی کے دماغ میں نہیں آتا بلکہ موجودہ دور کا تصوف کچھ ایسا نرالا ہو گیا کہ قدیمی تصوف کی ایک سادہ جھلک بھی اس میں نظر نہیں آتی۔

۵ موجودہ دور میں تصوف ایک علمی ڈرس گاہ ہو گیا ہے اور خلافت ایک زرکش مشین خیال کی جاتی ہے۔ اور اکثر لوگ اس میں اپنا روپیہ صرف کرتے ہیں اور اپنا وقت خرچ کرتے ہیں۔ تاکہ ایک دن اس تجارت سے فائدہ اٹھایا جائے۔

۶ بعض احباب اعتراض فرمائیں گے کہ یہ کہنا غلط ہے بلکہ مجاہدہ و ریاضت صرف تہذیب نفس کے لیے کیا جاتا ہے اور پیر کی صحبت تہذیب اخلاق کے لیے حاصل کی جاتی ہے۔ نذر و نیاز خدائے عزوجل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے دی جاتی ہے۔ لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی نام ہے اس کے اندر کچھ اور ہے۔ ورنہ تہذیب نفس اور تہذیب اخلاق سے مُشرشد کو محبوبیت کا درجہ کیونکر نہ حاصل ہو۔

۷ جہاں تک میری وسعت نظر کام کرتی ہے۔ اکثر احباب کو خاص تہذیب خاص اخلاق میں تو پکایا جاتا ہے۔ لیکن جب عام تہذیب اور اخلاق میں موازنہ کیا جائے تو سوائے صفر کے ان کے اندر کچھ نظر نہیں آتا۔ آخر اس کی وجہ کیا؟

۸ موجودہ زمانہ میں بزرگ کی عنایت یہ سمجھی جاتی ہے کہ خلافت کے حامل ہوتے ہی لاکھوں کی تعداد میں مرید ہو جائیں اور ہزاروں روپے ماہوار حاصل ہونے لگیں اور دنیا کہنے لگ جائے کہ فلاں بزرگ کا فلاں خلیفہ ہے اور ایسا لنگر رکھتا ہے۔ ایسا ہے، ویسا ہے۔ لیکن اصل صفات صوفی کی طرف کسی کی توجہ تک نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ نہیں جانتے کہ کونسا وصفت اس میں ہے جس کے لیے اُسے خلافت عنایت ہوئی اور یہ کہ خلافت دینے والا کس درجہ کا انسان۔

۹ اصطلاح میں یاد کر لینا۔ شکل میں امتیاز پیدا کر لینا اور زعم، بکر کا مظاہرہ کرنا وغیرہ عادات ناقص موجود ہیں۔ بے ہمتی کی وجہ سے زیادوں کی طرح ڈیپ حاصل کرنے کا خیال امن نہیں چھوڑتا۔ جب مرید مُرشد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کی مقبولیت محبوبیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور کائنات کا اللہ زندہ اسے محبوب سمجھتا ہے اور پاس کی اپنی محبت عام کا اثر ہوتا ہے۔ خاص تہذیب شکل و صورت۔ مدد و نوائف، سنت کی وہ قسم جو ایک خاص اعمال تک محدود ہے حالانکہ سنت تو حضور کی زندگی مبارک کا ہر قول و فعل ہے لیکن سعادت اور وہ افعال جو عام برائے سے تعلق رکھتے ہیں ان میں یہ خاص قسم کے صوفی ناکام رہ جاتے ہیں۔ صبر خودداری توکل وغیرہ اخلاق کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ یہ غلط فہمی بہت سی ہیں بعض میں بعض رسی اور کسی سلسلے کی اصل خلافت وہ ہے جو کامل مرشد اپنے تربیت یافتہ مرید کو عنایت کرے۔

۹ جس ہستی کے مٹانے کے لیے کئی سال صرف کیے گئے تھے۔ اگر وہ پہلے سے بھی زیادہ چالاک۔ زیادہ قوی اور زیادہ روشن ہو جائے تو پھر ایسی "فنائے نفس" سے کیا حاصل ہو سکتا ہے بلکہ اسفل السافلین میں لے جانے والی یہ "فنائے نفس" قرار دی جائے گی۔

۱۰ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس طرح اپنی دیگر صفات میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اسی طرح "عقلِ کلی" میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے تاڑ لیا تھا کہ موجودہ دور میں کونسی بات تصوف میں تباہ کن ہے۔ اس لیے آپ نے ایک ایسا طریقہ سلوک اور رشد و ارشاد اپنی جدتِ طبع سے پیدا کیا۔ جو متاخرین سے الگ تھا۔ آپ نے کسی سالک کو کبھی یہ نہ فرمایا۔ کہ یہ کچھ تم نے حاصل کر لیا یا بعد کچھ باقی ہے بلکہ کامل سوار کی طرح اپنے گھوڑے کو منزل مقصود کی طرف گاہے دوڑاتے، گاہے چلاتے۔ اور کبھی آرام دیتے۔ لیکن ہمیشہ سفر کی دوری کا منظر دکھاتے کہ سفر کا اختتام اسی وقت ہے۔ جب مراحلِ عمر اپنی آخری منزل پر پہنچ جائیں گے۔ اور سفر اسی وقت کامیاب اور سعادت مند خیال کیا جائے گا، جب راستے کی تمام منازل بخیر و خوبی طے ہو جائیں گی۔ ورنہ سب کچھ بے سود۔

حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلوک اور اس کی انتہا

۱۱ ریاکاری اور عجب کا مرض عام ہو گیا ہے۔ اخلاص و نیاز کے جوہر بالکل مفقود ہیں۔ دنیا بھر کی جو اہری منڈیاں چھان ڈالو۔ لیکن کسی جگہ یہ جوہر آج نہیں ملتے۔ لیکن حضور قبلہ نے اپنے متوسلین میں یہ صفت ایسی راسخ پیدا کی کہ جو بھی نظر آتا ہے، ٹھوس اور بے لاگ۔ تسبیح تک ہاتھ میں نہیں۔ لیکن ہر وقت مراقب۔ لیکن وہ مراقبہ نہیں، کہ جس میں تصنع اور ریاکاری ہو، بلکہ وہ مراقبہ جو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہو۔ اور اندر ہی اندر یہ آگ صدمگ رہی ہو۔

آپ ریاکاری کے سخت منتظر تھے

۱۲ عام لوگ کہتے ہیں کہ میاں صاحب نذر و نیاز قبول فرماتے تھے۔ نہیں، قبول فرماتے تھے۔ لیکن کونسی؟ جو سراسر اخلاص اور نیاز سے پیش کی جاتی۔ اعمال میں بھی وہی بات پسند فرماتے

اخلاص ہی خالص پسند فرماتے

۱۳ فخر و ارشاد گو اسلام کا انتہائی درجہ ہے لیکن کوئی مقام زندگی خطرات سے خالی نہیں۔ اس لیے انجام بخیر کی فکر میں عمر بھر سعی رہنا ہی حقیقی اور پائدار کامیابی ہے۔

۱۴ اگر خانہ میں نقص آگیا تو کبھی غم ہی ہوگی کہ زندگی اور محنت سب کچھ برباد ہو جائے۔ پائدار کامیابی اور انجام کی بھلائی ہی کو مقصود بنانا چاہیے۔  
۱۵ نجر اور عجب حرام ہے خواہ وہ کسی بیک پر ہو۔ دکھلاو اور توجید کے بالکل منافی ہے۔ صوفی کو اپنی نیستی اور توحید کے اثبات کے لیے ہر عمل کی چھان بین کرنی چاہیے کہ کس کسی عمل کو کبھی اتنے نہیں لگ گیا۔ بس اخلاص و محبت اور صداقت میں تصنع کو دخل نہ ہو۔

کہ جس میں ذرہ بھر بھی شائبہ ریاکاری نہ ہوتا۔ ورنہ منہ پر تھپڑ مارتے اور کالائے بدبریش مالک کا عمل ہوتا۔

۱۳ اب وہ لباس جو خاصانِ خدا کا ہے، وہ ہر جگہ بھٹا ہوا نظر آتا ہے، اکثر زرگروں نے تو یہ لباس فقر سرے سے ہی الگ کر دیا اور اعلان کر دیا کہ ادب وہی ہے جو دل میں ہو جیسا کہ بھنگی لباسِ عربانی میں آکر کہتے ہیں کہ لباس اور کپڑے کی کیا ضرورت ہے جبکہ لباسِ اخلاص سینے کے اندر ہو اور سپروٹو بیشک ہمارا ہو کر باتیں کر لیں۔ برابر بٹھی جائیں۔ ہنسیں اور مذاق کریں لیکن اصلی ادب کی بابت کیا کہا جائے۔ جبکہ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ صوفی کا نظر ہے اور وَاللّٰهُ مِنْ دَرَائِمِهِمْ مُحِيْطٌ اُن کا عقیدہ ہے۔ پھر ننگے سر بٹھی کر مجلس کرنا۔ ننگے سر مرتبہ نشست خدائے ذوالجلال کو حاضر ناظر جان کر يَا اللّٰهُ۔ يَا رَحْمٰنُ۔ يَا رَحِيْمُ يَا كَرِيْمُ يَا رَقِيْبُ پکارنا چہ معنی وارد؟ فَاِنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۔ کا حکم پڑھتے ہوئے مسجد کی بے ادبی کرنا اور اسے اپنا خانگی تکیہ جاننا کیا معنی رکھتا ہے؟

۱۴ اور بعض پاک نفوس نے ادب کی تعلیم کی طرف اگرچہ توجہ فرمائی بھی ہے تو اپنے حضور میں کہ با ادب بیٹھیں با ادب کلام کریں۔ با ادب سلام کریں۔ لیکن حقیقی ادب کا پتہ تک نہیں دیا۔ اکثر صوفی مراقبہ۔ مذاکرہ اور دیگر مؤدبانہ اعمال میں ایسے بے ادب دکھائی دیتے ہیں۔ کہ انہی تو بے کھانا کھاتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ تک زبان پر نہیں آتی۔ اور سر کی چوٹی ننگی کر کے فرنگیانہ تہذیب سے کھاتے ہیں۔ واقعہ یاد آگیا۔ کہ جب میرے ہاتھ کھانے کے لیے دھلائے جاتے، یا خود دھونا تو صرف ایک ہاتھ دھو کر حسب عادت سابقہ دسترخوان پر بیٹھ جاتا۔ حضور میاں صاحب ایک دن تشریف لائے اور پہلا ارشاد اس طرح فرمایا۔ کہ فرنگیوں کی طرح ایک ہاتھ دھونا اور دوسرا چھوڑنا کتنا بُرا ہے۔ اب تو بڑے بڑے لوگ بھی اسی طرح کرنے لگ گئے اور سنت پر عمل نہیں کرتے کہ دونوں ہاتھ دھو کر کھانا کھایا جائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی اب دونوں

۱۔ بڑا سودا مالک کے منہ پر شے مارو۔ ۲۔ ادب کی اکائی اپنے پروردگار سے شروع ہوتی ہے جب یہاں ادب نہیں تو اللہ تعالیٰ کی اوستیت کے آداب کیے محوظ ہوں گے اور کس طرح عمل میں آئیں گے۔ ۳۔ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز کو دیکھ رہا ہے۔ ۴۔ اور اللہ تعالیٰ اُن سب کے ارد گرد احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ۵۔ جب اللہ کے ناموں کو یا سے ندادی جا رہی ہے تو اس کی حضوری کیوں خیال میں نہ ہو اور حضوری کے آداب کیوں محوظ نہ ہوں۔ ۶۔ مسجد ہی اللہ کے لئے ہیں تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو۔

ہاتھ دھونا ہوں اور ہمیشہ دھونے کے وقت حضور کا ارشاد یاد آجاتا ہے۔

۱۵ یہی وجہ ہے کہ عام مُریدین نے ادب کو صرف پیرو مُرشد کی حضوری کے لیے ضروری سمجھا ہوا ہے۔ خدائے علام الغیوب کے کسی امر میں یا نہی میں کسی قسم کے ادب کا خیال بھی نہیں کیا جاتا۔ لیکن حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان ادب مریدانہ پر یکدم قلم کھینچ دیا اور وہ ادب تعلیم کئے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے ارشاد فرمائے تھے جسے اُسوۂ حسنہ کہتے ہیں اور تمام شب و روز میں انہیں مد نظر رکھنا صوفی کا ایک اولین فرض ہے۔

۱۶ تقویٰ جس کے بائے میں ارشاد الہی ہے وَ لِبَاسِ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّبَاسٍ پریزگاری سب سے عمدہ لباس ہے) اس لباس کی اب وہ تنگی اور بے مانگی ہے کہ سوائے طہارت بدن کے اب کسی صوفی پر یہ نظر نہیں آتا۔ لقوے کو لباس کہنے کے معنی یہ تھے کہ ہر گھڑی ہر آن ہر حال اور ہر موقعہ پر جس طرح لباس انسان سے جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح تقویٰ بھی ایک مسلمان سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتا۔ تو پھر صوفی سے کس طرح امید ہو سکتی ہے کہ وہ اس سے جدا ہو جائے۔ اگر کسی وقت جدا ہو جاتا ہے تو ایک بھاری کمی ایک مسلمان میں ہے۔ فقیری تو الگ رہی۔ یہ تو ایک مسلمانی لباس ہے اُسے فقیری سے کیا واسطہ؟

۱۷ حضرت قبلہ مرحوم و مغفور فرمایا کرتے کہ لوگوں نے ذکر و اذکار فقر کا لازمہ خیال کیا ہے لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ تو مسلمانی کا لازمہ ہے اور تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں۔ ارشاد باری ہے۔ یٰٰذَکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُودًا وَّ عَلَیٰ جُنُوبِہِمُ۔

۱۸ تقویٰ کے معنی موجودہ زمانہ میں نہایت تنگ کر دیے گئے۔ اور طہارت بدنی سے بڑھ کر اگر نماز تک اس کا حلقہ وسیع کسی ہستی سے ہو جائے۔ تو بسا غنیمت خیال کیا جاتا ہے۔ باقی تمام حالات واقعات اور عادات کو اس سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر

بلکہ اصل مقصد فقر و فقیری ایسی لطافت حاصل کرنا ہے جو علام الغیوب کی لطافتوں تک پہنچ سکے اور جسمانی آداب اور روحانی اتقا کا عمل ہی ان لطافتوں کو پیدا کر سکتا ہے اور اسوۂ حسنہ بھی یہی عمل جسم و روح ہے۔

۱۹ تقویٰ کسی ایسے عمل سے پچنا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خطرہ ہو۔ صوفی کو تو تقویٰ کی روحانی منازل طے کرنا چاہئیں تقویٰ کی جسمانی عملی صورتیں تو عام مسلمانوں پر بھی فرض ہیں۔

۲۰ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے)۔

بے دین اس تقویٰ پر پھبتیاں اڑاتے ہیں اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ نماز یا ونحو دیکھو تو فحشتے معلوم ہوتے ہیں۔ معاملات اور اعمال دیکھو تو صفت شیطان۔ سبحان حضرت میاں صاحب نے اپنے متوسلین کی جماعت کو اس تقویٰ کے وسیع تر معانی سے زبردستی اور ہر شعبہ زندگی کا دار و مدار تقویٰ پر فرض کر دیا گیا کہ اگر تقویٰ نہیں تو سب کچھ اوراد۔ اذکار عبادت بیکار۔

۱۹ اتباع سنت کا جو سرگرمایہ مسلمانوں سے اب ایسا کم ہو گیا کہ مسلم آبادی کے اگر ایک ملین پر نظر کی جائے۔ تو حقیقی متبع سنت کوئی نظر نہیں آتا۔ ہاں جزئیات میں بہت سی جماعتوں نے اپنے لیے چند سنن مقرر کر رکھی ہیں جن پر وہ نہایت زور سے پابند ہیں لیکن ان مقرر کردہ اور مجوزہ زیر عمل سنن کے علاوہ نہ تو توجہ ہے۔ نہ خیال ہے بلکہ فرقہ بندی کے لیے اور اپنا تعصب دکھانے کے لیے بعض اختلافی اتباع پر کلھاڑیاں اور چھڑے نکال لیے جاتے ہیں۔ لیکن منفقہ اتباع سنت پر توجہ تک نہیں۔ مثلاً داڑھی۔ لباس۔ نشست و برخاست۔ اکل و شرب اور باقی آداب میں کوئی اختلاف کسی فرقہ کو نہیں لیکن تمام فرقے اس اتباع سے غافل ہیں اور ذرہ بھر بھی توجہ نہیں رکھتے بعض جماعتوں میں کچھ زیادہ شوق اتباع کا دیکھا بھی جاتا ہے۔ لیکن اندر کھوکھلا ہے۔

۲۰ آج اتباع کے نام سے بھی مسلمان نا آشنا ہوتے جاتے ہیں اور تعلیم یافتہ انسان فرنگی تہذیب کے اندر جذب ہو کر اسلامی تہذیب (اتباع سنت) پر پھبتیاں اڑانے میں مصروف ہو گئے۔ اور دیہاتی اپنی جہالت میں گم ہو کر اتباع کے نام سے بھی نا آشنا ہو بیٹھے۔

۲۱ اتباع سنت پر چلنے کی ہدایت دینا ایسی پیڑھی کھیر ہو گیا۔ جیسے جوئے شیر لانا بلکہ دعوت دینے والے کا مضمکہ بعض وقت اڑایا جاتا ہے اور بعض وقت دعوت دینے والا مشکلات کو دیکھ کر حوصلہ مار بیٹھتا ہے۔ ایسے وقت میں کسی ایک کو بھی حقیقی اتباع سنت

۱۔ ہدیٰ للمتقین: نور باطن متقی لوگوں کے لیے ہے صوفی کے اعمال و اشغال کی غرض و غایت نور باطن حاصل کرنے ہے۔ اور تقویٰ کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں تو پھر بغیر خوف خدا کے ذکر و اذکار وغیرہ کا کیا فائدہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع فرض ہے۔ لیکن مسلمان اس فریضے سے نا آشنا ہیں اور اہل علم کی فرقہ پرستیوں نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھٹے بھٹے کر کے ہر ایک فرقہ کی اتباع رسول دور فرقا پسند کرتا ہے اور اس اتباع کو بھی اتباع سمجھنے میں تامل کرتا ہے یا الکار کر دیتا ہے۔ حجاز نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور معاشرہ اسلامی کو مٹانے میں کوئی کوشش نہیں کی۔ اور مدینہ نے نہایت زور سے سنت کا مضمکہ اڑا کر اپنا دھبہ ایسا ہی برادر رہا۔

پر راسخ کر دینا و حقیقت معجزہ اور کرامت ہے۔

۲۲ حضرت اقدس کی ذات بابرکات جس بیانی اور جس لاپرواہی سے اس تلامذہ میں کو ذکر خلق اللہ کو شاہراہ سنت پر لے نکلی یہ آپ کا ہی حصہ تھا اور اتنی بڑی کامیابی ہوئی کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ آپ کی پہلی کوشش اور پہلی توجہ اتباع سنت پر تھی۔ جب یہ اتباع مکمل ہو جاتا تو باطن پر توجہ ہوتی بلکہ درحقیقت ظاہری اتباع باطنی نور (ایمان) کا مُمد ہوتا تھا اور باطنی نور ایمان ظاہری اتباع کی جڑ ہوتی تھی۔

۲۳ اس صفت میں آپ کی جماعت موجودہ وقت میں سب سے ممتاز ہے۔ جب آپ کے وصال کے بعد صوفی محمد ابراہیم صاحب نے بمشورہ صاحبزادہ صاحب والا جاہ مولانا منظر قیوم صاحب سلمہ ربہ کلا ہائے اجازت حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے مجازوں کو حضرت صاحبزادہ صاحب سلمہ ربہ کے ہاتھ سے دلوائیں تو بعض احباب نے انکسار نہ عرض کیا کہ ہم اہل نہیں اور نہ ہم کچھ جانتے ہیں لیکن برادر م سید نور الحسن صاحب نے کہا کہ تم لوگوں نے کیا کچھ سکھانا ہے جس کے تم اہل نہیں بلکہ تم نے صرف سنت نبوی علیہ السلام کی دعوت خلق اللہ کو دینی ہے اور بس۔ اس میں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔

۲۴ سلف صالحین کی تمام آبیاری صرف اسی درخت کی بنیاد اور جڑوں کے مضبوط کرنے میں صرف ہوتی تھی اور یہی فقر کی انتہا خیال کی جاتی تھی۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس بنیادی پتھر کی طرف توجہ نہ رہی، جس کی وجہ سے اکثر غیر مقلدین حملے کرنے لگے۔ کہ یہ لوگ سنت نبوی علیہ التَّحیۃ سے بے بہرہ ہیں اور شرک و بدعت کے موجد اور ان کی تمام عمارت فقر کھوکھلی ہے مگر مرحوم و مغفور قبلہ مرشد م کی جماعت کو دیکھ کر یہ غیر مقلدین کی جماعت بھی عیش عیش کرنے لگی کہ اتباع سنت کے سچے حامی ایسے ہوتے ہیں اور اتباع سنت کے دلدادہ ایسے ع۔

سو سنت دے پانی بھی نہ چکھن

ظاہری اتباع کے بغیر باطنی اتباع کے کچھ معنی نہیں۔ شریعت ظاہری اتباع کہتے ہیں ظاہری اتباع کی کو یہاں تک پہنچ کر علم کے مرکز بھی اتباع چھوڑ بیٹھے ایسی صورت میں سنت مطلقہ کو زندہ کرنا بے مشکل تھا لیکن حضرت اعلیٰ کی برکت سے سلسلہ شرفی میں ظاہر باطن میں سنت کی اتباع کا ایسا درد دودھ ہوا کہ دیکھنے والوں کی انکسار اٹھتی تھیں۔

ما فقر حقیقی کا اظہار اس سے زیادہ ہو نہیں سکتا کہ ہم اہل نہیں اور نہ ہم کچھ جانتے ہیں یہ ہے وہ فنا جو حضرت قطب العالم شرفی نے پیدا کی۔ سنت خیر الوری میں اگر فقر کی جان آجائے تو یہی ہے جانشینی نبوت کا کارنامہ اور جسم کے بغیر جان کہاں ٹھہرے اس لئے حقیقی فقر سنت کا جسم رکھنا ہے اور اخلاص و محبت کی جان اور ایسے جسم جان سے حقیقی اسلام بنتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۰۳ پر)

۲۵ جن آن مول جواہر انسانی کا ذکر کیا گیا۔ آج اس لاندہیت اور فلسفیت کے دور میں اصولی طور پر صرف گم ہی نہیں۔ بلکہ ان کا نام تک بھی دلوں سے اڑ گیا۔ ہر حالت میں خواہ دینی ہو یا دنیوی شطرنجی چال چلنا عقلمندی خیالی کیا جاتا ہے۔ ایسے نازک وقت میں اگر ایک پاک ہستی خزانہ علام الغیوب سے یہ جواہر خلقی دنیا بھر میں بکھیر دے۔ اور دنیا کو اس سے اپنے طریقے سے بھر دے۔ تو کیا کوئی ہوگا کہ سخاوتِ عامہ پر نظر رکھتے ہوئے یہ کہے کہ اس نے کسی کو کچھ دیا ہی نہیں۔ یا اس نے سچل سے کام لیا۔ نہیں ہرگز نہیں سچ  
فکر ہر کس بقدر مہمت اوست

جو کام آپ نے کیا۔ کسی دوسرے اہل اللہ کو اس کی طاقت کہاں؟ وہ کسی ایک کا گھر بھرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ تمام کائنات کو اچھے اخلاق میں، اچھے عادات میں اچھے خیال میں، اچھے لباس میں اور اچھے اکل حلال میں دیکھنا چاہتے تھے۔

۲۶۔ آپ کے یہ مد نظر نہ تھا کہ فلاں یہ کہلائے یا وہ کہلائے۔ بلکہ یہ پیش نظر تھا۔ کہ مسلمان مسلمان نظر آئیں۔ اور دنیا رسولی رنگ میں رنگی نظر آئے۔ آپ کا خیال تھا کہ صبغۃ اللہ ساری دنیا پر پھر جائے۔ نہ یہ کہ زید و بکر بن کر دنیا میں مشہور ہو بیٹھیں اور اپنی تمام قوتِ روحانی کسی ایک یا دو درختوں کی آبیاری میں صرف کی جائے۔  
۲۷۔ آپ نے اپنے ایک ممتاز خلیفے کو جو آپ کی عمر میں صاحبِ برکت و مہین تسلیم ہو چکے تھے۔ ایک خط لکھوایا کہ

”تم پیر سو چکے لیکن انسان بننے کی کوشش کرو۔ پیری کے گھمنڈ میں انسانیت کے حصول سے غافل نہ ہو بیٹھو۔“ (ملفوظ)

۲۸۔ جس شخص نے حضرت قبلہ مرحوم و مغفور کے آبیاری کردہ کسی ایک درخت کو بھی دیکھا ہے۔ وہ میری تحریر کو عرف بحرف صحیح پائے گا (درخت اپنے پھل پھول سے پہچانا جاتا

(بقیہ صفحہ ۲۰۲) علامہ اعلیٰ دہلوی نے اسے بڑی دیر سے جاری کیا تھا ہے یہ دور تو اسلام کے انحطاط کا دور ہے اس میں ایسا ہونا تعجب انگیز نہیں ہے لیکن مخلص اور صاحبِ محبت کو ایسا راستہ تمہیں کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہر ایک کی نیکر اس کی ہمت کے مطابق ہوتی ہے۔ علامہ صاحب کوئی شخص کسی بلند منصب پر پہنچ جاتا ہے اور خلق اللہ اس کی عزت کرتی ہے تو وہ فخرنا بندی محسوس کرتا ہے اور اپنی تکمیل۔ اگر نئی اور نئی کا سبق پڑی طرح یاد نہ ہو یا اپنی کمزری کے اسباب موجود نہ ہوں تو ایسا شخص انہیں عزت کرنے والوں کو کم نہ سمجھتا ہے۔ اور یہ نقص بشریت کا بخیر نقص ہے۔

ہے) یا جس نے ایک دو دن حضرت قبلہ مرحوم و مغفور کے ایام زندگی میں شرفیور قیام کیا یا آپ کے نعش پر حاضر ہوا۔ اور اس نے اپنی آنکھوں سے مکرر سہ کر جماعت پر نظر دوڑائی۔ تو صاف بے اختیار کہہ دے گا۔ کہ جو کچھ لکھا گیا۔ کم لکھا گیا۔ اور جو کچھ وہ کر گئے یا دے گئے۔ اس کے لئے یہ کاغذی پلندے کافی نہیں۔

۲۹۔ کاغذی گلدستے میں نہ وہ اصلی رنگ ہے نہ اصلی بو ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ کہ اصل کی نقل اس کے بغیر اتر بھی تو نہیں سکتی۔ جس طرح حضرت قبلہ مرشد مرحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات کی دید اور شبید میں بڑا فرق ہے۔ اتنا ہی اصلی گلشن آبپاری کردہ کی سیر اور میرے اس نقلی گلدستہ کے رنگ میں فرقِ عظیم ہے۔ بوئے خوش اور لطافت تو کجا۔ ناقم تک نہیں۔

۳۰۔ آپ نے اس لباس تقویٰ۔ اس اتباع سنت۔ اس نیاز اور اخلاص کے اندر ایک ایسی سبلی لکائی تھی۔ جو ہر گھڑی ہر آن ان اوصاف کو روشن کرتی رہتی۔ جس طرح روٹی کی بتی کو تیل اپنی مدد پہنچا کر اُسے گل نہیں ہونے دیتا۔ اسی طرح دل کے اندر ایک حوضِ محبت بھر دیا تھا۔ کہ ان اوصاف کو دم بدم روشن تر کرتا رہے اور بچھنے نہ دے۔

وہ محبت کیا تھی؟ وہی محبتِ لم یزلیہ!۔

وہی قلبِ سلیم اے جان ہے آہ

نہ چین اس کو ہو بیٹھے اور لیٹے

وہ محبت سینہ میں رکھی تھی کہ ہاتھ اٹھتے تھے اور آنسو رخساروں پر سے نکل کر دامن تر

کر رہے ہوتے اور زبان پر ہوتا تھا

ظاہر و باطن ہو برائے خدا

دیدہ بنیا ہو ہر اک موئے تن

چاہے خدا سے نہ سوائے خدا

موج تھلے رہے روح و بدن

علا و اثر نگاہِ خوب ہو۔ بلبا در قمتے بیش قیمت ہوں لیکن کڑ مر جہ نہ ہو تو سب بیکار۔ شریعت کے لباس میں اگر طریقت کی روح نہ ہو اخلاص نہ ہو محبت نہ ہو تقویٰ نہ ہو اور انوارِ عالم کی عکس لیزی شہر تو جسم ہے جس میں روح نہیں۔ ایسے جسم میں تاثیریں کجا! قلبِ سلیم کی مختلف تعبیریں ہوں لیکن یہ نہایت عمدہ تعبیر ہے وہ قلبِ سلامت ہے جس کو محبت کا زہر چڑھ چکا ہو! جب اللہ کے نام کی مشن کی جائے اور قربانی دی جائے تو لازماً محبت الہیہ پیدا ہو جاتی ہے تو پھر محبوب کے سوا کوئی دوسری طلب بھی نہیں رہتی اور جب طلب بیدار و بینہ ہو تو مطلوب کا قرب یقینی ہے اور قرب الہی کا کمال مشاہدہ کی آنکھ کھول دیتا ہے اور جب مجاہدہ کی لذت مل جائے تو جسم جان اس میں غور ہتے ہیں۔



کہا ہے کہ۔ سے رندانہ لب و لہجہ سے یہ نکل جاتا ہے  
 دلم با من ہمیکو بد منم شاہب زلا ہوتی  
 دریں وحشت سرائے من چرا با شتم چہ با شتم  
 بہ سیر عالم قدسی پریدن آرزو دارم  
 کہ من در گلشن وحدت چمیدن آرزو دارم

اور کبھی یہ محبت دوسرے انداز میں یوں بول اٹھتی ہے  
 ہمہ انبیاء در پناہ تو اند  
 تو مہر منیری ہمہ اختر اند  
 مقیم در بارگاہ تو اند  
 تو سلطان ملکی ہمہ چاکر اند  
 اور گاہے محبت کی بانسری نغمہ زائے درد اس طرح بھتی ہے  
 خدا کس کو کہتے ہیں کیا جانتے تھے  
 جسے کہتے ہیں سب کلام الہی  
 ترا وصل جنت ترا ہمہ دوزخ  
 ترے منہ سے ذکر خدا ہے محمدؐ  
 وہ تیری زباں سے سنا ہے محمدؐ  
 تری دید۔ دید خدا ہے محمدؐ

۳۱۔ حضرت قبلہ مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کے چہلم پر جب حاضر ہوا تو مجھے نہایت شوق  
 تھا کہ مجازوں کی زیارت کر کے اپنا ارمان نکالوں۔ بلکہ جناب حاجی صاحب کے میں نے  
 یہ خواہش بھی کی کہ ان کے ناموں کی فہرست عنایت ہو لیکن حاصل نہ ہو سکی۔ پھر سینکڑوں  
 نہیں بلکہ ہزاروں کے مجمع پر جب میری نظر اٹھتی تھی۔ تو تمام چہروں کو بوستی ہوئی پار نکل جاتی تھی  
 اور کسی ایک پر نہ جھتی تھی۔ کیونکہ تمام نورانی اور مبارک چہرے ایک جیسے تھے اور تمیز شکل  
 تھی۔ تاہم میں نے خیالی تصور سے بہت سے لوگوں پر نظر جمائی۔ کہ یہ مبارک چہرے ایسے ہیں۔  
 کہ خلافت اور اجازت عامہ ان کو حاصل ہوگی۔ لیکن دوسرے دن جلسہ خاص میں مجاز  
 حضرات اکٹھے ہوئے تو ان میں سے ایک بھی نہ تھا۔ جنہیں میں نے اپنے تصور اور خیال میں  
 لے رکھا تھا۔

ع۱ میرادل مجھ سے کہتا ہے کہ میں شاہباز لاہوتی ہوں۔ اور عالم قدس میں اڑنے کی تمنا رکھتا ہوں  
 اس وحشت کے گھر میں میں کیوں ٹھہروں۔ میں تو وحدت کے باغ میں چلنے پھرنے کی آرزو رکھتا ہوں  
 ع۲ تمام انبیاء علیہم السلام تیری پناہ میں ہیں اور تیری بارگاہ میں مقیم ہیں  
 تو آفتاب ہے اور وہ تمام سیارے ہیں۔ تو ملک کا بادشاہ ہے اور وہ تیرے نوکر چاکر۔

۳۲ - اس سے بہتر نہ سمجھا جائے کہ میرا قیاس غلط تھا ع  
خاص کذبہ مصلحت عام را

کا مسئلہ تھا۔ بلکہ بعض اصحاب تو اپنے صفاتِ خاصہ میں ایسے ممتاز تھے کہ مجاز حضرات ان سے مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ ایک جس طرح حکمتِ الہیہ گرفت سے پاک ہے۔ اسی طرح اس کے ولایت برکے بدہ کے اسرار اور حکمتیں گرفت سے بالاتر ہیں۔ اجازت اور خلافت کے لئے اور امت مذکورہ کے سوا کسی دوسری چیز کی ضرورت ہے۔ جسے میں عقلِ عامہ سے تعبیر کرتا ہوں تاکہ وہ اپنے متوسلین کی ہر طرح کی نگہداشت اور ہر طرح کی تربیت کر سکے اور راستہ بتلا سکے ورنہ حضورِ رحمتہ اللہ علیہ کے خدام میں ایک ایسی جماعت دیکھنے میں آتی کہ اپنی استعداد و روحانی میں نہایت بالاتر اور جسے اپنے اور پرانے سے تعلق نہیں۔ مگر چونکہ خود حضرت قبلہ مرثدم رحمۃ اللہ علیہ پر کمالاتِ نبوت کا غلبہ تھا۔ اور کمالات و ولایت مغلوب ہو چکے تھے۔ اس لئے نگاہِ انتخاب نے بھی انہیں پسند کیا تو کمالاتِ نبوت کا ظل ہو سکیں۔ خواہ کمالاتِ ولایت کی ان میں نمایاں کمی ہو۔

۳۳ - حضرت والا جاہِ مرثدم رحمۃ اللہ علیہ نے جب مرض الموت میں جمعہ کے دن مجھے رخصت فرمایا۔ تو میں نے فیض پور میں قاری اللہ بخش کے ہاں اقامت چند روزہ کا ارادہ کیا۔ تاکہ حضرت کی علالت کا یکسو نتیجہ دیکھے بغیر نہ جاؤں اور ہمیشہ کے لئے نہ روتا ہوں۔

۳۴ - رخصت لے کر جب باہر نکلا۔ تو آپ کے ایک خادمِ رحمت علی بھی ساتھ ہوئے۔ وہ بھی گھر سے حضرت کی بیماری سن کر آئے تھے۔ اور جمعہ پڑھ کر جانے کا ارادہ تھا۔ میں نے ان سے کہا۔ جمعہ اب کہاں؟ آپ تو بیمار ہیں۔ پھر یہاں جمعہ کی نماز تک رہنے کا کیا فائدہ؟ اس نے جواباً کہا۔ آخر کہیں جمعہ تو ادا کرنا ہے۔ اس پر جمعہ ادا کرنے کے لئے میرے ہمراہ ہو گئے اور چار پانچ روز ہم دونوں اکٹھے رہے لیکن حیران ہوں۔ جب دیکھو اپنے خیال میں غرق۔

صوفی رحمت علی صاحب کے ذکر

۱ کسی ایک بندے کو عمومی بھلائی کے لئے خصوصیت عنایت کی جاتی ہے۔ کمالاتِ نبوت میں سرفہرست بقائے کامل انتظار حکم باری، پھر اظہارِ انوار اور تربیتِ مخلوق، عقل کل، اور دانش عامہ اور اس کا اظہار قبیل عن الخلق، محویت۔ فی التجلیات  
۲ یوسفی صوفی رحمت علی صاحب ہیں جو حضرت اعلیٰ کی تربیت سے صاحبِ کمال ولی اللہ بنے اور موضع گنگ ضلع لاہور کو گنگ شریف بنایا۔ اور شرفی سب سے میری  
کاظہور نہایت شاندار ظہور ہے اور عوام و خواص آپ سے فیض نسبت حاصل کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی زندگی لمبی فرمائے۔ آمین۔

دوپہر ڈھلنے پر اٹھ کر با وضو قبلہ رخ جنگل میں بیٹھ جاتا اور برابر شام تک اپنی حالت میں میں مست نظر آتا۔ اور پھر آدمی رات کو جاگ اٹھا۔ عادات۔ اخلاق ایسے پاکیزہ کہ سبحان اللہ کیا کہوں۔ ایک دن مجھ سے کہا۔ کچھ سناؤ۔

۳۵۔ میں نے کہا کہ نیک آدمی کو دھوکے بہت لگ جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ اللہ کرنے لگتا ہے تو اس کی شہرت ہو جاتی ہے جس پر لوگ دم۔ دعا۔ تعویذ۔ گنڈا کرانے کے لئے اس کے پاس دوڑتے ہیں۔ اور بے چارے صوفی کو دھوکا لگنا شروع ہو جاتا ہے کہ اب تو میں محبوب الہی ہونا جاتا ہوں یہ دعا میری منظور ہوگئی اور وہ کام میری بددعا سے تباہ ہو گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۳۶۔ اس پر ہمارا نوجوان صوفی کہنے لگا۔ کہ لوگ میرے پاس بھی تو آتے ہیں۔ اس کے بعد پھر دم وغیرہ نہ کروں گا۔ اگلے دن ایک آدمی نے مشہور کر دیا کہ رحمت علی شرق پور شریف کے دروازہ پر مجھے ملا تھا۔ لیکن جب گاؤں میں آیا تو یہ یہاں تھا۔ لوگوں سے پوچھا گیا۔ تو لوگ کہتے ہیں۔ رحمت علی کہیں نہیں گیا۔ اس پر وہ میرا بڑا معتقد ہو گیا۔ اور لوگ بھی حیران ہیں مگر میں تو واقعی نہ گیا تھا۔ نہ وہ مجھے کہیں ملا بلکہ کسی پر میرا شبہ ہوا۔ ورنہ میں تو یہاں تھا۔

۳۷۔ میں نے رحمت علی سے دریافت کیا کہ حضرت قبلہ مدظلہ بھی تم کو جانتے ہیں؟ کہنے لگا۔ کہ ہاں! کبھی رحمت علی فرماتے ہیں۔ کبھی رحمت اللہ۔ میں نے پھر کہا کہ کتنی مدت سے آتے ہو؟ کہا۔ دس بارہ سال سے۔ میں نے کہا۔ پھر تمہیں خادم نہیں جانتے؟ کہنے لگا کہ نہیں۔ جب کبھی حاضر ہوتا ہوں تو بہت ہی کم حضور کی خدمت میں حاضری کا موقعہ دیا جاتا ہے۔ ایطاف آپ نے کچھ فرمایا۔ دوسری طرف باہر جانے کا حکم ہو گیا۔ تراں بعد دریافت کیا کہ شادی کی؟ کہنے لگا۔ میں نے شادی کرنا پسند نہیں کیا۔ ماں باپ نے بہت زور دیا تھا۔ لیکن میں نے

ملاحظہ فرماتے اور ذکر شکر اور مجاہدات سے روحی نسبت جسم پر قلب پاجاتی ہے تو پھر یہ نسبت اپنا مستقل وجود رکھتی ہے اور عالم امر کی مخلوق (ملائکہ) کی طرح بے ارادہ و با ارادہ مقام بدلتی ہے اور جذب سے متاثر ہو کر زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہو جاتی ہے۔ اس کے سامنے وحدت و کثرت کا عقیدہ بھی کوئی مشکل عقیدہ نہیں رہتا اور صاحب نسبت و لائش کے اکثر کلمات اور بیتر کلمات اس سے نکلنے ہیں لوگوں کے حسن ظن، اعتقاد اور محبت کا وسیلہ یہی نسبت بنتی ہے لوگ اسی نسبت پر شیدا ہوتے ہیں۔ تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا۔

کہا۔ خواہش نہیں۔ جب ہوگی دیکھا جائے گا۔

۳۸۔ اب خود سوچو۔ کہاں وہ صوفی مٹھانی جو مجسم شہوت ہوتے ہیں اور ہر گھڑی سنت نکاح میں سرگرم۔ بلکہ جہاں تک مجھے علم ہے بہت سے ایسے بزرگ ہیں کہ ظاہر اور پوشیدہ کسی کمی نکاح کر کے لذتِ نفس حاصل کرتے ہیں۔ بھلا جسے محبت الہیہ ہو۔ وہ اتنے اُن گنت نکاحوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور سچی محبت سنت نکاح کا بہانہ اُس کے لئے چھوڑتی ہے۔ سچ ہے۔ مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ ط (خدا نے کسی آدمی کے سینہ میں دو دل پیدا نہیں کئے)

سچا سالک سوا کی محبت سے پاک ہوتا ہے

یہ مدعیاں و طلبش بے خبرانند کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

۳۹۔ مجھے اپنے جدا مجد رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا پر نظر نہ جمتی تھی۔ اور کہتا تھا کہ حضرت صاحب نے کچھ بھی نہیں کیا۔ آپ کا جو بھی خلیفہ ہے تعلیم و تعلم کے سوا کچھ جانتا نہیں۔ نہ حلقہ مریدیت زیادہ رکھتے ہیں۔ نہ وسعتِ رزق کا ڈھیر اُن کے سامنے دکھائی دیتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کچھ نظر بلند عنایت فرمائی اور اکثر خلفائے وقت مشہور اور غیر مشہور کا توازن کیا۔ تو اوصاف مذکورہ

خفیہ اور مجاز کے اوصاف کیا جتے ہیں

میں کوئی بھی ممتاز نہ پایا۔ بلکہ اکثر قلیل۔ ہاں حضرت قبلہ جدا مجد علیہ الرحمۃ کے خلفاء کو جتنا پایا۔ کھوس پایا۔ بناوٹ ان میں نہیں۔ اور تقویٰ و دیانت سے لبریز۔ اور پیر و مرشد کے ارشاد پر کار بند۔ اور اپنے حالات پر قانع اور شاکر۔ اب میں انہیں دیکھ کر خوش ہوتا ہوں کہ جیسے کامل تھے۔ ویسا ہی کام بھی کامل کیا۔

۴۰۔ حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر متوسلین (بلکہ کوئی اور شاذا ان کے سوا ہوگا) بلکہ جتنا نسبت باطنی سے مرئرز ہیں۔ اگرچہ وہ صاحب اجازت نہیں اور جن لوگوں کو اجازت بخشی گئی وہ میری نظر سے گزرے۔

عارف کے متوسلین میں سے کوئی بھی نسبت خالی نہیں ہوتا

۴۱۔ اصل میں وہ بموجب حکم آیت فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اَشْتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔ بارہ تھے اور تیرھوں بارشادات اللہ وَتُرْوِيحُ الْوُتْرَةِ سے۔ کیونکہ آپ ہمیشہ تمام امور میں وتر پسند فرماتے۔

آپ کے خلفاء کی تعداد

یا نفسی خواہشات عوام کو بند نہیں ہونے دیتیں لیکن جب فضل خداوندی سے کامل ہونے کی تربیت شروع ہو جاتی ہے تو عالم بالا کی تاثیرات سے روح و جسم بجا جانے اور نفسی خواہشات کھانا۔ پینا لذاتِ نظارہ و نکاح مراتب دولت دنیوی تمام بجاتی ہیں اسی کو فنا کی تاثیرات کہتے ہیں لیکن جب فنا میں رہ کر تربیت مکمل ہو جاتی ہے تو پھر یہی ضروریات بشری ہوش سنبھالتی ہیں اور عیوش میں رہ کر اپنا وظیفہ حیات پورا کرتی ہیں۔ بلا حرج و بیجا اہل نے کامل کی تربیت قبول نہ کی یا کامل نہ بلالہ کے ظاہر حالات کو بدل گئے۔ لیکن نفسی کیفیات کا غلبہ جملہ قوتوں کا۔ اب جتنا مرفقہ خواہشات کے پورا کرنا چاہیے گا اتنی خواہشات نفسی پوری ہوں گی کھانا۔ پینا۔ لذاتِ شہوت۔ دولت کے حصول اور اس کے استعمال اور دیگر کیفیات سے جی کھول کر حقہ لیں۔ اعاذنا اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے کسی سینے میں دو دل نہیں رکھے (یعنی بالہبت ہوگی یا نفس پرستی) بلا دعویٰ کرنے والے اسکی تا میں بے خبر ہیں جس کو خبر ہوگی (یعنی یاد رکھیں) پھر اس کی خبر آئی یعنی وہ نیستی اور لادعویٰ کے میدان میں چلا گیا۔ یہ اس سے بارہ چشمے چھوٹ چکے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے اور تو کر دوست رکھنا ہے۔

۴۲۔ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ط کی تعبیل بھی اپنی زبان سے فرما گئے۔ لیکن اُن میں سے چار کو اصالتہً جانتا ہوں۔ کیونکہ اُن حضوروں پر پا رحمت نے ان چاروں سے تعارف کرایا۔

(۱) حضرت مولانا صاحبزادہ مظہر قیوم صاحب

(۲) مکرئی حاجی عبدالرحمن صاحب

(۳) مشفق جناب سید اسماعیل شاہ صاحب

(۴) برادر م سید نور الحسن شاہ صاحب

۴۳۔ میری کیا طاقت کہ میں کسی کی حالت یا کسی کا درجہ دکھاؤں۔ لیکن تبصرہ لکھنے والا مجبور ہے کہ جو کچھ اُس کے ذہن میں آئے بلا کم و کاست احباب کے سامنے پیش کر دے۔ اس وجہ سے میں چند حدت لکھنے پر مجبور ہو گیا۔

۴۴۔ (۱) حضرت قبلہ مظہر قیوم صاحب سجادہ نشین مکان شریف سے تعارف نہیں بلکہ نیاز، بتعام مکان شریف بموقعہ عرس شریف کرایا گیا۔ گو حضرت صاحبزادہ صاحب والا جاہ آپ کے اخلاص مندوں سے تھے لیکن حضرت رہ ہمیشہ اُن کو مرشدزادہ اور سجادہ نشین کے درجہ میں دیکھتے تھے۔ اور اس اخلاص سے پیش آتے تھے جس طرح ایک اخلاص مند مرید اپنے مرشدزادہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ بلکہ حضرت صاحبزادہ صاحب کا اخلاص مند ہونا اور اُن حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہونا صحیح اُس وقت معلوم ہوا۔ جبکہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے کلاہ اجازت بذات خود اپنے ہاتھ سے اپنے سر مبارک پر رکھی۔ مجھ سے بڑھ کر احباب اور اخلاص مند اُن کے حالات۔ اخلاق۔ عادات سے واقف ہیں بلکہ مجھے شرف نیاز بھی زیادہ حاصل نہیں ہوا۔ جو کچھ زیادہ عرس کروں اور کروں بھی تو گستاخی ہے۔

۴۵۔ (۲) جناب حاجی عبدالرحمن صاحب کا تعارف محتاج بیان نہیں۔ جو بھی شرفیور شریف گیا۔ اور حضرت کے خادموں میں داخل ہوا۔ وہ حاجی صاحب کو جانتا ہے۔ عادات۔

حضور انور نے اپنے گھاٹ کو پہچان لیا۔ حضرت شیخ مظہر قیوم صاحب مکان شریف کے سجادہ نشین تھے۔ نہایت زبرد و طبیعت رکھتے تھے۔ ہر مبارک مکان شریف میں ہے۔ اب حضرت کے سجادہ نشین صاحبزادہ سجادہ صاحب ہیں۔ عورت ظاہر و باطنہ میں کامل ہیں اور جہل و سبب میں ضلع شیخ پورہ میں مقیم ہیں۔ حضرت قبلہ پیر صاحب کے عطار ہیں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ تصویب میں مزار پر انوار ہے۔ سالانہ عرس خاصے اہتمام سے ہوتا ہے۔ قبر مبارک ریح عاتق ہے۔ حضرت قبلہ سید اسماعیل شاہ صاحب کی نقیہ برکت کو اللہ تعالیٰ نے بڑی کبریاً عطا فرمائی تھی (وفات ۲۰ جنوری ۱۳۳۷ھ) اور لاکھوں بندگان مدد سے اپنے سے فیض پانچ حضرت شاہ صاحب کے سوز و محبت نے غلبے کے سینوں میں تلاطم پیدا کر دیا۔ ان کی صورت و شکل ادب اس سے نسبت نمایاں تھی۔

اخلاق۔ اتباع اور تقویٰ میں بے مثل ہیں لیکن درد اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں اتنا بھرا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ جب جمعرات کی سحری کو اذانیں کہتے اور درود شریف باواز بلند ماذنہ (مینار مسجد) پر کھڑے ہو کر پڑھتے۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سینہ بے کینہ شوق ہو کر آواز آرہی ہے اور سونے جاگنے والے کے رونگٹے کھڑے ہوتے۔ حالانکہ عام مجلس اور صحبت میں وہ کا عوام بیدار نظر آتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ درد کو اتنا ضبط کر رکھا تھا کہ سوائے آواز کے کسی اور طرح ظاہر نہ ہونے دیتے۔ یہی درد تھا کہ جب حضرت قبلہؑ کے چلم پر حاجی صاحب نے قرآن کریم پڑھا اور جب **لَوْ اَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ** کی آیت منہ سے نکالی تو دس بارہ ہزار کے مجمع میں سے کوئی ہو گا جس کے آنسو نہ پھوٹ آئے ہوں اس کے بعد **هُوَ الَّذِي كَفَّنا** کہنا تھا کہ رونے کی آوازیں اٹھنے لگیں۔ اور پھر **يَوْمَ مَنُونٍ بِالْغَيْبِ** کا منہ سے نکلتا تھا کہ قیامت کی طرح گریہ و زاری کا شور اٹھا۔

۴۶۔ اب جو دسو چو کہ پہلے تو مجلس میں عربی دان بہت کم تھے۔ پھر جن الفاظ پر قیامت برپا ہوئی وہ ایسے نہ تھے کہ ان کے معانی درد سے بے خبر ہوں۔ لیکن خود حاجی صاحب کا درد ایمانی تھا کہ **هَذَا الْقُرْآنَ** کی عظمت سے تھرا اٹھا۔ پھر **هُوَ الَّذِي كَفَّنا** کی توجیہ نے آپ کے رگ و ریشہ میں جنبش پیدا کر دی جس نے سارے جلسہ کو ہلا دیا۔ پھر **يَوْمَ مَنُونٍ بِالْغَيْبِ** کی حقیقت ایمانی نے رہے سے صبر کو بھی چاک کر دیا۔ لیکن واہ رے ضبط! کہ حاجی صاحب کے ظاہری چہرے پر ایک ذرہ بھی تبدیلی نہ ہوئی نہ آنسو پھوٹے نہ طبیعت میں کچھ تغیر واقع ہوا۔ یہ وہ صفت ممتاز تھی جو حضرت قبلہ مرحوم سے بالخاصہ آپ کو عنایت ہوئی۔ حضرت قبلہؑ کا درد کہ آپ کی ذات بابرکات میں بھی ایسا درد بھرا تھا کہ جو بھی سامنے آیا۔ جس سے بھی کچھ فرمایا۔ وہی سر ڈالے آنسو گرا رہا ہے۔ لیکن خود حضورؐ ہیں کہ پورے ضبط سے باتیں فرما رہے ہیں۔

اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے (تو تو لے مخاطب) اس کو دیکھنا کہ وہ عاجزی میں رگ جاتا اور اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔ اور یہ مثالیں ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے دیں تاکہ وہ فکری کریں۔

۳۷۔ یہ یاد رہے کہ جب تک متکلم کے دل میں اثر نہ آئے دوسرے سے دل میں اثر ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ درد انجیز قعدہ سنا کر شکستہ دل کا دامن صبر بھاڑ دیا جائے۔ لیکن ایک بے درد کو درد کے بغیر جنبش نہیں دی جاسکتی۔

۳۸۔ یہی ایک صفت تھی جس نے حاجی صاحب کو صدیقیت کے بلند درجے پر کامیاب کیا۔ اکثر جب کبھی کوئی شخص خدمت عالیہ میں حاضر ہوتا تو آپ فرماتے تھے کہ ”عبدالرحمن جو مسجد میں تھا۔ اس سے بات کر لیتے۔ جاؤ عبدالرحمن سے کچھ پوچھ لو۔“

عبدالرحمن تم کو سمجھا دے گا۔ (ملفوظ)

۳۹۔ جب سے میں حاضر ہوا۔ حضرت نے حاجی صاحب سے تعارف کرایا۔ جو کچھ آپ نے فرمانا ہوتا تھا۔ اکثر آپ کی زبانی فرمایا کرتے تھے۔ جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا۔ اکثر ان کی معرفت دریافت حضرت قبلہ کی حُزری فرماتے۔ ایک دفعہ حاجی صاحب سے حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت

فرمایا۔ کہ کچھ ان پر قرض تو نہیں۔ پھر دریافت کیا۔ ان کی کیا حالت ہے؛ حاجی صاحب نے عرض پیر کو تریڈ کی ہر حالت کا کی کہ میں نے تو کچھ دریافت نہیں کیا۔ فرمایا ”واہ اتنا بھی نہ کیا کہ اپنا آنگران رہنا ضروری ہے۔ آدمی آئے۔ اور اس سے اُن کی خانگی اور باطنی حالت بھی نہ پوچھی جائے۔ چنانچہ حاجی صاحب نے میرے ہمراہی میاں دوست محمد سے دریافت کر کے عرض کی۔

آپ بہت خوش ہوئے۔

۵۰۔ خاص ارادت مندوں کی تشبیح (روانگی) کے لئے حاجی صاحب کی ذات بابرکات کو اختیار کیا۔ بلکہ ایک طرح اپنے قائم مقام روانہ فرماتے۔

۵۱۔ ایک بار قاری صاحب آئے اور رخصت لے کر روانہ ہوئے۔ میں خون کے مارے بیٹھا رہا۔ کہ مبادا ان کے ہمراہ جانے میں گستاخی ہو۔ جیسا کہ موجودہ وقت میں بزرگوں کے ہوتے مصافحہ وغیرہ امور بے ادبی خیال کئے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے دروازے سے نکلنے پر آپ نے تہنم

۱۔ صدیقیت: قلبی اور سچی دوستی؛ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہایت گہری قلبی محبت تھی جس نے فداکاری کے درجے عطا کئے اور حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بے حد شفقت فرمائی اور اس تعلق محبت و اطاعت نے خلافت کے پہلے درجے اور بلند ترین مسند پر بٹھایا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی محبت اور جان نثاری کو شمال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

بھی مندرمایا۔ اور کہا "کہ ان کو آگے تک چھپوڑ تو آؤ" (ملفوظات)

۵۲۔ قبلہ حضرت مرحوم مجتہد تھے۔ اور کورانہ تقلید کے سخت مخالف تھے بلکہ جو امر درست نظر آتا

وہی اختیار فرماتے اور کسی کی پیروی نہ فرماتے۔ ہاں اگر وہ استجاب ہوتا۔ تو پھر سلف صالحین

۵۱۔ جاساکے کے نزدیک مستحب فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ کے طریقہ پر اتنے راسخ تھے کہ فرضیت کا رتبہ نظر آتا۔

۵۳۔ اگر حضرت حاجی صاحب کو مرکزی خلافت گاہ میں نہ رکھا جاتا۔ تو آج ہزاروں کی تعداد

میں آپ کے خادم اور متوسل نظر آتے۔ لیکن آفتاب کے ہوتے ستاروں کی چمک کہاں بہ ستارے

کا وجود بھی نظر نہیں آتا بلکہ خود ستارہ اپنی ہستی سے شرمندہ۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب

کے وجود باوجود کو حضرت قبلہ کی حیات طیبہ میں فروغ نہ ہوا اور نہ آپ کی ذات میں کوئی کمی نہیں

۵۴۔ اب مجھے قوی امید بارگاہ الہی سے ہے کہ اگر کوئی خاص مانع اور حجاب پیش نہ آگیا تو

وہ دن دور نہیں کہ حاجی صاحب کی ذات بابرکات خواص اور عوام میں مغنمات سے خیال کی

جائے گی۔ اور مسدود دروازے روحانی آپ کے ایک اشارہ سے کھل کر شعاع لاہوتی سے

کتاب فیض کریں گے۔

۵۵۔ (۳) جناب سید اسماعیل شاہ صاحب کی طبیعت نے حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی

ذات بابرکات سے مسکنت حاصل کی۔ اتباع تقویٰ انبیاء میں بے مثل نظر آتے ہیں اور نیاز آپ

کا خاصہ ہے۔ اس صفت میں درجہ انبیاء ہی رکھتے ہیں۔ پیرو مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی حیات

طیبہ میں سند خلافت کو اتنی رونق دی کہ کسی دوسرے کو یہ نصیب نہیں ہوئی۔ اور سب سے

خلیفہ وہی کامیاب ہوتا ہے جس

کے مریدوں پر اس کے پیر کا اثر نظر آتا ہے۔ جو حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے خادموں پر

نظر آتا ہے سب کے سب نہایت منادب۔ منکر المزاج سلسلہ بیعت میں اچھے اچھے

عالم بھی داخل ہو رہے ہیں۔

علما اجنباد : جن مسائل کا حل مشکل ہو ان میں ایک موزون راستہ چلنا بعض اوقات علم میں اور فقر میں ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ علم و فقر کے

مقتدا اپنی طبیعت انہماک کسی خیالی جھکاؤ سے ایک راہ چلتے ہیں اور ان کے پیرو اس راستے کو سب اعلیٰ جانتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ایسا

نہیں ہوتا۔ اس صورت میں علم ہو یا فقر کوئی ایسا مرد مجتہد پیدا ہو جاتا ہے جو موزوں اور بے خطر راہ انتخاب کرتا ہے۔ تقریباً حضرت اعلیٰ

(بقیہ صفحہ ۲۱۳ پر)

شرقیہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہی تعریف تھی۔



۵۶۔ میں ایک۔ بار حضرت قبلہ مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک خادم مولوی  
عبدالملق دیوبندی فارغ التحصیل حسب الارشاد اپنے مرشد حاضر حضور ہوئے۔ حضرت قبلہ نے  
دریافت فرمایا تو عرض کیا۔ کہ شاہ صاحب اسماعیل شاہ صاحب متعلق ہے۔ آپ نے مین چار  
روز اپنے ماں ان کو کھڑا کیا۔ اور نہایت محبت سے رخصت فرمایا۔

۵۷۔ اکثر شاہ صاحب کے خادم آتے تو آپ مہربانی فرماتے۔ اور ان کو اپنے خادموں کی طرح جانتے  
شاہ عبدالغفور شاہ نوجوان لڑکے نے جب کلام اللہ شریف حفظ کر لیا۔ تو آپ نے شاہ صاحب  
کی خدمت میں روانہ کیا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ حافظ نذیر کے چہرے بشرے سے وہ انوار چمکتے  
ہیں۔ جو ایک ہونہار طبیعت اپنے کامل پیر سے جذب کر سکتی ہے۔ ضلع فیروز پور اور گڑونواح  
شاہ صاحب کا اثر کے لوگ جب شرفور شریف آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ تو حضرت قبلہ  
رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ”شاہ صاحب جو تھے۔ ان کے پاس چلا جانا تھا۔ ایک ہی بات  
ہے“ (ملفوظ)

۵۸۔ شاہ صاحب کی ذات با برکات نہایت خائف واقع ہوئی ہے۔ کیا مجال کہ حضرت  
قبلہ کی خدمت میں آنکھ بند کر جائیں یا کوئی لفظ منہ سے نکال بیٹھیں۔ جب مرض الموت میں  
شاہ صاحب آئے تو دوسری صبح جب آپ روائی پینے کے لئے اٹھے اور نظر پھیر کر جو دیکھا  
تو شاہ صاحب مغرب کی جانب آپ کے سرانے کی طرف بیٹھے تھے۔ آپ نے نہایت عجز سے  
توجہ فرمائی اور فرمایا۔ یہ تو ہمارے شاہ صاحب ہیں“ (ملفوظ)

۵۹۔ سبحان اللہ! کتنا محبوب لفظ ”ہمارے شاہ صاحب“ ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد

(بقیہ صفحہ ۲۱۲) عا روحانیت لطافت کی بلند ترین قسم ہے۔ مادیت کی روکاوٹوں سے اس لطافت کی روکاوٹیں کہیں سخت ہیں موانع کی وجہ پر نظر نہیں پڑتی، لیکن  
بند صانیت کا مالک اپنی توجہ سے قلبی مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔ شعاع لاہوتی، ذات الہی کے انوار ان سینوں میں آنا شروع ہر جگہ ہیں جو سینے ابھی ابھی سخت ترین آلودگیوں سے  
آلودہ تھے۔

علا فقر کی امتیازی خصوصیت یہی تین اوصاف ہیں۔ مسکنت۔ انبساط اور تقویٰ کسی طبع میں جب یہ جواہر موجود ہوں تو ایسا فقر شجر پر بہار  
ہے اور سلسلے کی رونق۔

رخصت فرمایا۔

۶۰۔ حاجی صاحب موٹر پر بٹھانے کے لئے ہمراہ گئے میں بھی ساتھ تھا۔ کہ سید نور الحسن شاہ صاحب اڈے والی مسجد میں پہنچے اور جیب سے دو سو روپے جو شاہ صاحب نے نذرانہ پیش

حضرت قبور کا شغف کے کمال  
ولی بے نیاز ہوتا ہے۔

کیا۔ واپس دیا۔ اور کہا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ سنا ہے کہ "شاہ صاحب نے مسجد بنوانی ہے سو یہ رقم مسجد پر خرچ کر دیں"۔ (ملفوظ)

۶۱۔ شاہ صاحب کا اخلاص یہ تھا کہ جو کچھ لنگر سے بچتا تھا حضور کے لنگر میں داخل کر دیتے تھے گا بے اپنی حاضری پر اور گا بے اپنے خواص کے ذریعے نوٹ لے کر ایک لفافہ میں بند کر دیتے اور دو تین سو سے زائد رقم پیش کرتے۔ اپنے لنگر میں پوری قناعت اختیار کر رکھی تھی۔ اور اخراجات نہایت ہی معمولی بنا رکھے تھے۔ آخری سفر مکان شریف کے مصارف آپ کے نذرانے

شاہ صاحب کا اخلاص

ہی سے پورے ہوئے جو ایک مخلص کے ذریعے شاہ صاحب نے مبلغ تین سو روپے خدمت عالیہ میں پہنچایا۔

۶۲۔ ابھی اُن کی ذات سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ فقر جوانی میں اس وقت آتا ہے جب فقیر اپنی عمر کے آخری مراحل میں ہو۔ ابھی انشاء اللہ بہت میدان وسیع ہے اور بہت کچھ امید ہے۔ وقت آئے گا کہ دنیا کسے گی کہ یہ فلاں قبور رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ۔

فقیر پیری میں جوان ہوتا ہے

۶۳۔ جناب سید نور الحسن شاہ صاحب کی بابت کچھ لکھنا بے معنی ہے۔ اکثر دوست اُن سے زیادہ تعارف رکھتے ہیں۔ اور مجھ سے زیادہ اُن سے واقفیت حضرت شاہ صاحب کو ماہر الاقرباء جو خاصہ حضرت سے عنایت ہوا۔ وہ "سوز" ہے آپ کی طبیعت عاشقانہ

جناب سید نور الحسن شاہ صاحب

پیر مرشد کے تعلقات بعض ہے۔ اُن کے اور حضرت قبور کے راز و نیاز محبوبانہ تھے۔ پیری مریدی مرید مراد ہوتے ہیں۔ کا تعلق نہ تھا۔ گاہ اُن سے ناراض معلوم ہوتے اور گاہ ان پر فدا

مل لنگر بزرگان میں کا ہمانجہ جب اللہ کریم نور قدیم کے چشمے جاری فرماتے ہیں تو دروزدیک سے مخلوق سیرابی کے لئے حاضر ہوتی ہے۔ اور بزرگ کی طبع کے مطابق ہر ایک کی ہمان فزازی ہوتی ہے اگرچہ لنگر کا نام دار مدار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہوتا ہے اور پریشی امداد الہی پر تاہم تحفہ تمام نذرانہ کا سلسلہ بھی جاری ہوتا ہے۔ خدمت شیخ فریاد مرشد سے نہیں، کامل مرشد وہی ہے جو نیاز ہوا اور مستغنی لیکن خدمت کے بغیر مرید کی ادیت کو چوٹ نہیں لگتی اور جب تک مار دین نکستہ ہو رہائیت کا داخلہ مشکل ہوتا ہے۔ تو بجا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ ہے جب تک لکھی گئی حضرت شاہ صاحب بزرگان تھے۔ یہ ایک فقیر کی پیشگوئی ہے کہ فقر بڑھاپے میں جوان ہوتا ہے۔ کہ نکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

حضرت شاہ صاحب کی عمر سن وقت ۸۰ سال کے قریب، اذنی سانی تھی عام سے کہ نذرانہ فیض کے طالب، دروازے اگر کبھی کبھی کھلتے ہیں۔ خوشادہ دل جو محبت کا امتداد ہے حضرت مجدد الف ثانی حضرت امین کریمت راستے کی شرط ہے۔ محبت سائل کے شاہ پر بن جاتی ہے۔

جتنا اخلاط حضرت شاہ صاحب سے آپ کو تھا۔ اتنا کسی اور سے نہ تھا۔ اس والہانہ طبیعت نے آپ کو ایسا بے اختیار کر رکھا تھا کہ بعض وقت خلاف ارشاد دامنِ محبت نہ چھوڑتے۔ کئی بار آپ نے شاہ صاحب کو اپنے گھر رہنے کا ارشاد فرمایا۔ کئی بار فرمایا کہ اپنی حیاتی میں تمہارا ٹرڈیکھوں گا۔ گاہ شاہ صاحب کو محبت سے رخصت کیا۔ اور گاہ جھگی سے۔ مگر ہفتہ گزرنے نہ پاتا۔ کہ شاہ صاحب آدھکتے۔ پہلے تو حضرت قبلہ روحی فداہ دیکھ کر ناراض ہوتے۔ لیکن بعد میں ان کی جلی طبیعت پر نظر فرماتے ہوئے مرید و پیر شیر و شکر ہو بیٹھے۔ شاہ صاحب کی طبیعت نہایت شاہ صاحب کی طبیعت

مستعد تھی اور بے دھڑک۔ باوجودیکہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ پر فریفتہ تھے۔ لیکن پھر بھی بے خوف۔ بے دھڑک۔ آپ سے بات چیت کر لیتے تھے۔ اگرچہ سزا و ارشاد پر بھی کبھی پاؤں نہ جاتے تھے۔ تاہم علاقہ کے لوگ انہیں نہایت پسندیدہ حصال خیال کرتے تھے۔ اور گرد و نواح کے لوگ ان کے زیر اثر نظر آنے کیٹی آدمی ان کے تعلق رکھنے والے دیکھے۔ شکر سے کہ ان پر شاہ صاحب کا اثر نمایاں نظر آیا اور ان لوگوں کو شاہ صاحب سے پوری عقیدت ہے جیسا کہ لکھا گیا۔ دفت آ گیاموز کئی ساز پیدا کرے گا۔ اور ایک دن آئے گا کہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کے یہ فرزند ارجمند سبوت کہلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو عمر دراز بخشنے اور ہمارے لئے ان کو باعثِ سعادت و اربین فرمائے آمین ثم آمین»

۶۴۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کوئی ایسی طبیعت نہ رکھتے تھے کہ کسی کو بھی آپ کے متوسلین سے آپ کی نسبتِ خاصہ کا اہل سمجھا جائے۔ اور ایسی پاک رُوحیں دنیا میں بہت کم ہوتی ہیں کہ جن کی ذات میں فطرتی استعداد نہایت بلند ہو۔ جسے عام لوگ مادر زاد ولی اللہ کہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہوتے ہیں کہ عالم طفولیت سے ان کے آثار اور حالات الگ ہوتے ہیں۔ اور بچپن سے طبیعت کی افتاد منازلِ عشق میں واقع ہوتی ہے اور پیر و مرشد کے تعلق سے پیشتر ہی یہ لوگ ذاتی و سہلہ باری غراسمہ کے ساتھ رکھتے ہوتے ہیں۔ دیگر لوگ جو بعد سلوک اپنے میں پاتے ہیں۔ یہ لوگ اس

دفت آ یا اور سوز سے ساز پیدا کرنے۔ شاہ صاحب قبلہ وہ مزہب پایا جو حضرت میان صاحب کی خصوصی نسبت کے لائق تھا۔ صاحب جذبِ کامل صاحب سلوک نام تھے اور تاثیرِ نیروں کے کمالات کے اب کھول رکھے تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

ہنگ دنیا میں نساہی موجود ہے اور اختلاف بھی اور کمی بیشی بھی اور یہی چیز اس جہان کا حسن ہے۔ اور حکمتِ الہی کا نمونہ اور ہم فہم میں یہ راقی مراتب موجود ہے۔ سلوک الی اللہ مقصدِ اعلیٰ ہے انسانیت کا اس کے لئے بھی بعض لوگ فطرتاً تیار ہوتے ہیں اور ان کے احوال ان کی عظمت کا پتہ دیتے ہیں اور عبادت و اطاعت میں وہ اعمالِ حیرت سے کمر بستہ ہوتے ہیں۔ اخلاق و عادات میں وہ تربیت یافتہ لوگوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں۔

سے کئی گنا بڑھ کر سلوک سے پیشتر دیکھ چکے ہونے ہیں۔ بلکہ آتشِ عشق کو صرف پیرومرشد ایک خاص ڈھنگ اور خاص طریقہ پر کم کرنے اور بڑھانے میں اپنی تربیت کو صرف کرتا ہے اور بس۔ خود تجلی۔ وارستگی اور تموج دینے کی پیر کو بالکل یہ ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض وقت ایسی پاک طبیعتوں کی وارستگی کم کرتا ہے۔ ان کی آتشِ عشق پر آبِ محبت کے چھینٹے دیتا ہے اور اسے مدھم کرتا ہے۔ بخلاف عام طبائع کے کہ ان میں پیرومرشد اپنی قدسی انفاس کی برکت سے آگ لگاتا ہے۔ تاکہ منزل سلوک کے لئے طالب تیار ہو سکے۔ اور مجاہدہ و ریاضت کی کمٹھن اور مشکل گھاٹی پر آسانی چڑھ سکے۔

۶۵۔ پورا اکتسابِ روحانی اسی وقت ہوگا۔ جب دونوں طبیعتیں (پیرومرشد) استعداد میں برابر ہوں۔ ورنہ مرید اپنی طبیعت کے مطابق فیضان جمع کرے گا اور بس۔ آئینہ خواہ کتنا بھی چوڑا اور صاف ہاتھ میں لے کر شعاعِ شمسی کا اکتساب کیا جائے۔ لیکن معمولی انعکاس ہی حاصل ہوگا۔ انعکاس کامل آج تک کسی نے بھی آفتاب سے پیدا نہ کیا۔ کیوں؟ صرف اسی وجہ سے کہ اس میں بلحاظ مادہ بلحاظ قد و قامت اور بلحاظ صفائی اتنا فرق ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔

۶۶۔ سو جہاں تک مجھے خیال ہے۔ کوئی ایسی طبیعت آپ کے سامنے ہوئی ہی نہیں جو پورا اکتسابِ فیض پورے طور پر کر سکتی۔ ہاں اپنی اپنی طبیعتوں کے مطابق ہر ایک نے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا۔ اللہ تعالیٰ عزائمہ کا ارشاد ہے: **وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مِّنْ مَّتَاعٍ وَرِثَةٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٌ مِّنْ تَخِيلِ صِنُونٍ وَغَيْرُ صِنُونٍ يُسْتَقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفِضِلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ** سو حضرت بابرکت کی ذات بابرکات تو ایک تھی لیکن اپنی اپنی طبیعت نے اپنا رنگ و جود باوجود سے حاصل کیا کسی نے مسکت حاصل کی۔ کسی نے درداور کسی نے جنون۔

قسمت کیا ہر شخص کو قسم ازل نے  
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا  
بلبل کو دیا نالہ تو پروانے کو جلدنا  
غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

۱۔ کامل پیر کی ذات میں انوار الہی کا نور اور نسبت ذاتِ باطن کا وزن اور ذکرِ محبوب کی گرمی اور محبت کا لڑکی تڑپ موجود ہوتی ہے اور یہی تاثرات مریدِ مخلص کا لہجہ کرتی رہتی ہیں اور اسے منزلِ مقصود پر لے جاتی ہیں۔  
۲۔ زمیں میں قریب قریب کئی ٹھوڑے ہوتے ہیں۔ اور ان ٹھوڑوں کے باغ اور کھجور کے درخت و درشاخے ہوتے ہیں۔ اور درشاخے نہیں بھی ہوتے۔ ان کو ایک ہی پانی پلٹا ہے۔ لیکن ہم بعض پھلوں کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔

۶۷۔ ہمیشہ میری ہی عرض رہی کہ درد نصیب ہو۔ اور اکثر تمنا یہی رہی کہ کاش کبھی میرے ہونٹوں سے یہ آواز جنبش کھاتی ہوئی نکلتی ہے

کفر کا سر او دین و بیدار را ذرہ در دے دل عطار را  
لیکن قسمت میں کچھ اور لکھا تھا۔ تاہم شکر ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی التجا کی جھلک کا اثر اس ذرہ بے مقدار پر ہو کر ہی رہا اور یہ سب کچھ حضرت قبلہ روحی فداہ کی عنایت خاصہ کی وجہ سے ہوا۔ ورنہ من آثم کہ من داغم۔

۶۸۔ اللہ اللہ! آپ فرمایا کرتے تھے کہ ”پہلے جنون ظاہر تھا۔ اب وہ جنون اندر چلا گیا“ (ملفوظ) یہ جنون کچھ کم درجہ کا نہیں۔ یہ وہ جنون ہے کہ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اس کے طالب بارگاہِ صمدیت سے بایں الفاظ ہوئے تھے

نخواہم ذوقِ رندی نے ہوئے پاکدانی مراد یوانہ خود کن بہ رنگے کہ می خواہی

۶۹۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا وجود ہزار ہا خوبیوں کا مجموعہ تھا۔ اپنی اپنی طبیعت کے مطابق جو کچھ کسی نے فائدہ اٹھایا۔ وہی اُس کے لئے باعثِ عزتِ دارین ہے۔ اور وہی باعثِ افتخار۔ ہر ایک صفت۔ ہر ایک عادت ایک ممتاز درجہ رکھتی تھی۔ انشاء اللہ تعالیٰ حصہ سوم میں اسے بیان کیا جائے گا۔ اور آپ دیکھ لیں گے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیا تھے۔ اگر کسی کا شکر کو مناسب اور موزون زمین میسر نہ آئے۔ تو اس کا کیا تصور ہے

نصیب من جو خرابات کردہ است الہ ازین میب نہ بگوزا ہد امرا چہ گناہ

۷۰۔ (الف) تاہم یہ کمالِ قابلیت ہے کہ اپنے زیرِ تصرف کسی قطعہ کو خالی نہ چھوڑے اور حسبِ طبیعت اور خواص کچھ نہ کچھ کاشت کر چھوڑے۔ اگرچہ وہ تمام مملوکہ میں بھول پھل نہ سجا سکے۔

۷۱۔ اس کے بعد ایک تفصیلی انقلاب دکھلاتا ہوں تاکہ اجمال میں جب تفصیل نہ آئے حقیقت چہرہ کشا نہیں ہوتی۔ اور چونکہ کسی دوسرے کی حقیقت دیکھنا اپنی نادانی ثابت کرنی ہوتی ہے

حضرت قبلہ کا وجود ہزار ہا خوبیوں کا مجموعہ تھا  
کمالِ قابلیت  
تفصیلی انقلاب لکھنا

۷۱۔ حضرت نظام الدین محبوب الہی دہلوی حضرت بابا شیخ فرید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کا مزار مبارک دہلی میں ہے۔

۷۲۔ کفر، کافر کو چاہیے اور اسلام مسلمان کو چاہیے۔ لیکن عطار (شیخ فرید الدین عطار) کو دردِ دل (عشق) کا ایک ذرہ درکار ہے۔

۷۳۔ نہ ہی مجھے نہ بننے کا ذوق ہے اور نہ ہی پارسائی کا شوق ہے۔ مجھے تو تو اپنا دیرانہ ہی بنا دے جس طریقے سے تو چاہے اے محبوب!

۷۴۔ جب اللہ تعالیٰ نے میرا نصیب ہی سے کہہ بنا یا ہے تو لے زاہد، تو بتا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے۔

اس لئے اپنی حقیقت دکھانی عین حقیقت کہلائے گی۔ کیونکہ (لَبْسُ الْخَبْرِ كَالْمَعَانِيَةِ) شہیدہ کے بودمانند دیدہ۔

۷۲۔ میری فطرت نہایت آزاد، انوکھی، بے چین، حسن پسند واقع ہوئی تھی۔ میرے دل میں ہر وقت خواہشات اور تمنائوں کا تلاطم رہتا تھا۔ اسی تلاطم نے مجھے گھر سے باہر بارہ سال بن باس دیا۔ گاہ مجھے لاہور وادی کی پروفیسری کا خیال ستاتا تھا اور گاہ مجھے آکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبہ مشرقیہ کی طالب علمانہ جدوجہد تکلیف دہ ہوتی تھی جب کبھی خوبصورتی میری نگاہ میں آتی تھی۔

تو گھنٹوں اسی خیال میں محو تماشہ رہتا۔ اور جب کبھی تعلیم معاش میں آکر اس سے محروم رہتا۔ رات بھر آنکھ اس تجلی حسن کے لئے بیابا رہتی۔ اس پرسکولوں اور کالجوں کی معاشرت اور فائنل سے اسے کسی گنا زیادہ تقویت دے دی۔ فلسفہ اور منطق نے ان خیالات کو اور بھوس کر دیا۔ ہر چیز پر فلسفی نظر تھی۔ صرف بیوی کی تلاش میں سات آٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا۔ کیونکہ حسن کا خیالی تصور مجھے کسی جگہ بیٹھنے نہ دیتا تھا۔ اور نامہ تمام حسن کی شکایت ہمیشہ دل آنکھوں سے کرنا تھا۔ اور آنکھیں اپنی تلاش میں ہمیشہ ناصبور رہتی تھیں۔ حسن کو میرے دل سے ازلی مناسبت تھی۔ لباس خوبصورت۔ مکان خوبصورت۔ جانور خوبصورت۔ درخت خوبصورت۔ غرض خوبصورت اور انوکھی چیز پر ہمیشہ آنکھ جا بیٹھتی تھی۔ بازاروں سے گذرتے ہوئے نگاہ انتخاب اسی چیز پر جا جیتی تھی۔ جو اپنے حسن میں بے مثل ہوتی۔

۷۳۔ اسی طبیعت حسن نواز کا نتیجہ تھا کہ سالوں مرشد طلبی کا داعیہ سینے میں دباٹے پھرتا۔ لیکن آنکھ کسی پر نہ گرتی تھی۔ بزرگ ہزاروں تھے۔ اولیاء سینکڑوں تھے۔ لیکن چوٹی کے بزرگ اور اولیاء اللہ کے لئے دل بیابا تھا اور کسی دوسرے کا دامن خیالی عقیدہ سے اختیار کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

انوکھی طبیعت ہی انوکھے انتخاب کرتی ہے

آزاد طبیعت عقیدہ طور پر کسی کا دامن نہیں بھرتی۔

۱۔ اطلاع میں اور مشاہدہ میں فرق ہوتا ہے۔

۲۔ یہاں مراد مسافرت کی زندگی ہے حضرت قبلہ عالم اپنی ابتدائے جوانی میں حصول تعلیم کے لئے دلی اور لاہور رہے۔ اور مشرقی علوم کے امتحانات پاس کئے اور انگریزی پڑھی۔

۳۔ حضور کا خیال تھا کہ مشرقی علوم کا کوئی حکومتی وظیفہ لے کر آکسفورڈ یونیورسٹی میں پی۔ ایچ ڈی کریں گے۔

۴۔ جنسی طبع بلند ہوگی اتنی ہمت بھی بلند ہوگی اور پھر انتخاب بھی اتنا ہی کامل و مکمل ہوگا۔

۴۴۔ جہاں میری اس طبیعت نے ہزاروں دکھ دیے۔ مجھے ہر گھڑی بے چین رکھا۔ وہاں اسی طبیعت کی عنایت کا میں شکر گزار ہوں کیونکہ اگر ایسی نہ ہوتی تو اس شاہِ مراد کے ہاتھ میں ہاتھ نہ آتا۔ اور اپنے دیگر دوستوں کی طرح میں بھی خیالی بُت تراشی کر کے اس میں اوصافی رنگ نئے نئے بھرنارہتا۔ بس کا حشر وہی ہوتا جو ایک بُت تراش اور بُت پرست کا ہوا کرتا ہے۔ لیکن شکر و شکر کہ جس قدر طبیعت بلند تھی۔ اسی قدر بلند رتبہ مُرشد عالی درجہ بھی ہاتھ آیا۔

۴۵۔ (الف) مردہ اور افسردہ طبیعت کو آرام کرنا اور نام کرنا کوئی بڑی بات نہیں جو پہلے مردہ ہے اس کا کشتہ بنا کر کیا قیمت رکھتا ہے اس جو ہر دار کے جوہر توڑنے کوئی معنی رکھتا ہے۔ سو پہلے اور اراق ہذا کا نام اسی وجہ سے انقلاب الحقیقت رکھا کہ میری طبیعت جیسی اکھر طبیعت اپنے ذاتی اوصاف بدل کر آرام ہو بیٹھی۔ نہ اب وہ تلاطم متناہ ہے۔ نہ وہ بے چینی دل۔ نہ وہ نامصوبہ آنکھ رہی اور نہ وہ حسن جو طبیعت یگنٹوں نہیں پیروں گذر جاتے ہیں۔ لیکن کسی سے وہ ہلے نہیں اجاب کو شکایت ہے۔

۴۶۔ (ب) کہ بد اخلاق ہو گیا۔ لیکن بخدا میں جانتا ہوں کہ بد اخلاق نہیں ہوا بلکہ بے پرواہ ہو گیا اور اغویات سے دل سرد ہو گیا۔ بد اخلاق کی زبان چپ نہیں ہوا کرتی۔ وہاں اطمینان سے نہیں بیٹھتا۔ اگر یہی بد اخلاقی میرے اجاب کو ناپسند ہے۔ تو الہ العالمین مجھے یہ بد اخلاقی اور زیادہ عنایت فرمائے۔ مجھے با اخلاق ہونے سے کیا واسطہ؟ بد اخلاق ہو کر اس کا جنون حاصل ہو جائے تو مجھے اور کیا چاہئے آہ سے

کافر عسقم مسلمان مراد کار نیست  
ہر رگ من تا گشتہ حاجت ز نار نیست

میں تو ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ ایزدی سے التجا کرتا ہوں ع  
مراد یوانہ خود کن بہر رنگے کہ مے خواہی

۴۷۔ اس سے مراد حضرت اعلیٰ شرفی ہے۔ جب طبیعت کسی حادثہ کا شکار ہو جاتی ہے تو اسے باقی زندگی کی دلچسپیوں سے دلچسپی نہیں رہتی۔ اور وہ حادثہ طبیعت کو یکسو کر دیتا ہے۔ اگر کسی طبیعت میں ذاتی جوہر چمک اٹھیں اور اس کے مشاہدہ باطن کی آنکھ کھل جائے تو یہ یکسوئی ظاہری، دی یکسوئی سے کہیں زیادہ ہوگی۔ کیونکہ وہ عارضی اور بدامنی، وہ وقتی ہوگی اور مستقل رہے مقصد ہوگی اور حسرت سے بھر پور اور مقصود کا دامن ہاتھ میں لئے ہوگی اور مستعد کار ہے۔ میں ترجمت کا کافر ہوں (جس مسلمان میں بخت نہ ہو) وہ مسلمان مجھے نہیں چاہیے۔ اگر کفر کو جنوں کی ضرورت ہے تو اس محبت کے کفر میں میری ہر رگ جنوں کی تار بن گئی ہے اس لئے مجھے کسی تار کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ مجھے اپنا دیوانہ بنانے جس طرح ترجیح ہے۔

۷۶۔ اگرچہ تمام مزاجی اور فطرتی تدریجی تبدیلی بیان نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی چنداں اس موقع پر ضرورت تھی۔ لیکن کتاب ہذا سے مقصود صرف پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کے رشد و ارشاد کا دکھانا مقصود نہیں بلکہ اُس کے ذریعے طالب کی حالت کا نقشہ دکھانا بھی مد نظر ہے۔ وہ اصل ہے اور یہ فرخ۔

۷۷۔ تصوف کی کتابوں سے مجھے وہی کتابیں پسند آئیں جو اس قسم کے مضامین سے لبریز ہیں۔ جن میں طالب (اپنی زبانی اپنے منازل سلوک کے چشم دید کیفیات دکھائے اور سنائے) آگے آئندہ سفلوں کے لئے وہ مشعل ہدایت اور چراغِ راہ ثابت ہوں۔ ایسی کتابوں سے میں نے خود بہت فائدہ اٹھایا۔ اپنی کیفیات اور وجدانیات کا دوسرے کی کیفیات اور وجدانیات سے موازنہ کرنے سے صحت و سقم کا پتہ چلتا رہتا ہے کہ آیا میری رفتار صحیح منزل مقصود کی طرف ہے یا راستہ میں کج رفتاری واقع ہو گئی۔

۷۸۔ سوئیں اپنے دوستوں کو مشورۃً عرض کرتا ہوں کہ ایسی کتابوں کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔ جس سے اپنی طبیعت کا موازنہ کیا جاسکے۔ اس عرض کے لئے چند صفحے مجبوراً میں بھی لکھتا ہوں۔ ورنہ ذاتی تعلق سے واسلہ نہیں۔ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ وَنَفْسِيْ رَايْتُمْ شَرِّ نَفْسَانِيْ سَے پناہ مانگتا ہوں۔

۷۹ (الف) سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ نفسِ انسانی میں اللہ تعالیٰ نے وہ خاصہ عنایت فرمایا۔ کہ کائنات کی کسی دوسری چیز کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کو جس چیز یا جس امر کے ساتھ پیوستہ کیا جائے۔ اُس کے خواص قبول کرنے لگتا ہے۔ جانوروں کے ساتھ اُسے جوت دو۔ تو پورا جانور ہو بیٹھتا ہے۔ اور تمام حرکات و سکنات مویشیانہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر مویشیوں کو چھوڑ کر پرندوں سے اسے پیوستہ کر دیا جائے۔ تو اس کی طیرانی عقل بھی پرندوں کی طرح ہونگلی ہے۔ اگر شیطان کے نرغہ میں آجائے

۱۔ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں اپنے نفس کی شرارتوں سے۔

۲۔ انسان میں کائنات کی تمام قوتیں بھری ہیں۔ یہ اپنی متضاد کیفیات اور مختلف مواد کی وجہ سے تمام مخلوق سے ممتاز ہے۔ اور اسی جامعیت صفات نے اسے خلافت کے مقام پر بٹھایا۔ جس قوت کی تربیت ہو جائے گی وہی آگے بڑھے گی اور اس میں فطری کمال والوں سے بازی لے جائیگی۔

۱۔

۲۔



تو اس کا چیلہ اور وہی ہو بہو دکھائی دیتا ہے۔ لیکن گناہ ہے اگر فرشتوں کی صف میں جائے۔ تو  
 (۹) بفرشتوں سے اسے امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ فرشتوں سے بڑھ کر چار قدم آگے مارتا  
 ہے۔ یہی سبب ممتاز اس کو اثرات المخلوقات کے درجہ پر لے گئی۔ ورنہ گوشت و پوست و عقل و فراست  
 تمام زندہ ہستیوں میں برابر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی ایک نوع کو کوئی ایک خاص عقل ہوتی ہے  
 دوسری نہیں۔ لیکن یہاں بھی تو انسانی افراد کا حال یہ ہے کہ بعض افراد کی عقل بعض کے بالکل  
 مخالف ہوتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کی عقل کو جس عقل سے مشابہ بنانا چاہیں۔ بنا سکتے ہیں بخلاف  
 دیگر ذی حیات کے۔ فرشتے گو فرشتے ہیں لیکن شیطانی مجلس میں بیٹھ کر بھی فرشتے ہی رہیں گے۔ اور  
 شیطانی اثر قبول کرنے سے آزاد۔

۸۰۔ پھر جس صحبت میں انسانی نفس کو تربیت دی جائے۔ اس میں وہ کمال اُسے نظر آتے ہیں اور دوسرے  
 لوگوں کو دکھاتا ہے جس سے وہ خود منکر تھا۔ اور جسے وہ بعید از عقل خیال کرتا تھا۔ ایک دیہاتی انسان  
 جب کسی دریا کے کنارے پل کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ تو اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا ہے۔ اور  
 کیونکر تیار ہوا۔ لیکن جب اسے کسی انجینئرنگ فیکٹری (کارخانہ) میں چند سال لگا دیا جائے تو پھر  
 اُسے یہ کام نہایت آسان معلوم ہونے لگتا ہے اور پہلے یہ کام اُسے نہایت مشکل نظر آتے تھے۔ جن  
 میں وہ پہلے مشاق نہ تھا۔ مگر ایک مدت کے بعد وہ اُس آہنی پل سے گذرتے ہوئے سینکڑوں  
 غلطیاں پل کے کاربگر (انجینئر) کی پکڑتے ہوئے نکلتا ہے۔

۸۱۔ بناءً علیہ جس انسان کو صوفیائے کرام کی صحبت حاصل نہیں ہوئی وہ ان کے تمام کارناموں کو  
 افسانہ جانتا ہے۔ اور تمام بزرگوں کو بڑی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور دھوکہ باز جانتا ہے لیکن اگر وہی  
 شخص چند دن ان کی صحبت میں رہ کر پھر کلمہ آغازی کرے تو اس کا یہ کلمہ کچھ نہ کچھ حقیقت رکھے گا۔  
 لیکن آج تک میں نے جتنے دیکھے یا سنے وہی بزرگانِ تصوف پر پھبتیاں اڑاتے ہیں۔ جو خود کبھی اس  
 طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ اور نہ انہوں نے کبھی اس حقیقت کے سراغ لگانے کے لئے اپنی بدوجہد

۱۔ ولایت نبوت کی صیح جانشینی ہے۔ اوصاف ملتے جلتے ہیں۔ کمالات ملتے جلتے ہیں۔ تاثرات میں یکسانیت ہے اور  
 اس چیز کا ثبوت قرآن کے لفظ لفظ میں ہے۔ لیکن افسوس کہ بعض ظاہر پرست لوگوں نے اس حقیقتِ عظمیٰ کا انکار کر دیا  
 اور نہایت بارگاہوں میں کیوں لیکن مکرین تصوف میں سے بعض ایسے بھی ہوئے کہ وہ اولیاء اللہ کے قریب آئے جب انہوں نے  
 انسانیت کی اس شرافتِ عظمیٰ کا قریب سے مطالعہ کیا تو صرف قائل ہوئے بلکہ بیٹھے اور سلسلے میں داخل ہو کر انوارِ ولایت  
 سے مشرف ہوئے۔ اگرچہ ولی نبی نہیں ہوا لیکن نبی کے بعد ولی ہوا جسے اولیاء اللہ ہی کا ایک درجہ ہے جو قرآنی مطلق میں متدیق کہلاتا ہے

کی۔ حتیٰ کہ دُور سے ایسے بزرگوں کو دیکھنا بھی حرام جانتے ہیں پھر حیرت ہے کہ ایسے لوگوں کے کہنے میں بعض ایسے نفوس بھی دھوکا کھا جاتے ہیں جو اپنے آپ کو فلاسفر، حقیقت شناس اور محقق کہلاتے ہیں۔ خود نہیں نے جب تک یہ راستہ نہ لیا تھا۔ کتب تصوف مثلاً مفتوی مولانا نے روم علیہ الرحمہ کا مطالعہ کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔ کہ مولانا کیا فرماتے ہیں۔

۸۲۔ کلام الہی نے نفسی تعلقات کو نہایت اہم وقعت دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ اگر نفسی تعلقات کسی سے قائم نہ ہوں تو صحبت کا کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ہوتا۔ طوطی اور کوسے کو ایک پھرے میں ڈالنے سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان دونوں کے نفسی تعلقات میں سخت تغاثر ہے۔ صحبت اسی وقت بار آور ہوگی جب نفسی تعلقات کا پیوند اندرونی قائم ہو۔ ورنہ بے فائدہ جس معلم کے تعلقات نفسی معلم کے ساتھ پیوستہ نہ ہوں وہ کبھی بھی اپنی تعلیم میں کامیاب نہ ہوگا۔ اس نفسی تعلقات کی بابت مجددِ دہلی حضرت شیخ احمد سرمندی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ محبت دریں راہ شرط است۔

۸۳۔ اس "تعلقات" کے بعد نفسی تغیرات کا پیدا نہ ہونا ناممکن ہے۔ کبھی مرد بھی اپنے آپ کو عورت خیال کر سکتا ہے لیکن جب مجنوں کے تعلقات نفسی لیلے کے ساتھ نہایت مضبوط ہو گئے تو وہ اپنے آپ کو لیلے جاننے لگا۔ اگر اسی طرح ایک انسان بارگاہِ ایزدی سے تعلق پختہ کر لے۔ اور وہ اس درجہ راسخ ہو جائے کہ اس کے بغیر کچھ نظر نہ آئے اور وہ اپنی ذات کو بھی سُبْحَانِي مَا اَعْظَمُ شَانِي کا خطاب دے بیٹھے۔ تو کیوں برا منایا جائے۔ ہاں! اگر اس تعلق سے منقطع ہونے کے بعد بھی ایسا کہے گا۔ تو مرد و وہ ہے شیطان ہے کیونکہ پہلی صورت میں اس کے جذباتی قوتی بالکلیہ فنا ہو کر سر اس ذات باری عز اسمہ سے متاثر ہو کر بعینہ وہی کچھ کہتے ہیں۔ جو منشا اُن ذاتِ بابرکات کا ہے۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس وقت وہ اپنی حالت میں سبوتا

علیٰ آپان لوگوں کے ساتھ بل بیٹھیں جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔ مگر تم سچے لوگوں کے ساتھ جواؤ مگر محبت اس راستے میں شرط راہ ہے۔ مگر سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں اور میری کتنی بڑی شان ہے) بندگوں کے شکر کی حالت کے بعض کلمات ایسے ہیں۔ دراصل انسانی نفس نہایت ہی بلند تاثر رکھتا ہے اور اس کا خیال اس کی روح جب اپنی حقیقت کی طرف متحرک کر کے ذکر کے انوار سے متور ہو جائے تو حقیقت الحقائق کا نور اس میں سما جاتا ہے، اور پھر اس کا بولنا اس کا سننا اس کا دیکھنا وغیرہ اس کا نہیں ہوتا حقیقت بگڑی کا ظہور ہوتا ہے۔

ہے۔ اور اُس کے قوی انسانی برابر قائم ہیں۔ ایسی صورت میں جو کچھ وہ بولے گا۔ اپنے قوی سے بولے گا۔

۸۴۔ تغیر نفسی کوئی معمولی تغیر نہیں بلکہ یہ تغیر نفسی نفسی کائنات کا بتنامہ اور اس کے ماحول کا تغیر کلیہ ہے۔ اور یہ قانون کلیہ ہے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ تغیر نفسی و حقیقت تمام کائنات کا تغیر ہے۔ گویا یہ تغیرات کا محور ہے اس کے بغیر کوئی تغیر دنیا و مافیہا میں نہیں ہو سکتا۔ آج تمام دنیا اصلاح اور ترقی کی رٹ لگا رہی ہے۔ لیکن اصلاح اور ترقی تو تبھی ممکن ہے جبکہ نفسی اصلاح اور نفسی ترقی کا پہلے تدارک کیا جائے۔ اصلاح رسوم سے پہلے اصلاح نفوس کے لئے جدوجہد چاہئے۔ لیکن آہ آج قوم اس حقیقت سے بالکل نا آشنا ہے۔ سو جو بھی قدم اٹھاتا ہے غلطیوں سے پڑاٹھتا ہے۔ بلکہ ایک دو قدم منزل مقصود کی طرف بھی نہیں اُٹھتے کہ اٹھانے والا دھڑام سے گر پڑتا ہے۔ کیونکہ اندرونی (نفسی) بنیاد کھوکھلی ہوتی ہے۔ ذرا سا بوجھ آنے سے تمام عمارت بیٹھ جاتی ہے۔

۸۵۔ نفس کو ذاتِ باری عز اسمہ کے ساتھ نہایت گہرا تعلق ہے۔ لیکن دنیا میں آکر اس تعلق کو بھول بیٹھا۔ اور بہت سے حجاب اس کے دیدہ روشن پر دنیاوی علاقے سے پڑ گئے۔ جس کی وجہ سے یہ اصلی تعلق کو بھول بیٹھا اور اس تعلق کو بھولنا اپنا ذاتی (نفس کا) بھولنا ہے۔ کیونکہ اس کی رہبری اس کی ذاتِ باری عز اسمہ کے سوا ناممکن ہے۔ کوئی انسان آنکھوں کے بغیر حل نہیں سکتا اسی طرح ذاتِ عز اسمہ اس نفس کے لئے دیدہ روشن تر سے بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اس کی رہبری کے سوا ایک قدم اٹھانا بھی ناممکن ہے۔ اس فلسفہ کو ذاتِ باری عز اسمہ نے اپنے بندوں کو ان آسان اور سہل الفاظ میں بیان فرما کر اس حقیقتِ حقہ کی طرف متوجہ فرمایا کہ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوْا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسُهُمْۗ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لِكَوْنِ الْكَافِرِيْنَ اَعْمٰیۗۙ کرنا فی الحقیقت اپنے آپ کو فراموش کرنا ہے اور جو اپنے نفس کو فراموش کر بیٹھے۔ پھر وہ کس

اللہ تعالیٰ کسی قدم میں تغیر و انقلاب پیدا نہیں فرماتا جب تک وہ لوگ اپنے نفسوں میں تغیر پیدا نہ کر لیں۔

ایسے لوگوں کی طرح نہ ہو جائیے جو اللہ تعالیٰ کو جھٹلا بیٹھے (جب وہ ایسے ہو گئے) تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اُن کے اپنے

نفس بھلائے۔ یاد الہی کی تاثیر یہ ہے کہ حقیقت نفس انسانی اس باری سے اپنی بندی دیکھ لیتی ہے اور اپنے اندر وہ بندی

محسوس کرتی ہے کہ فرشتوں کو بھی اس بندی کا علم نہیں۔ اور جو یاد سے محروم رہا گویا وہ اپنے نفس کے بیش بہا فوائد سے

فانسل رہا۔!



کے ماہین سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مناصب اور مدارج ہیں اور اپنے اپنے درجہ کے حکمران۔ لیکن کوئی بھی کسی کو یہ طعنہ نہیں دے سکتا کہ تو سرکاری قلاوہ اور طوق غلامی نہیں رکھتا اور کہ تیرا نام فہرست ملازمین میں نہیں۔ اسی طرح صاحب فقر بھی اپنے اپنے مدارج پر ہوتے ہیں۔ ایک گوشہ نشین کس میرس کو ایک صاحب ارشاد و مسند نشین طعنہ نہیں دے سکتا کہ میرے جیسا نہ ہونے کی وجہ سے تو فہرست ملازمین درگاہ سے ہی خارج ہے۔

۵۔ اسی طرح ایک گوشہ نشین صحرا نورد ایک صاحب ارشاد کی منسی نہیں اڑا سکتا۔ کہ دنیا دی رنگ، روپ میں اپنے مالک کو بھول بیٹھا۔ ایک بار خواجہ علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کے مرید حضرت امیر ربان بن حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہم حاضر ہوئے۔ تو دل میں خیال کیا کہ حضرت کا ابتدائی وقت کتنی مشغولیت کا تھا۔ اور اب غلائق کے ہجوم سے وہ مشغولیت بحق سبمانہ کہاں۔ لیکن جونہی حضرت امیر ربان مصافحہ کرنے لگے۔ تو حضرت نے گریبان پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ کہ کیا کہتے ہو۔ یہ اچھا حال ہے۔ یا وہ اچھا۔ خواجہ صاحب کا گریبان کو پکڑنا تھا کہ حضرت امیر ربان کی حالت بدل گئی۔ اور دیر تک حضرت ان کو ہاتھوں سے تھامے رہے۔ جب ہوش آئی تو بے کی۔ قدموں پر گرے۔ معافی چاہی۔ سو یہ باتیں ایسی نہیں کہ اس پر ہم لوگ گرفت کریں۔ بلکہ وہ جاتے اور اس کے اولیا جانیں۔

۹۱۔ اس تمہید کے بعد یہ معلوم رہے کہ میری طبیعت راہ سلوک کے لئے پوری استعداد نہیں رکھتی۔ ورنہ خواص کی طرح ادھر ادھر نہ بھٹکتا۔ طبیعت خود اپنی راہ پیدا کر لیتی۔ اور سوز و ساز سے اپنے وجود کی کثافت کو دور کر کے ایک تجلی کی منتظر رہتی۔ ایک طرف شمع مرشد پڑتی۔ دوسری طرف خرمن صبر جل اٹھتا۔ لیکن ایک دھیمی طبیعت قدرت سے پائی۔ جہاں تک دیکھا۔ نہ تو یہ نصیب میں لکھا ہے کہ یگانہ ہو سکوں اور نہ یہ مقدر ہوا کہ بیگانہ رہوں۔ بفضلہ تعالیٰ جس کام میں جس شغل میں طبیعت کو لگایا۔ اسی میں چلنے لگی۔ سعدیؒ نے خوب کہا ہے اُشتر آہستہ سے رو دشت روز

علا جتدی سالکوں کو اور ان کو بھی جو سلوک و تقویٰ پر اعتراض کرتے ہیں ایک بھاری مخالفت رہتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سلوک لاییت کا کوئی خاص مقام ہے۔ مدرسہ کی تعلیم کی انتہا کی طرح اور یہی مقام مقصود جزا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کے رستے پر چلنا شروع کیا وہ سالک بن گیا جتنا وہ قدم بڑھائے گا اتنی منزل طے کرے گا اور اس بارگاہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ گویا رجبہ کافرق ہے سون ہمیشہ سوک جی رہے گا۔ مراد و منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم۔ جس فریادی دارد کہ بر بندہ محمدیہ۔ اس میں مقبولی کے راج کا کوئی شمار نہیں ہے۔ بلکہ اس کے وقت اور جہاں ہے شاہدہ وقت اور ہے پہلے وقت کی مشغولیت جی میں بھی نفس اپنی معرقات سے دست کش نہیں کیڑن شاہدہ کی حالت میں جی بے مشغولیت کے ہم تہ ہے کہ وہ دن سے تیز خیال نہ جائے تو کئی لوگوں کے معذوق ہے۔

۹۲۔ حضرت قبلہ مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری سے پیشتر یاد الہی کا خیال و امن گیر تھا۔ اور گاہ اس کے اثر بھی خاصے نظر آتے تھے۔ ایک بار گجرات کے علاقہ میں اپنے اجداد رحمۃ اللہ علیہم کے متوسلین کے دورہ پر تھا چونکہ ہر وقت رجوع الی اللہ کی وہاں ضرورت ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ اعمال کی بھی پوری نگہداشت کرنی پڑتی تھی۔ اور تعلقات خانگی بھی جو پریشانی دل کا باعث ہوتے ہیں کم ہو گئے تھے۔ تو طبیعت کا رجحان ہر وقت ہر گھڑی اس کی ذاتِ بابرکات کی طرف بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ طبیعت اچھی خاصی ہو گئی اور اثر پذیر کے ساتھ اثر ریزی شروع ہو گئی جو اس کے اولیا کا خاصہ ہے۔

کامل توجہ باطنی سے خود بخود طبیعت بننے لگتی ہے۔

۹۳۔ اس سفر کی واپسی پر میری یہ حالت ہو گئی کہ دنیا بتمامہ ایک کھلونا نظر آنے لگی ایک اسٹیشن پر جب مجھے دو تین گھنٹے گاڑی کے انتظار میں اکیلا مسافر خانے میں بیٹھنا پڑا۔ تو سوائے حیرت کے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ آنکھیں دیکھتی تھیں۔ کان سنتے تھے۔ لیکن اندر کچھ نہیں جاتا تھا۔ نہ خوشی نہ غم۔ نہ اپنی خبر نہ کسی کی خبر۔

مقام حیرت کا نظارہ

۹۴۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسی حالت میں دیوانگی آجاتی ہے اور صاحبِ حال کام کاج سے رہ جاتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں برابر اپنے کاموں میں مشغولی رہتی ہے۔ لیکن دل میں بے مشغلی ہوتی ہے۔ ایسے آدمی کا چہرہ صاف پہچانا جاتا ہے۔ حیرت کے آثار واضح دکھائی دیتے ہیں۔ بلکہ اس کے افعال و حرکات میں ایک خاص اثر آجاتا ہے۔ گو کہ اُسے خود معلوم کچھ نہیں ہوتا تا اینکہ یہ نشہ دور نہیں ہو لیتا۔ مگر تاڑنے والے حقیقت شناس اُسے پہلی نظر میں تاڑ جاتے ہیں۔

حیرت کی حقیقت اور اس کے آثار

۹۵ (الف) اس مشغولی کی بنیاد ذکر اسم ذات اللہ اللہ تھا۔ جو اپنے خاندانِ نقشبندیہ کا معمول تھا۔ اور یہ اثر اسی کا تھا گو اس کے ساتھ کچھ اور عوارض مل گئے تھے۔ لیکن سب سے زیادہ امداد میری اسی توجہ باطنی کی تھی جو مجھے اپنے اسلافِ رحمۃ اللہ علیہم کی طرف روحانی

تمام سلوک کی بنیاد ذکر اللہ ہے

۱۔ بزرگوں کی نسبت کی مقبولیت کے بعض معنی اسباب ہوتے ہیں وہ برقی لہروں سے زیادہ لطیف ہوتی ہے۔ حضرت اعلیٰ بیری رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت تحصیل پچاڑیہ ضلع گجرات میں بہت زیادہ تھی امداد آج تک ہر اثرات کام کر رہے ہیں۔

۲۔ ظاہری جو اس اور قوی ہی اثر پیدا نہیں کرتے بلکہ باطن کے قوی ہدایت خاموشی سے آفتاب کے فوڈ کی طرح اور بارش کے پانی کی طرح متاثر طبع پر اثر ریز ہوتے ہیں۔

۹۵ پ۔۔۔ بلکہ تصور شیخ کا مسئلہ مجھے اسی وقت حل ہوا تھا۔ بلا تصور۔ بلا تخیل۔ مجھے اکثر  
 یہ معلوم بلکہ محسوس ہونا تھا کہ ایک کندھے پر میرے جدا مجد رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ اور دوسرے  
 کندھے کی طرف حضرت والدہ مرحومہ و مغفورہ یا بر خوردار بشیر کی والدہ۔ بلکہ یہ تصور تصور  
 نہ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہونا تھا کہ صاف چہرے موجود ہیں۔ ایسی حالت کے بعد جو خیال آتا  
 تھا۔ وہ نہایت صحیح ہوتا تھا۔ جو ارادہ پیدا ہوتا تھا۔ وہ ظہور پاتا تھا۔ خواہیں نہایت صاف  
 اور پُر از صداقت۔ چنانچہ خواب آیا کہ حضرت قبلہ جدا مجد رحمتہ اللہ علیہ کے حجرہ کے صحنچہ میں بیٹھا  
 ہوں۔ اور حضرت قبلہ موصوف بجا لیت حیات اپنی نشنگاہ پر سنا آرائے ولایت ہیں۔  
 اور حضرت والدہ بزرگوار رحمتہ اللہ علیہ اپنی نشنگاہ پر زیب و وہ مصطفیٰ عبادت ہیں۔ اور  
 خلقت کا ہجوم ہے۔ اور میں تعویذ لکھ کر خیر یو ال تحصیل پھالپہ کے باشندوں کو دے رہا  
 ہوں۔ آخر کاغذ ختم ہو گیا۔ تو والدہ مرحومہ سے تین تختے اور منگوائے۔ اس خواب کے  
 تیسرے دن جمعہ تھا۔ اور میرا مقام موضع دھتی تھا۔ خیر یو ال کے تقریباً چالیس آدمی  
 اکٹھے آگئے۔ اور ہندو دوکانداروں تک اُن کے ہمراہ تھے۔ اور جمعہ کی وجہ سے خلقت  
 کثیر جمع ہو گئی۔ تعویذات اسی طرح لکھے دے رہا تھا۔ جس طرح کہ خواب میں دیکھا اور  
 یہ خواب میں نے اجاب کو پہلے دن ہی بتلا دیا تھا۔ اسی جمعہ سے پیشتر خواب آیا تھا، کہ  
 بیربل میں حضرت قبلہ کی حیات میں جمعہ ادا ہو رہا ہے۔ اور خلقت کثیر ہے۔ آپ کے ایک  
 خلیفہ قاضی صاحب شاہ پوری اعلان کرتے ہیں۔ کہ اگر کھانا کم ہو گیا تو کیا مضائقہ! یہ  
 دعوت (روٹی) کوئی حضرت صاحب کی نہ تھی۔ لیکن ایسا ہی عملی ظہور ہوا۔ کہ ہم لوگ  
 اپنا کھانا اور اپنا لنگر رکھتے تھے۔ جمعہ کے دن چودھری قمر الدین نے نہایت خواہش  
 کی کہ رات کا کھانا میرا منظور کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے رات کو کھانا دیا۔ لیکن آخر  
 کو کھانا کم ہو گیا۔

۱۔ روحانیت جب اپنا مقام حاصل کرتی ہے تو لطیف اشیا مجسم ہو کر سامنے آتی ہیں اور احوال اپنے جہان میں لطیف اور انی جسم رکھتے ہیں لیکن جب صاحب  
 نسبت کے سامنے آتے تو مطلق نور نہیں بلکہ اپنی کسی نہ کسی شکل میں دکھائی دیتے گئے۔

۲۔ سچے خوابیں: پاکیزہ خیالات اور بیداری کے انکشافات واقعات شدنی کا اندکاس اور نسبت کے باقی محسوس اور غیر محسوس کمالات  
 اپنے وقت پر بعض اوقات سلوک کی ابتداء میں بعض اوقات فکر کی کسی درجے کی تخیل میں ساکت کی طبع کے مطابق ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں

۹۵-ج- اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں جو باعث طوالت ہیں۔ ورنہ اس روحانی تعلق کا پتہ بے انتہا ان سے چلنا ہے۔ مثلاً جب کسی کا ہاتھ بیعت کے لئے پکڑ کر اپنے سلف کی طرف توجہ بڑھتی۔ تو طالب پسینہ سے پانی پانی ہو جاتا اور کہ اس کے اندام رزنے لگتے وغیرہ وغیرہ۔

۹۵-د- لیکن یہ قلبی حالت اتنے تک ہی رہی۔ جب تک گھر نہ پہنچا۔ گھر آتے ہی سب سے کافر ہو گئے۔ اور میں جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہ گیا۔ لیکن یہ معلوم ہو گیا کہ اپنے بزرگ توجہ باطنی اور روحانی سے غافل نہیں ہوتے۔ ہاں زندگیوں کی توجہ اپنے اسلاف پر نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ تصور شیخ کی بابت یہ راز کھل گیا۔ کہ توجہ روحانی کی وجہ سے

۹۵-۵- خود بخود "صورت پیر" سامنے آجاتی ہے نہ یہ کہ جیسا بعض لوگ اپنے اندر تصور پیدا کرتے ہیں۔ اور عمریں پیر کی صورت بنانے میں لگا دیتے ہیں۔ ایسے تصور سے نہ تو کچھ فائدہ ہے نہ یہ محمود۔ صاحب شریعت بھی اسی تصور کے بارے احکام جاری کرتے رہتے ہیں۔ بخلاف اصلی تصور کے۔ کہ وہ اکتسابی نہیں اضطراری ہے، اور اس پر کسی

کو کوئی حق نہیں کہ اسے مذموم کہے۔ اگر یہ اضطراری پیدا ہو جائے تو پھر کسی ذکر ۹۵-۶- اذکار کی خاص ضرورت نہیں رہتی۔ خود بخود کمالات پیر اسی تصور کے ذریعہ طبعیت میں جمنے اور بیٹھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ فنا فی الشیخ ہو کر پیر کی ہو بہو صورت طالب ہو بیٹھتا ہے۔

۹۶ الف- کچھ تو طبیعت ہی شوخ واقع ہوئی تھی۔ کچھ مہربانوں کی مہربانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بدنام ہونکے۔ ایسے وقت انسان کو وحدت زیادہ پسند آتی ہے اور خلوت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ گاؤں میں پہلے بھی اپنے زیادہ تعلقات نہ تھے۔ اس آزمائش میں اور بھی کم ہو گئے۔ اکثر اکیلا کرے میں بند بیٹھا رہتا تھا اور جاڑے کی وجہ سے آگ انگلیٹھی

علا ذکر جب بچتے ہو جائے تو اس کی تاثیرات فیکر کو پختہ کرنا شروع کر دیتی ہیں تصور چونکہ فکر کا ایک جھڑپ ہے اس لئے اس کے کمالات لانا انتہا ہے۔ مذکورہ اپنی نورانی تاثیرات کے ساتھ سامنے ہوتا ہے اور اس کے کمالات عکس پر۔

علا فنا فی الشیخ: تصوف کی اصطلاح ہے جب سالک اپنے شیخ کی باطنی تاثیرات سے متاثر ہوتا ہے تو شیخ کے اذکار شیخ کے کمالات شیخ کے علوم و ہون اس کے باطن میں ہوتا ہے۔ تاہم کچھ وقت کے بعد اس کے اپنے احساسات اپنے جذبات کی تاثیرات اتنی دب جاتی ہیں کہ یہ خود گویا کچھ نہیں اگر محبت شیخ کی دولت بھی ہو تو اس خاک کے حصول میں بڑی مدد دیتی ہے۔ یہ شکل ہے لیکن اس کے بعد باقی فنا فی الشیخ اور فنا فی اللہ مشکل نہیں رہتی۔

تعلقات دنیاوی سے حالت گر جاتی ہے

محمود اور مذموم ہونے کا فیصلہ۔

اضطراری تصور پیدا ہو جانے کے بعد کسی ذکر اذکار کی ضرورت نہیں

خلوت ذات پیر ہو جانے سے کامل کیسے ہو جاتی ہے



میں۔ روشن رکھنا تھا۔ دل میں اکثر ذکر کا خیال تھا۔ تھوڑے دنوں میں ہی ان امور نے وہ کیسوی پیدا کی کہ دنیا و مافیہا بیچ نظر آنے لگے۔ اور فنا ہر وقت تیغِ تراں کی طرح سر پر دکھائی دینے لگی۔ ساٹھ سالہ عمر کا انجام بھی مجھے وہی نظر آتا تھا جو تیس سالہ کا تھا۔ قبر میری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی۔ تاہم ایک مخلص دوست آئے۔

۹۶ ب۔ اور مجھے اپنے ہمراہ علاقہ گجرات میں مجبوراً لے گئے۔ لیکن جوں جوں اختلاف کی ہوا گنتی گئی۔ حالت متغیر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہی پہلا رنگ دنیاوی آگیا۔ اور سب کچھ بھول بیٹھا۔

۹۷۔ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے پیشتر مختلف اوراد اور اذکار شروع رکھے گئے سبھی اللہ و حمد، وغیرہ تہلیل و تہجد۔ گاہے کلمہ تہجد۔ گاہے آیت الکرسی اور گاہے الحمد شریف۔ لیکن عجب تزیہ ہے کہ ہر ایک کا باطنی رنگ الگ پایا۔ سر سے لے کر قدم تک یہ اوراد و اذکار اپنا اپنا امتیازی رنگ اور خاصہ ایسا دکھاتے ہیں جیسا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو بے شبہ دیکھتا ہے۔

۹۸۔ آیت الکرسی میں مراقبات اپنے عروج پر پہنچتے دکھائی دیئے۔ اور سبح و تہلیل سے غفلت اور جلال الہیہ کے سراوقات سامنے آگئے۔ اور کلمہ تہجد سے اپنی فنا اور اس کی بقا کا پتہ چل گیا۔ سب سے لطیف تشہد نماز ہے کہ اس کے حضور میں دوزانو بیٹھے تھیات پیش کئے جا رہے ہیں۔ اور سید البشر کو لاک لَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ الْأَفْلاکِ کے سر مبارک پر حضور ربی میں صلوات کے موتی نثار کئے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتِ محمدیہ کو کتنا تقرب بارگاہِ الہی سے ہے۔

۹۹۔ کیا ہی لطف انگیز پیشکش التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ کے ہیں۔ اور کیا ہی طرب انگیز خطاب السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ

۱۔ اگر آپ نہ ہوتے تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا (حدیث قدسی)

۲۔ زبان کی تمام عبادتیں، بدن کی ساری بندگیوں اور پاک مال کی تمام قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

۳۔ آپ (کی ذات مقدس) پر سلام ہو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں۔

ہے۔

۱۰۰۔ میری یہ حالت ہوتی۔ کہ کئی کئی بار ایک ایک لفظ ایک ایک کلمہ کی تکرار کرتا۔ اور مکرر سہ کر راسی طرح دہرانا رہتا۔ یہاں تک کہ دعائے رَبِّ اجْعَلْنِي پُرْبَهْمِيًّا۔ اور رَبِّ اغْفِرْ لِي۔ رَبِّ اغْفِرْ لِي۔ رَبِّ اغْفِرْ لِي پورے عجز سے کہتا۔ کہ قصور وار حضور میں کھڑا اپنے قصور کی معافی طلب کرتا ہے۔ سبحان اللہ یہ وہ باتیں ہیں کہ جو دیکھتا ہے وہی ان کی حلاوت کو جانتا ہے۔

کیفیات کا اندازہ خود صاحب کیفیت ہی کر سکتا ہے۔

۱۰۱۔ غرض یہ سب کچھ ہوتا تھا۔ سب کچھ دیکھتا تھا۔ لیکن طبیعت میں استقامت، بے تعلقی اور حضوری پیدا نہ ہوتی تھی۔ اور آٹا فانا حالت بدلتی رہتی تھی۔ ایک حال آیا اور گیا۔ پھر وہی اپنی بھونڈی صورت۔

استقامت پیدا نہ ہوتی احوال و کیفیات کی جذباتی کیفیت نہیں۔ بلکہ صحبت و ملاقات ہی نقصان کی تلافی کرتی ہے۔

۱۰۲۔ حضرت قبلہ مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی ثنوت یابی پر ایک زمانہ غیبت رہی۔ لیکن عرصہ تک حاضر نہ ہونے کی وجہ سے غیبت کم ہوتی گئی۔ گو اپنی طرف سے بہتیری کوشش کرتا تھا کہ پھر پہلی حالت پیدا ہو۔ لیکن ع

پیر مرشد کی صحبت سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ بلکہ صحبت و ملاقات ہی نقصان کی تلافی کرتی ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر دل نے فیصلہ کیا کہ حاضری کے سوا چارہ نہیں۔ گو آپ ناراض ہوں گے لیکن اس کے سوا علاج بھی تو نہیں۔ حاضر ہوا بھی تو پہلے سے زیادہ پریشانی۔ ذکر و اذکار پر توجہ غائب۔ ۱۰۳۔ بلکہ ایک گھڑی یکسوئی مشکل ہو گئی۔ ذکر کرنے سے دردِ دل پیدا ہو جاتا۔ یہ حالت کوئی سال بھر برابر رہی۔ گاہ گاہ مایوس بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت دامن نہ چھوڑتی تھی، گھر میں بیٹھے بیٹھے خیال آ جانا تھا کہ زیارت بھی غنیمت ہے۔ تصفیہ قلب نہ سہی۔ بلکہ جیسا کہ تحریر کیا گیا۔ خود حضرت مرشد م رحمۃ اللہ علیہ کے بسیاختہ الفاظ

ذکر جب تک پورا پورا اثر نہیں کرتا۔ جو دلی غالب کو ذکر سے تعلق ہوتی ہے۔

۱۔ الہی مجھے بخش دے۔

۲۔ غیبت سے مراد حواس ظاہر کی تاثیرات کا فقدان یا کمی۔

۳۔ جسم اور نفس حیوانی کو روحانیت سے کوئی تعلق نہیں یہ بالکل اجنبی ہیں اور کبھی ذکر و اذکار سے ان کو مواست نہیں ہو سکتی۔ بس مجاہدہ سے روح کو بیدار کرنا ضروری ہے اس سلسلے میں مرشد کی نظر اور صحبت افسیر کا حکم رکھتی ہے۔ پھر جب روحی تاثیرات جسمانیت پر غالب آتی ہیں تو ذکر و فکر اور انوار سے انس و موافقت پیدا ہو جاتی ہے۔

میری مایوسی کا باعث زیادہ ہوئے۔ لیکن ساتھ ہی تسلی آمیز ملفوظات محنت و مجاہدہ کی طرف راغب بھی کرتے تھے۔

۱۰۴ الف۔ پہلے دو سال گوشت و روز میرا خیال ہمہ حال و ہمہ وقت اپنے خیال کی تلاش میں تھا۔ لیکن سرگردان، بے اطمینانی نصیب رہی۔ کبھی دو چار دن اچھی حالت ہو جاتی تو پھر پہلے سے بدتر حالت ہو سکتی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ

۱۰۴ ب۔ اپنے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر میری یہ حالت ہو گئی۔ کہ اسم ذات اپنے پورے نور میں قلب کے اندر اتنا روشن ہو گیا جیسا کہ آفتاب، طبیعت پر از حد ذوق غالب یا دہی ایسی، کہ جہاں فراموشی کا گذر نہ ہو۔ اٹھتے بیٹھتے سورت کی طرح قلب پر از شمع۔ گاڑی میں سوار ہوا۔ تو وہی حالت۔ لاہور جاؤ تو وہی رنگ۔ بازار میں قدم رکھا۔ تو اپنا حال غائب ہو گیا۔ شب باشتی کے لئے دانا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک

بازار میں داخل ہونے کا نقصان۔ بازار سے بری جگہ ہے [۱۰۴ ج۔ پر گیا۔ مگر خیال ایک قدم نہیں

اٹھاتا۔ مزار کی طرف متوجہ ہوا تو بے فائدہ۔ سیکلی اتنی کہ اتنی تو بہ! کئی دفعہ فاتحہ کہا۔ کئی

طبیعت میں قبض پیدا ہو جائے تو پھر آسانی سے بسط پیدا نہیں ہوتا [۱۰۴ د۔ بار مراقب ہوا۔ لیکن ذرہ بھر

بھی حضور قائم نہ ہوا۔

۱۰۵۔ خیال تھا کہ شرق پور شریف پہنچ کر حالت بدل جائے گی۔ لیکن نہیں۔ بدستور پریشانی

آپ سے نیاز بھی حاصل کیا۔ مگر کچھ فرق نہیں۔ بلکہ مسجد میں آکر جی نہ چاہے کہ کچھ کروں۔ یا

حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ تین دن اسی طرح گذر گئے۔

چوتھے دن بعد نماز صبح اور اذ فقیر پڑھنے کے بعد نہایت پریشانی میں مسجد کی چھت پر لیٹ

گیا۔ کچھ دیر کے بعد جو اٹھا تو حالت بدلی پائی۔ الحمد للہ۔ دل نے کہا۔ آج بھو تھا

دن ہو گیا۔ ابھی تک حاضر نہیں ہوا۔ حاضر ہونا چاہئے تھا۔ نیچے آیا۔ تو حاجی صاحب

ع اسم ذات (اللہ) جب قلب تک میں اپنی جگہ لیتا ہے اور ظہور فرماتا ہے تو وہی نور کا ظہور ہوتا ہے۔

ع بازار میں خیال کی پانگہوں کا وہ نہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے یکسوئی جب گئی تو انوار و تجلیات بھی اپنا ظہور چھوڑ بیٹھے۔

ع یہ اوراد حضرت علی ہمدانی کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ اور سلسلہ شرقی میں بطور وظیفہ ان کو پڑھا جاتا ہے۔ کشمیر میں بعد نماز صبح نمازی بلند آواز

سے پڑھتے ہیں۔ بڑا لطف آتا ہے۔ اور بے انتہا فائدہ ظاہری و باطنی ان مبارک اوراد کے اندر موجود ہیں۔

کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ نے یاد فرمایا تھا۔

۱۰۶۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ پیرو مرشد کی توجہ کی کیا ضرورت ہے انسان خود بہت کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن میں نے تو دیکھا ہے کہ جس طرح تمام امور میں انسان ذات باری عز اسمہ کی عنایت کا دست نگر ہے۔ اسی طرح فیوضاتِ باطنی میں سالک اپنے پیرو مرشد کی توجہ کا محتاج ہے۔ اس کے بغیر ایک قدم اٹھ نہیں سکتا۔ میں نے واقعہ مذکور میں تمام جتن کئے تھے۔ لیکن توجہ پیرو مرشد کے بغیر سب بیکار ثابت ہوئے۔

سالک توجہ مرشد کے بغیر فیوضاتِ باطنی میں ایک قدم اٹھا نہیں سکتا۔

۱۰۷ الف۔ ابتدا میں مجھے خیال تھا کہ انسان مجاہدہ سے کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن اخیر میں معلوم ہوا کہ جو کچھ ہے فضل ہی فضل ہے۔

توجہ برا اور مجاہدہ کا اچھا یعنی فضل الہی ہے۔

۱۰۸ ب۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ ہاں اپنی طرف سے مجاہدہ چاہئے تاکہ اس کے فضل کا منشا یہ ہو سکے۔

توجہ اور مجاہدہ کا اچھا یعنی فضل الہی ہے۔

۱۰۸۔ گیند کالے جانا فضل الہی پر موقوف ہے۔ لیکن کھلاڑیوں کے سوا کوئی دوسرا یہ فضل حاصل نہیں کر سکتا۔ اکثر مجاہد باریا صحت پہلے قدم پر ہی لڑکھڑاتے دیکھے۔ اور بہت سے خوش نصیب میدانِ ریاضت میں اترنے بھی نہ پائے۔

میدان میں اترنے کے بغیر کالے جانا یعنی فضل الہی ہے۔

۱۰۹ الف۔ پہلے دو سال میں ذکر سے طبیعت ماندہ رہتی تھی۔ اور اکثر خیال آتا تھا کہ کیونکر ذکرِ قلب کی غذا ہو جاتا ہے بلکہ گھنٹہ دو گھنٹہ خیال کرنے سے تمام وجود کو تکلیف ہوتی اور دل کو خاص قسم کا درد ہوتا تھا۔ لیکن منواتر خیال سے آخر میں حالت بدلتی گئی اور ذکر کرنے دل کو گھیر لیا۔ بلکہ جب کبھی توجہ کی جاتی قلب اپنے کام میں برابر شاغل نظر آتا۔ وہ تکلیف اور وہ درد جو

الذہن کو ماندہ نہ چھوڑنے والی طبیعت کی نشوونما ہے۔

۱۰۹ ب۔ پہلے ہوا کرتا تھا۔ اب وہ نہ رہا۔ بلکہ کسی وقت اگر توجہ قائم نہ ہوتی تو پریشانی پیدا ہو جاتی۔ بسا اوقات جب خیالات، معاملات سے تنگی اور پڑمردگی لاحق حال ہو جاتی، تو دل کی طرف توجہ کرنے سے تمام تکان اور پڑمردگی دور ہو جاتی۔ بلکہ طبیعت میں پشیمانی آرام

قلب میں ذکر کے ساری جاری ہونے کے بعد کیفیت

علا مرشد کے انوارِ باطن مرید کا راستہ کھولنے کے لئے اکیس اعظم ہیں ذاتی محنتیں سب پیچھے ہیں اور اس کے بغیر سالک کی کشائشِ قلبی بے مشکل۔ اس شریف ترین فن اور مقصود اعلیٰ حیات کے اسباب بھی ہیں اور مراحل و منازل بھی۔ اللہ کی معرفت کے اسباب میں کامل پیر کی توجہ سالک کی ریاضت کے لئے غر پر کی حیثیت رکھتی ہے۔

۱۰ اور توجہ مرشد ہی ذات باری ہی کی عنایتِ خاصہ کے نتیجہ میں ہوتی ہے ورنہ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ مرشد کی توجہ خاص ہوتی ہی نہیں۔ اللہم اعنا علی ذلک  
۱۱ ذکر کی ابتدا مجاہدہ ہے اور اس کی انتہا مشاہدہ۔ مجاہدہ نفس پر بھاری ہے اور مجاہدہ جان کا مقصود اور روح کی راحت۔

اور سکون پیدا ہو جاتا تھا۔ اس پر معلوم ہوا کہ اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ کا صحیح مفہوم یہی ہے جو اس وقت حاصل ہے۔ گو اس دو سال کے عرصہ میں بڑی تبدیلی ہوئی اور حالت اتنی بدلی۔ لیکن اس کے تحت میں کسی حالتیں اور کیفیتیں دیکھنے میں آئیں۔

۱۱۰ الف۔ اکثر خاموش ذکر کو قلبی ذکر خیال کیا جاتا ہے لیکن ایسا نہیں بلکہ پہلے پہلے حلق کے اندر دم کے آنے جانے میں ذکر گردش کرتا رہتا ہے اور اس درجہ کے بعد قلبی حرکت، قلبی ذکر تصور ہونے لگتا ہے مگر اس کے بعد قلبی ذکر کا آغاز ہوتا ہے۔

۱۱۰ ب۔ جو نقطہ سیاہ کے اندر ہی اندر محصور رہتا ہے۔ جب اس درجہ میں قلبی ذکر کے شروع کے بعد کیفیات پیدا ہونی لازم ہیں ذکر آتا ہے تو پھر کیفیات بوقلموں وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

۱۱۰ ج۔ چنانچہ پہلے پہلے یہ کیفیت طاری ہو گئی کہ اسم ذاتِ دل کی حقیقت ہے اور خود ذات باری عز اسمہ اسی قلب کے اندر اپنے اسم ذات میں جلوہ گرہے اُس کی ذاتِ بابرکات کوئی الگ چیز نہیں ہے جتنے دل کے حجاب دور کئے جائیں گے۔ اتنی ہی حقیقت جامعہ روشن نہ ہوتی جائے گی۔ یہ کیفیت کئی ماہ طاری رہی۔ اسم ذات کے خاکہ پر جب نظر پڑتی تھی، تو ۱۱۰ د۔ آنکھیں پر غم ہو کر برس پڑتی تھیں۔ قلب پر جب توجہ کی جاتی تو اسم ذات کا خاکہ روشن اور جلی صروف میں نظر آتا تھا۔ لیکن ایک وہ وقت تھا۔ جب اس تصور اور خیال کرنے میں گھٹنے صرف ہو جاتے تھے مگر صبح خاکہ ایک آن بھی دل کے اندر دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور اب یہ حالت تھی کہ

دل کے آئینہ میں ہے تصویر پار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

۱۱۱ الف۔ اس کے بعد یہ تجلی مخصوص نہ رہی۔ بلکہ ہر چیز میں ذات باری عز اسمہ کا نور دکھائی دینے لگا۔ یہاں اگر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کا ستارے کو ہذا دہیٰ کہنے کا راز کھل گیا۔ یہ ستارہ پرستی نہ تھی بلکہ یہ عین حقیقت پرستی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

علی خبردار! اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں۔

علی ذکر کے درجات: پہلے حلق میں نہایت خفیف آواز کے ساتھ۔ پھر قلب کی حرکت اس کے بعد دل کی یاد کا مرتبہ آتا ہے جو تمام درجات پر حاوی ہے اور مجاہد ظاہری و باطنی ذکر سے پیدا ہوتے ہیں۔

علی دل کے مجاہد تو کویہ نفس سے اور ذکر کی کثرت سے جب دور ہو جائیں تو خود ذاتِ الہی کا جلوہ اپنے آئینہ دل میں نظر آتا ہے۔

علی تصور کے لئے محنت کا ایک نقشہ۔

کی نظر اُس چمک پر تھی۔ جو اُس ذاتِ بابرکات کے نور سے شعشان اور لرزان تھی۔ اور جب وہ روشنی آنکھوں سے دور ہو گئی۔ تو اُس سے منہ موڑ لیا۔ اور دوسری روشنی چاند پر جا لگی تو کہا ہذا اربتی۔ لیکن پھر جب سورج نظر آیا۔ تو اُسے حقیقت جامعہ خیال کر کے ہذا اربتی ہذا اکبر کہہ کر اپنا قبلہ مقصود خیال کیا۔ مگر جب وہ بھی غائب ہو گیا۔ تا اینکہ یہ حقیقت ان ظاہری اشیاء سے بالکل الگ نظر آگئی۔ تو صاف کہہ دیا۔ اِنِّیْ بَرِّیٌّ مِمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ مُشْرِكٌ اور ۱۱۱ ب۔ موحّد میں اتنا ہی فرق ہے کہ مُشْرِكٌ اشیائے مادیہ کو ہی ذاتِ ربّی کا منظر جانتا ہے۔ بخلاف موحّد کے کہ وہ اُس کی ہستی کو ان تمام مادیات سے بالاتر دیکھتا ہے۔ گویہ مظاہر الہیہ اس کی آنکھوں میں موجود ہوتے ہیں اور اُن کو مظاہر الہیہ جانتا ہے۔ مگر مُشْرِكٌ ذاتِ الہیہ کو مادیات سے پیوستہ دیکھ کر سر بسجود ہوتا ہے اور ایک کی بجائے دو کو سجدہ کرتا ہے اور مُشْرِكٌ کہلاتا ہے بخلاف موحّد کے کہ وہ صرف ایک ہی حقیقت جامعہ کے سامنے سر خم کرتا ہے۔ جس میں کوئی آلائش مادی جتناک بیچونی و بیچگونی خالق کی | ۱۱۱ ج۔ نہیں ہوتی ورنہ نور الہی سے زمین اور آسمان معمور ہیں۔ ارشاد کیفیت پیدائز ہو۔ موحّد نہیں ہوتا ہے۔ "اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ" اس نور کی کوئی پرستش کرے تو مُشْرِكٌ کیونکر کہلائے۔

شکر اور موحّد میں فرق کیا ہے؟

۱۱۲۔ اس وقت طبیعت میں فراق کی پریشانی اور وصال کی تمنائے اتنا پریشان کیا کہ جب نظر اُٹھے۔ اُس کے دیدار کی تلاش میں اُٹھے۔ اکثر آسمان کی طرف بار بار نظر اُٹھتی تھی کہ شاید وہ حقیقتِ کبریٰ جلوہ عنایت فرمائے۔ لیکن مایوس ہو کر نظر اُنسو لیے گر پڑتی تھی۔

تلاشِ یار میں پھرتا ہوں میں بزرگِ خیال  
ادھر کو دیکھو ادھر کو نظر اُٹھاتا ہوں  
محبتِ قلبی میں جب زیادہ جوش آجاتا تھا تو بے اختیار شمالِ مغرب کی طرف رخ پھر جاتا اور بار بار نظر آسمان کی طرف اُٹھتی تھی۔

اشتیاقِ دیدار کا نقشہ اور کیفیت

حضرت ابراہیمؑ نے جب ستارہ کو ہذا اربتی کہا تو وہ نور مراد تھی جو نور قلب سے مشابہت رکھتا تھا۔ پھر چاند کا نور پھر سورج کا نور منظرِ عظیم نظر آیا۔ اس کے بعد ستارہ، چاند، سورج کے مظاہر کے ادھل جانے سے جبکیات کے ذرہ ذرہ میں ذاتِ الہی کی چمک نظر آئی تو مظاہر پرستوں کی ہدایت کے لئے اس حقیقتِ کبریٰ کا اعلان کر دیا جو موصو کو ہمیشہ مقصود جان ہونی چاہیے اور سب مہدات اور ریاضات اسی کے لئے ہوتے ہیں۔ مایاں چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک (حقیقتِ کبریٰ) جانتے ہو۔ اس کی ذات آسمان کا نور ہے اور زمین کا نور ہے۔ ہوا اللہ احد (وہ اللہ ایک ہے)۔ مگر یہ ایک عجیب حقیقت ہے۔ نسبتِ قلبی کے لئے تاثیر کی مقاطیس غوثِ اشقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ذات ہے۔ جن کی نسبت ادھر مناسبت رکھتی ہے ان کی نور خود بخود ادھر مڑ جاتی ہے۔

۱۱۳ الف۔ حضرت قبلہ مرحوم و مغفور ہمیشہ حالت واردہ کی خبر بعد میں اشارۃً و کنایۃً فرمادیا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کا وہ ذاتی کمال تھا۔ کہ موجودہ وقت کے مشائخ میں بہت ہی کم نظر آتا ہے۔ آپ ہمیشہ حالت گذشتہ اور حالت آئندہ کی بابت نہایت سادہ لفظوں میں ارشاد فرماتے تھے۔

کال شیخ وہی ہے جو حالت واردہ سے باخبر رہ کر ۱۱۳ ب۔ اور سالک عاقل اپنے ماجری اور اپنے مستقبل کے نشان قائم کر لیتا تھا۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ زبانی سائل کو منزل مقصود کی طرف رہبری کئے بہت کم پوچھتے تھے بلکہ اپنی نسبت سے طالب کی نسبت کا پتہ لے کر رخ بدلتے تھے۔ کھڑا کرتے اور چلاتے۔

۱۱۴۔ گو اس منزل میں اپنی طرف سے پوری مشغولی رکھی جاتی تھی۔ لیکن دل میں وہی شوخی، وہی آزادی وہی محبت ماسوا کا جذبہ تھا۔ اور اکثر خیالات پریشان اوقات مخصوصہ کو پریشان کر دیتے تھے۔ بلکہ شرقپور شریف کی جامع مسجد میں بھی اطمینان نصیب نہ تھا۔ حضرت گے سے گواہ محبت تھی۔ لیکن خوف بھی آپ سے آیا کرتا تھا۔

خواب اور اس کی تعبیر۔ رو یا اس منزل میں ۱۱۵۔ آخر میں نے شرقپور شریف میں ہی خواب دیکھا تھا۔ سالک کی حالت کا صحیح معیار دکھاتی ہیں کہ ”جوئیں سر سے نکالی کر مار رہا ہوں“ بیدار ہوا۔ تو شکر ادا کیا۔ کہ شاید افعال ذمیرہ اب دور ہوں گے۔ چنانچہ اس کے بعد طبیعت بدلنے شروع ہو گئی اور جمال ظاہری کی طرف سے دل نے سر دی دکھائی۔

۱۱۶۔ یہاں پہنچ کر اللہ الصمد کی حقیقت نے چہرہ کشائی فرمائی کہ کس طرح اس کی طرف ہر ایک چیز جا رہی ہے اور کس طرح ہو آخِذُ بِنَاصِيَتِهَا اور کیوں کر وہ ہادی اور مفضل بیک وقت ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی علمی موشگافی نہیں۔ جو میں اس کو اجاب کے سامنے بیان کروں بلکہ یہ ایک نفسی کیفیت ہے جو خود بخود سالک پر وارد ہو جاتی ہے اور یہ حقیقت خود بخود روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔

۱۔ ماہولی: ماضی۔ (جو کچھ گزرا)

۲۔ بعض بے ہمت لوگ ڈاکٹری و دماغی کا خیال نہیں کرنے اور وساوس سے گھبرا اٹھتے ہیں حالانکہ سالک کے راستے میں ان دو کاوٹوں کا آنا ضروری ہے۔ باہمت سالک وہی ہے جو پورے اقلابِ طبیعی کی تمت اور انتظار میں رہے۔

۳۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی بے نیازی ایک کیفیت کی صورت بن کر اندر آتی ہے۔

۱۱۷۔ مجھے ہمیشہ یہ دہم رہا کرتا تھا۔ کہ جب ہم پیدا کسی چیز سے ہوتے ہیں۔ اور تمام عالم کون و فساد اپنے اپنے مخارج سے نکلتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کیونکر بدارتہ قائم ہو سکتی ہے اس لیے ہزاروں فلسفیانہ دلائل پیش کیے جاتے تھے۔ لیکن دل کو تسلی نہ ہوتی تاہم ابھی بے انتہا عنایت سے یہ راز کیفیت کی صورت میں مجھ پر وار د کیا گیا۔ اب میں حیران ہوں کہ وہ سوال کیونکر پیدا ہوتا تھا۔ اور کہ نور کی پیدائش کا خیال کسی دوسری چیز سے کیونکر کیا جائے۔ لاکھ فلسفے سوچو۔ لاکھ دلائل مطالعہ کرو۔ لیکن **لَوْ يَلِدُ وَّلَوْ يُؤَلِّدُ** کی حقیقت کا عین مشاہدہ سوائے کیفیت باطنی کے دیکھ نہیں سکتے۔

لَوْ يَلِدُ وَّلَوْ يُؤَلِّدُ  
کی حقیقت  
سوائے کیفیت کے کھل نہیں سکتی

۱۱۸۔ ایک طرف بتیابی وصال تھی۔ دوسری طرف اُس نور کی حقیقت دیکھ چکا تھا۔ اپنی ظلمت اور اُس کی نورانیت۔ اس پر وصال کی بے تابی نے میری زبان پر جاری کر دیا۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ**۔ تیرا میرا وصال کیونکر ہو۔ تو پاک میں پیدا۔ تو نور، میں خاک سیاہ۔ **لَوْ يَلِدُ وَّلَوْ يُؤَلِّدُ** خدا میں ماں باپ جایا بندہ۔ ہاں تیسری رحمت ہو۔ تیسری عنایت ہو۔ ورنہ تو کہاں اور میں کہاں۔

کیفیت لآلہ الہ الہ انت  
سبحانک (الایۃ) کا ظہور

۱۱۹۔ اس آیت کی تلاوت کا اسی کیفیت میں پتہ چلا کہ یونس علیہ السلام تے کیوں اس کا ورد کیا۔ میرے آنسو گرتے تھے اور دل و زبان پر یہی جاری تھا۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ**۔

سالک جب سلوک کے منازل اور مراحل میں طیرانی کرنے | ۱۲۰۔ یہاں پہنچ کر مقام خوف مقام محبت لگ جاتا ہے اور طبیعت بندی اختیار کرتی ہے۔ تو خوف سے بدل گیا۔ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ کی کی جگہ محبت لیتی ہے راتحاد پیر کامل خوف اڑا دیتا ہے، ذات بابرکات سے جو خوف اٹھتا تھا۔ وہ بالکل نہ رہا۔ بلکہ یہ حالت یہاں تک بدلی۔ کہ یہ معلوم بھی نہ ہو۔ کہ حضرت میں صفت جلائیٹ بھی ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ صوفی محمد ابراہیم صاحب کے ہمراہ تیرہ دن کی ملازمت باسعادت

۱۔ اُس نے کسی کو جنا نہیں اور وہ کسی سے جنا نہیں گیا۔

۲۔ سبحان اللہ کیفیت تو کیا ہوگی الفاظ میں بھی اطمینان بھرا ہے۔ کہ پیدائش کا سلسلہ تو مادیات میں ہوتا ہے۔ روح کی ایک مثالی شکل نور کا تصور ہے۔ اور نور میں مادیت کے تصورات سب ختم ہو جاتے ہیں۔

۳۔ مہر و تیرے سوا کوئی اور نہیں اور تیری ذات پاک ہے بیشک میں ظالموں میں سے ہوں۔



کے بعد جب رخصت ملی۔ تو ایک طرف آپ کی محبت میرے سر و چشم کو بوسے سے دے رہی تھی۔ اور دوسری طرف میری نیاز آپ کے قدموں پر دیدہ فرسانی کر رہی تھی۔ آنسو جاری تھے۔ گاہے آپ مصافحہ کر کے رخصت فرماتے اور گاہے آپ از سر نو مصافحہ کر کے محبت آمیز

۱۲۰۔ نصائح فرماتے۔ معلوم نہیں۔ کتنا وقت اسی کشاکش محبت میں گذر گیا۔ آنحضرت کی نگاہ التفات مجھ پر دار کر جاتی۔ اور میری نگاہ نیاز آپ کے قدموں کا سہارا جاڑ ہونڈتی۔ لیکن آنسو میں کہ برابر جاری۔ نہ اپنا خیال ہے نہ اپنے غیر کا خیال۔ حاجی صاحب ہمراہ ہوئے۔ تو درود پر پھر از سر نو سلام کیا۔ آنکھیں تشنہ تھیں اور دل ناصبور تھا۔ بازار سے گذر مسجد میں اور مسجد سے اڈے پر۔ اور اڈے سے لاہور آئے لیکن آنکھیں ہیں کہ برابر موسلا دھار بارش برسا رہی ہیں۔ عمر بھر میں یہ پہلا موقعہ تھا۔ نامعلوم وجہ سے اتنے آنسو گرے۔

۱۲۱۔ گھر میں آیا۔ تو بھی وہی حالت۔ دنیا و مافیہا سے حضور قبلہ کی ذات بابرکات بہتر نظر آئی۔ گھنٹوں نہیں بلکہ پھروں گذر جاتے۔ لیکن دل آپ کے خیال سے سیر نہ ہوتا تھا۔

۱۲۲۔ گو میں شاعر نہیں ہوں اور نہ طبیعت شاعرانہ پائی۔ لیکن جب ایک رات مجھ کو بخار ہوا۔ تو محبت و اشتیاق نے اتنا زور کیا کہ چند ناموزوں سے اشعار کہہ کر دل کی سوزش دور کی۔

۱۲۳۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ آپ نے بھی کئی احباب سے بیربل کے راستہ کا پتہ لیا۔ کئی بار فرمایا۔ کہ دل چاہتا ہے کہ ایک بار حضرت صاحب کے مزار کی زیارت کراؤں۔ "کون کون سے راستے جاتے ہیں۔ کتنا وقت خرچ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ جہاں دل چاہے وہاں اللہ تعالیٰ پہنچا دیتا ہے" (ملفوظ) اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام علاقہ میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ فلاں تاریخ بیربل آنے والے ہیں علاقے کے لوگ جوق در جوق آنے لگے اور دریافت کرنے لگے۔ بلکہ میں نے سیشن پراڈمی اسی افواہ کی وجہ سے دو دن روانہ کیے۔

۱۔ سے دو عالم سے کتنی ہے بیگانہ دل کو! عجب چیز ہے لذتِ آشنائی (اقبال)

محبت اور عقیدت جب مل جاتے ہیں تو ایک عجیب نقشہ ہوتا ہے۔ محبت قرب کی خاصیت ہے اور عقیدت روح میں بلندی پیدا کرتی ہے۔ اور سالک کی پرواز وہاں تک ہوتی ہے جہاں کوئی جا نہیں سکتا۔

۲۔ محبت کی مبارک تاثیریں دو طرفہ ہوتی ہیں۔ اگرچہ محبت کی محبت کی تاثیریں بے قرار ہوتی ہیں اور محبوب کی تاثیریں مطمئن۔ تاہم کسی کسی وقت بے قرار تاثیریں ادھر بھی آتی ہیں۔

۱۲۲۔ یہ ایک عجیب امر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اولیا جس طرح کا ارادہ کرتے ہیں۔ پہلے ہی اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کے لیے اپنی مخلوقات کو تعظیم و تکریم کے لیے تیار کر دیتا ہے۔ اور خلق اللہ اس اکثریت سے اُن کی طرف رجوع کرتی ہے کہ بادشاہوں تک اس نقشہ کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔

دلی کا ارادہ کائنات کی بنیاد

۱۲۵ الف۔ یہ مقام محبت تقریباً ایک سال رہا۔ اس کے بعد میری توجہ اُس نقطہ محبت شیخ سے ہٹ کر نقطہ محبت رسالت پر جا گری۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے حضور علیہ التحیۃ والسلام کی ذات بابرکات کی رحمت للعالمین پر ہو گئی اور لَا تَزَالُ لَمَا خَلَقْتَ الْاِنْسَانَ حَتَّىٰ تَرَىٰ کی حقیقت روشن۔

محبت شیخ سے محبت رسالت کا پسند ہونا لازمی ہے

محبت رسول کی صحیح کیفیت ہوتی جو چیز نظر آتی۔ اس میں آپ کا نور نظر آتا ہے

ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

تمام کائنات کی حسنت کے شجرہ کی جڑ آپ کی ذات بابرکات تھی۔ موسوی شاخ اور عیسوی شاخ بھی اسی گل سرسبز کی ابتدائی کلیاں تھیں۔ بے اختیار حالی درود سے اٹھتا اور آپ کی ذات اقدس پر پہنچتا۔ گاہے زبان بھی اُس کا ساتھ دیتی۔ لیکن یہ درود نہ عربی میں تھا نہ ہندی میں اور نہ کسی دوسری انسانی زبان میں۔ بلکہ یہ وہ زبان تھی کہ اللہ تعالیٰ ۱۲۵ ج۔ کے بغیر اس کے الفاظ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن آہ یہ حالت چند دن ہی رہی اور پھر کسی دوسرے عالم میں چلا گیا۔

کیفیت کی زبان میں الفاظ نہیں

۱۲۶۔ حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ اکثر (وقوف قلبی اور) دل کی طرف متوجہ ہونے کا احباب کو ارشاد فرماتے تھے۔ مجھے بھی اکثر اسی کا ارشاد ہوتا۔ لیکن طبیعت اکثر کہتی۔ کہ دل پر متوجہ ہو کر ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ بلکہ لطیفہ نفس پر ذکر کرنا اولیٰ تر ہے۔ اور طبیعت بھی دل کی توجہ سے اکتا جاتی تھی۔ لیکن آگے چل کر معلوم ہوا کہ تمام سلوک کی بنیاد صرف وقوف قلبی ہی ہے اور بس۔ گو کہ طرق اور سلاسل الگ الگ ہیں۔ لیکن تمام سلاسل میں قلبی توجہ کا پابند

تمام سلوک کی بنیاد وقوف قلبی ہے

۱۔ سانک کامل استعداد رکھتا ہو تو وہ محبت اور معرفت دونوں میں ترقی کرے گا اور پھر مرشد کے آگے منزل رسالتا ہے اور اس محبت پر پہنچنا ضروری، اس کے بعد ذات الہی کی محبت اپنی اصلی شکل میں نمودار ہونی لازم ہے۔

۲۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو میدانہ کرتا (حدیث قدسی)

۳۔ دل سے درود شریف کی کیفیت اٹھتی۔

۴۔ طرق طریقہ کی جمع اور سلاسل سلسلہ کی جمع، تصرف کے کسی طریقہ کو کسی سلسلے میں ہمارا ہاں مشہور سلسلے ذیل میں انقبندی۔ قادری۔ چشتی۔ سہروردی۔

بلند ہے۔

۱۲۷۔ حالات بالا پر جب طبیعت پہنچی تو وقوف قلبی خاکہ اور مراحل سلوک کی ترتیب کا فلسفہ اور فنا اور فناء الفنا کی حقیقت

نے کسی رنگ دکھلائے جس کی تفصیل محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اصل یہ ہے کہ انسان بالذات ناطقہ میں اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں ایک فعلیٰ اور دوسری انفعالی۔ یہ دونوں قوتیں اکثر مساوی نہیں ہوتیں بلکہ عموماً کم و بیش کا توازن دکھائی دیتا ہے۔

۱۲۸۔ بعض میں مادہ فعلی زیادہ ہوتا ہے اور بعض میں مادہ انفعالی۔ فعلی قوت زیادہ ہو۔ تو اثر پذیری کم ہونے کی وجہ سے انسانی تعلق ذات ربی سے کم ہوتا ہے۔ اور انفعالی قوت زیادہ ہو تو مجذوب ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور خدائی کھلونے کے سوا اُسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ جو کچھ اس میں عکس ریزی ہوتی ہے۔ اس کی وہ جلوہ نمائی کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مجذوب لوگ اتنے متاثر ہوتے ہیں کہ قوت فعلیہ کے تمام احکام (شرعیہ) اُن سے اٹھ جاتے ہیں۔ اور قوت انفعالی کامرکز ہو کر حشر پڑ کر مات ہو بیٹھتے ہیں۔

۱۲۹ الف۔ کامل ترین انسان وہ ہوتا ہے کہ جس میں یہ دونوں قوتیں مساوی ہوں۔ ایک طرف سے تو اس کی قوت انفعالی جذب اثر کرے۔ اور دوسری طرف قوت فعلی سے اپنے اثر کو دوسروں پر پہنچاتے۔ اور یہ سلسلہ فیضان الہی ہر دم ہر گھڑی آب رواں کی طرح چلتا نظر آئے۔ لیکن ابتدائی منازل میں قوت فعلی بالکلیہ بیکار کر دینی چاہیے۔ کیونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اُسے قوت فعلی سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے۔ اور یہ قوت زور پکڑتی جاتی ہے اور قوت انفعالی بہت کمزور رہ جاتی ہے اس لیے قوت فعلی فوراً روک دی جاتی ہے۔ اور اگر روکی نہ جائے تو ایسے طریقہ پر چلائی جائے جو قوت انفعالی کے لیے ممد ہو۔ کیونکہ بکیم قوت فعلی کا روکنا محال ہے۔ اس لیے پہلے ذکر پر توجہ کی جاتی ہے۔ اس کے بعد وقوف قلبی کی طرف، تاکہ قوت فعلی میں یکسوئی

مجدوب کی حقیقت لطیفی

کامل ترین انسان کون ہوتا ہے

۱۔ رُوح انسانی۔

۲۔ فعل کام کرنا۔ انفعال اثر قبول کرنا۔

۳۔ جلوہ الہی دیکھا اور عکس اتنا قبول کیا کہ خود عکس ہو بیٹھا۔ اب ظہور و اظہار اس کا نہیں اصل کا ہے یہ بیچارہ تو عکس ہے۔

۴۔ قوت فعلیہ کے بیکار کر دینے کا نام ہی فنا ہے۔ کامل پیر کی نظر اکسیر کے اثر سے، ذکر کی کثرت سے اور مراقبہ کی کثرت سے

قوت فعلی بیکار ہو جاتی ہے۔

پیدا ہو۔ جب یہ یک سوئی کامل ہو جاتی ہے۔ تو قوتِ فعلی ایک خاص نقطہ دل میں محصور اور محدود ہو جاتی ہے اور یہ یکسوئی قوتِ انفعالی کی بنیاد قرار دے کر قوتِ فعلی کو ۱۲۹ ب۔ - بالکل روک دیا جاتا ہے اور قوتِ انفعالی کا آئینہ (قلب) قوتِ فعلی کے خطرات سے آئینہ وار صاف کر کے عکس پذیری کے لیے آفتابِ حقیقت (ذاتِ محبت) کے سامنے کیا جاتا ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں مراقبہ کہتے ہیں۔

دوئی کا احتمال کس طرح اور کب اٹھتا ۱۳۰۔ مراقبہ میں قوتِ انفعالی طاقت پکڑنے لگتی ہے۔ اور ہے اور کہ تجلی کا آئینہ مراقبہ ہے قوتِ فعلی یعنی خطرات نابود ہونے لگتے ہیں۔ جوں جوں قوتِ انفعالی میں طاقت آتی جائے گی۔ اثر پذیری زیادہ ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ کوئی گھڑی تجلی کے بغیر نہ گزرے گی۔ آخر کار قوتِ انفعالی اس درجہ پر اثر پذیر ہوگی کہ دوئی کا احتمال اٹھ جائے گا۔ بلکہ انفعالی نسبت کا وہیم بھی نہ رہے گا۔

فنا اور فنا الفناء کے کہتے ہیں ۱۳۱۔ پہلی قوتِ فعلی کے فنا ہونے کا نام فنا ہے۔ اور دوسری قوتِ انفعالی کے گم ہونے کا نام فنا الفناء ہے۔

۱۳۲۔ قلب کے اندر نہ فعل رہتا ہے نہ انفعال۔ بلکہ فعل اور انفعال بلا واسطہ آپس میں جکڑے جاتے ہیں۔ اور نفس ناطقہ کا واسطہ درمیان سے اٹھ جاتا ہے۔ صاحبِ مثنوی فرماتے ہیں یہ تو مباحثِ اصلا کمال این است و بس۔ یہ قوتِ فعلی کے گم ہونے کا بیان ہے۔

اور وہ دور و گم شو وصال این است و بس اور یہ قوتِ انفعالی کے معدوم ہونے کا بیان ہے۔

۱۳۳۔ جب یہ دونوں قوتیں احاطہ قلب سے باہر ہو جاتی ہیں۔ تو انسانی تکمیل ہو جاتی ہے۔ دنیا مافیہا سے الگ۔ نہ خوشی۔ نہ غم۔ نہ قوتِ فعلی کی رکاوٹ سے پریشانی ہوتی ہے۔ نہ قوتِ انفعالی کی اثر پذیری کی وجہ سے غم۔ ارشادِ باری عزّوجلّ اسے تکمیل کے بارے میں وارد ہے۔

۱۳۳ ب۔ - خوشی غم کا پاک ہونا انسانی تکمیل کا بلند درجہ ہے۔

عراقبہ: نگاہ بانی۔ یہاں دل کی نگاہ بانی سے مراد ہے کہ دل متوجہ اور غمگین ہو کہ مخزنِ انوار سے کیا نازل ہوتا ہے۔ اور محبت کے جہان سے کیا ملتا ہے۔  
۱۔ اثر پذیری میں اتنی قوت آجائے گی کہ سالک پر انوار چھا جائیں گے اور کسی طرح محسوس نہ ہوگا۔ کہ ع۔ تو اور ہے میں اور ہوں  
۲۔ فنا اور فنا الفناء کی خوبصورت اور جامع تشریح ہے مگر خود بالکل نہ رہے یہی کمال ہے۔ جا اور اس (محبوب) میں گم ہو جا، یہی دصال ہے۔  
۳۔ جو مصیبت اور جو حادثہ زمین میں پہنچا یا خود تھا ہے اندر جو کیفیت آئی یہ سب ایک کتاب میں ہے پیدائش سے پہلے اور یہ اللہ کے سامنے آسان ہے۔  
۴۔ کہ تم اپنے نقصان پر افسوس نہ کرو اور جو چیز تمہیں حاصل ہوئی ہے اس سے خوش نہ ہو۔

إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِك عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ - لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ

۱۲۴۔ مصائب صرف دو قسم کے ہیں۔ ایک آفاقی اور دوسرے نفسی۔ لیکن اللہ کے بندوں

کو ان دونوں مصائب سے تکلیف نہیں ہوتی۔ نہ کسی

چیز کے گم ہونے پر غم کھاتے ہیں۔ اور نہ کسی چیز کے حاصل ہونے پر خوش ہوتے ہیں کیونکہ انہیں یقین کامل ہو چکا ہے کہ ذات ربی نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے جس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔

۱۳۵۔ پیغمبر اور رسول اپنے قوائے مذکور میں نہایت طاقتور ہوتے ہیں۔ اور ان کا تعلق اور پیوند

نہایت جامع اور مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں متاثر اور مؤثر ہونے میں قوت نہیں ہوتی ہے

گویا دونوں قوتوں کا جوڑ نہایت مضبوط ہوتا ہے۔ متاثر ہونا ہی درحقیقت فعل تاثیر پیدا کرنا

شروع کر دیتا ہے۔

۱۳۶۔ اس لئے حکم ہوتا ہے۔ "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ - إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ"

یہ قوت ارادی کے ظہور کا حکم تھا کہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ وحی الہی سے۔ اور فعلی ظہور

پر ارشاد ہوتا ہے۔ "وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ" (ترجمہ) آپ نے نہیں پھینکا

جبکہ تم نے پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا۔

۱۳۷۔ اولیائے کاملین کا بھی اکثر یہی حال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت قبلہ مہر شدم رحمۃ اللہ علیہ

کے حالات میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ آپ کی ہر حرکت، ہر فعل اس اثر پذیری کا نتیجہ ہوتا تھا

جو طلاء اعلیٰ سے وارد ہوتا تھا۔ اور اس میں بہت کم خطا میں ہوتی تھیں۔ اُلئے سیدھے

ہاتھ کار گر ہوتے چلے جاتے تھے۔

۱۳۸۔ ہاں قوت فعلی کو روک لیا جائے۔ تو پھر قوت انفعالی کی تہ میں اتنی قوت فعلی پیدا

ہو جاتی ہے کہ سنبھالنی مشکل ہو جاتی ہے اور جب کبھی بضرورت یا بلا ضرورت ایک ڈراسا

۱۔ ارادہ (نبی کریم) اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ تو وحی ہی ہوتی ہے جو ان کو کہتی ہے۔

۲۔ اللہ جب آپ نے (کنکریاں) پھینکیں تو وہ اللہ نے پھینکیں۔

۳۔ طلاء اعلیٰ: فرشتوں اور ارواح کا جہان۔

۴۔ جب قوت ارادی کو روک لیا جاتا ہے اور اپنے آپ کو قضاے الہی کو ماننے کا جوگر بنا جاتا ہے تو جب کبھی ارادہ کسی وجہ سے اٹھتا ہے قضاے

الہی بن کر اٹھتا ہے اور ارادہ ذات کی طرح عمل کرتا ہے۔ یہی کرامت ہے یا تصرف اولیاء اللہ۔

سورخ پا جاتی ہے تو ایک گھڑی میں عالم کون و فساد میں تلامطم پیدا کر دیتی ہے۔ یعنی سنت اللہ کے خلاف (خرق عادت) عمل پذیر ہو کر وہ قوت باعث کرامت ہو جاتی ہے۔

۱۳۹۔ اسی وجہ سے جو اولیائے کرام اپنی قوت فعلی و انفعالی کو سمیٹے ہوئے خلوت نشین رہتے ہیں۔ وہ اپنے میں وہ قوت پاتے ہیں کہ چاہیں تو اڑیں۔ چاہیں غوطہ کھا جائیں۔ چاہیں تو خشک پاؤں دریاؤں سے پار نکل جائیں۔

۱۴۰۔ بخلاف ان اولیاء کے کہ جلوت میں آکر اپنی قوت فعلی کو کسی خاص مصرف شرعی میں صرف کر کے خلق اللہ کے مادائے اکمل بنتے ہیں۔ اور شریعت غزالی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس صورت میں ان کی قوت فعلی کا نکاس اور صرف ہر گھڑی اور ہر آن ہوتا رہتا ہے اس لئے یہ گروہ زیادہ کرامات اور عجائبات کا چشمہ نہیں رہتا۔ اس لئے شیخ الطریقہ حضرت مولانا و مرشدنا حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ”ہماری یہ کیا کم کرامت ہے کہ ایسے عالی مضامین قدس بیہ ہائے نوکِ قلم سے نکلتے ہیں۔ جو سراسر میزانِ سنت کے برابر ہو کر اترتے ہیں۔“

۱۴۱۔ ذکر کے تمام مراتب لسانی۔ قلبی۔ نفسی۔ اخفی۔ سلطان الازکار قوت فعلی کے اندر ہیں اور مراقبات کے تمام مدارج (مثلاً دوائر۔ کمالات اور حقائق) قوت انصافی کے زیر سایہ ہیں۔ اس لئے جو لوگ مراقبات میں بھی قوت فعلی سے کام لیتے ہیں وہ غلط طریقے پر کار بند ہیں۔ بلکہ طبیعت کو اثر پذیر (اور متوجہ ہونے) کے لئے مطلق چھوڑ دیا جائے تاکہ طبیعت خود بخود اپنے موڑ سے بدل کر اپنے کیفیات ظاہر کرے۔ نہ یہ کہ وہی خیالات سے ایک وہی تصویر سالک کے سامنے کر دی جائے اور اس کے مطابق وہ اپنے خیالات کو اور توہمات کو چلا کر ایک خیالی کیفیت پیدا کرے۔ ایسی وہی اور خیالی کیفیت سے بجز زبانِ وقت اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

۱۔ دنیا سے لائق ہونے والے اولیاء اللہ میں کرامات کا ظہور کثرت سے ہوتا ہے۔

۲۔ شریعت غزالی پیروی اور اس مقصد کے لئے دعوت دینا چونکہ ایک عظیم حصہ ہے کمالات بشری کا، اس لئے جن کو یہ دولت ملتی

ہے ان کی قوت فعلی اور قوت انفعالی کو چونکہ اپنے مصرف کے لئے ایک وسیع میدان عمل ہونا ہے۔ اس لئے خرق مادائی کی گنجائش نہیں رہتی۔

۳۔ ذکر کے مراتب اور طریقوں کی تفصیل۔

۱۴۲۔ موجودہ وقت میں بہت سے صوفی ہیں بلکہ متصوف جو سلوک کے تمام منازل طے کر کے وہی رہتے ہیں۔ جو پہلے دن وہ سلوک کی الفت۔ بے کے شروع کرنے میں ہوتے ہیں۔ حالانکہ دستار خلافت کا بوجھ سر پر اٹھائے ہوئے خلق اللہ کی ہدایت کے دعویدار ہوتے ہیں لیکن طبیعت میں اتنی افتاد بھی نہیں ہوتی کہ اپنی نامرادی پر تاسف کرتے ہوئے اتنا بھی منہ سے نکال کر اپنی تسلی کر بیٹھیں۔

دورِ گردوں گردِ روزے بر مرادِ انگشت

دائما یکساں منادِ دورِ گردوں غنمِ مخور

۱۴۳۔ یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح قوتِ انفعالی چشمہ کیفیات ہے۔ اسی طرح قوتِ فعلی منبع اور مخزن انوارِ الہیہ ہے۔ ذکر کے تمام مراتب قلب کے اندر اور بیشترے (چہرے) پر وہ انوار پیدا کر دیتے ہیں کہ دیکھنے والا محو حیرت ہو جاتا ہے۔ جو لوگ ذکر میں زیادہ توغل رکھتے ہیں اور اس میں اپنا پورا انہماک رکھتے ہیں اور کمال دکھاتے ہیں۔ ان کے چہرے کی شعاع اور قلب کی حرارت سے دنیا مشتعل ہو جاتی ہے۔ اور دیکھنے والا پہلی نظر میں ہی مستحور نگاہِ ناز ہو کر گر پڑتا ہے۔ بخلاف قوتِ انفعالی کے کہ وہ محویت اور حیرت میں ڈالتی ہے اور حرارت اندرونی کو اندر ہی اندر جذب کر کے سیانِ ماسواد کا آئینہ بنتی ہے۔ ظاہر میں نہیں دیکھ سکتا کہ صاحب کیفیت کس کیفیت میں جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مراقبات میں اپنے وجود کو درجہ اشتہاک تک پہنچا دیتے ہیں۔ ان کے چہرے اور بیشترے اتنے روشن پُر ازا انوار نہیں ہوتے۔ ہاں چہرے میں صفائی اتنی ہو جاتی ہے۔ کہ دوئی کا رنگ اٹھ جاتا ہے وَاذَا زُووا ذِکَرَ اللّٰہِ (جب ان کو دیکھو تو اللہ یاد آ جاتا ہے) کا مصداق ہو جاتے ہیں۔ یہ

۱۴۴ الف۔ اس تفصیل کے بعد میں اپنے حالات اور کیفیات میں جانا ہوں کہ جب قوتِ انفعالی کا آغاز ہو گیا۔ تو محبت جو لازمہ انفعال ہے میرے حال پر وارد ہو گئی۔ اور جو حال اور کیفیت

۱۔ زمانے کی گردش اگر چند دن ہماری مراد پر نہ چلی تو کوئی غم نہیں ہے۔ زمانے کی گردش ہمیشہ یکساں نہ رہے گی۔

۲۔ نئے و نازک جاؤ دکھا جاتا ہے۔

۳۔ استہلاک۔ فنا کر دینا۔ (فعلی معنی ختم ہونے کی خواہش)

۴۔ جب ان کو دیکھا جاتا ہے اللہ کی یاد آتی ہے (یادِ الہی شروع ہو جاتی ہے)

(بقیہ صفحہ ۲۴۲ پر)

۱۴۴ ب۔ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ مجھ پر وار کرنا چاہتے۔ وہ فوراً آپ کے خیال اور آپ کی توجہ سے وار د ہو جاتی تھی۔ اور ذرا سی جنبش بھی اس وقت دل کی ٹھوکر کا باعث بن جاتی تھی۔ کوئی معمولی ذکر بھی چھڑ جائے۔ آنکھیں پونم ہونے لگتی تھیں۔ یہاں تک کہ گاہے پیر و مرشد کی صورت میری آنکھوں کے سامنے ہو جاتی تھی اور گاہے آپ کا سینہ مبارک میرے سینے کے مقابل دکھائی دیتا تھا۔ کبھی درود شریف کو پڑھتے ہوئے ذاتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سینہ بے کینہ مقابل ہوتا۔ اور فیوضات اور انوار چشمہ آفتاب کی طرح میرے سینہ اور قلب پر گرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

مرشد کا اثر اور توجہ جس وقت زیادہ ہوا کرتی ہے۔

۱۴۵ الف۔ نماز ادا کرتے ہوئے قبلہ کعبہ (بیت اللہ شریف) کو اپنے سامنے ہوتا تھا اس کے انوار اور اس کی حقیقت جامعہ بلا حجاب نظر آتی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہ خیال کرنا، کہ ایک خیالی تصویر کو ٹھے دیواروں کی آنکھوں کے سامنے آجاتی تھی۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ نہ دیوار

۱۴۵ ب۔ ہے نہ چھٹا ہے۔ کچھ اور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ فرمایا۔ گاہے گاہے سجدے میں گرتے ہوئے حقیقت جامعہ کلیہ (ذاتِ بخت) نظر آجاتی تھی۔ یہ ظاہری آنکھیں بند تھیں۔ وہ دوسری آنکھ ہے جو اُسے دیکھتی ہے یہ وہ دیکھنا نہیں۔ جو دل دیکھنا ہے اس میں خیال کو گنجائش نہیں۔ وہم کو تعلق نہیں بلکہ یہ وہ ظہور ہے جس کے بارے میں خود اس ذاتِ باری عز اسمہ کا ارشاد ہوتا ہے۔ حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَا لَهْمَا نَسْهُ الْحَقِّ۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق عز اسمہ ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیونکر یہ ظہور ہے غیبی ہے۔ قلبی ہے یا بصارتی ہے۔

حقیقت جامعہ کلیہ یعنی ذاتِ بخت کا ظہور

۱۴۶ الف۔ اگرچہ پہلے ذاتِ بابرکات کی بابت بہت سے شکوک پیدا ہوتے تھے۔ لیکن اس نتیجہ میں ظہور کے بعد کوئی شک نہیں رہا۔ جس طرح ایک انسان اپنے مشاہدات کے لئے کسی دلیل کو پیش کرنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح اس نتیجہ کے بعد کسی دلیل کسی حجت کی ضرورت اسے مولا کریم کی ذاتِ بابرکات کے لئے نہیں رہتی بلکہ اس کا ظہور اس کے وجود بلکہ اس کی

ظہور حق کے بعد شکوک نہیں رہا کرتے

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۳۳)

۵ جب ذکر اذکار اپنا کام کر چکے ہیں اور طبیعت یک سو ہو جاتی ہے تو روحانی اثرات اور کیفیات مجسم ہو کر سامنے آتے ہیں۔

۷ ذاتِ بخت۔ حقیقت جامعہ (ذاتِ الہی)

۸ یہاں تک کہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔



حقیقت پر خود شاہد ہو جائے لیکن اس شغل میں میری قلبی توجیہ ہر وقت ہر آن اس کی طرف رہا کرتی تھی۔ بلکہ یوں سمجھیں کہ میری نظر فکری ہر وقت ماہیت قلب پر تھی اور قلب کی آنکھ اس کے دیدار فیض آثار کی منتظر۔ اکثر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حقیقت قلب سے ایک رشتہ نکل کر اس کی ذات کی طرف جاتا ہے لیکن دوسرے سرے کا پیوند نظر نہیں آتا۔ بعد میں ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ حقیقت جامعہ انسانی (قلب) آئینہ وار ہر وقت اس کی شعاع پذیر ہی کے لئے مقابل دکھا گیا ہے۔ اور ہر گھڑی فیوضات حاصل کرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر الہام کی حقیقت روشن ہو گئی کہ خیال و ہم و ہم ۱۴۶ ب۔ الہام میں کیا فرق ہے جس طرح خود ذات باری عز اسمہ کا ظہور دیکھنے کے بعد شک نہیں رہتا۔ اسی طرح اس تناجی (الہام) کا بالکلہ شک نہیں ہوتا۔ ہاں بعض احباب کو ضرور دھوکا لگ جاتا ہے کہ وہ الہام اور الہام میں فرق نہیں کر سکتے کیونکہ وہ توازن حقیقی کو بھول جاتے ہیں۔ اور اپنی خودی میں آجاتے ہیں۔ ان کے پاس نہ ظہور رخ کی جلوہ نمائی ہوتی ہے نہ الہام کا رشتہ درست ہوتا ہے۔ دھوکا کھانے والے بہت ہیں اور توازن کرنے والے کم ہیں۔ اس لئے مجدد بطریقہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جو الہام میزان شریعت میں پورا نہ اترے وہ مردود ہے۔

۱۴۷ الف۔ اسی موقعہ پر سیر نظری ہوئی کہ نہ وجود کا پتہ ہے نہ خیال کا پتہ ہے۔ نہ وہم کا گمان ہے بلکہ معلوم نہیں کہ کیا چیز ہے کہ اڑتی ہوئی تیز از نظر جا رہی ہے۔ یہاں نہ فوق ہے نہ تحت نہ جنوب نہ شمال۔ تاہم طیران برابر جا رہی ہے انہما نہیں کہ ٹھہر جائے۔ اس موقعہ پر یہ راز کھل جاتا ہے۔ کہ سرور کائنات مفرج موجودات جب شب معراج میں براق پر سوار ہو کر شمش جہت سے نکل گئے۔ تو کس سمت آپ کی بسر ہوئی۔ اور کہ ذات بحت بلا سمت، پھر کیونکر سیر براتی ہوئی۔

۱۴۸ ب۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ محدود کے اندر بلا جہت چلنا مشکل ہے لیکن جہاں حد نہیں جہت نہیں۔ وہاں سمت پر چلنا کیسا، جیسا کہ ہمارے تصور میں کسی فضائے غیر محدود کا تصور مشکل ہے اسی طرح غیر محدود فضا میں بلا جہت بلا سمت سیر محال معلوم ہوتی ہے۔ لیکن

خیال و ہم اور الہام میں کیا فرق ہے اور کس لئے نہیں لگتا۔ کیفیت سیر نظری کا خاکہ

معراج پر شمش جہت بلا سمت چلنے کی حقیقت

۱۔ حقیقت جامعہ انسانی۔ انسان کا قلب، حقیقت ایک آئینہ ہے جو انوار الہی کا عکس قبول کرتا ہے۔ الہام آسمانی فیصلے دل پر منکس ہوتا۔  
 ۲۔ الہام اور قربت و اہم کی تخیل میں کافرانی کا فرق یہی ہے کہ الہام کی صحت کے لئے شریعت کا پیمانہ موجود ہے اور وہم کے لئے کوئی ترازو نہیں۔  
 ۳۔ الہام بے خودی کا ایک اثر ہوتا ہے اور چونکہ بے خودی کی بات کا یقین مشکل ہے، اس لئے شریعت کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کا کھرا ہی دیکھ لینا چاہیے۔  
 ۴۔ ہماری عقل ہماری بصیرت لازماًت کی قید میں ہے خود الفاظ معانی کے لئے ایک قید ہیں جو محدود کا خیال ہمارے وہم کی گرفت سے بالاتر ہے اس لئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ کیفیات کے عالم میں الفاظ کی محسوریت ایک ایسی تنگی ہے جو معانی کو برداشت نہیں کر سکتی۔

دنیاوی انسان غیر دنیاوی کسی چیز پر کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا | ۱۴۷ ج۔ بلکہ اس کے لئے لامکاں کا تصور میں لانا محالات سے ہے اسی طرح محدود کو غیر محدود پر کسی کلیہ کا قائم کرنا محالات سے ہے۔ اور قیاس مع الفارق ہونے کی وجہ سے یہ دنیاوی انسان غیر دنیاوی کسی چیز پر کوئی حکم صحیح یا غلط قائم نہیں کر سکتا۔

سالک جب محدود سے غیر محدود میں جا پہنچتا ہے تو ناممکن ممکن ہو جاتا ہے | ۱۴۸۔ ہاں یہ امور اس وقت کھلتے ہیں کہ جب سالک محدود دنیا کے دائرہ سے نکل کر طیران کرتا ہے تو یہ تمام ناممکنات ممکنات کی صورت میں عیاں نظر آتے ہیں۔

۱۴۹۔ اس وقت طبیعت میں اتنی وسعت ہو گئی کہ اپنے رگ دریشہ میں بھی نظر دوڑتی پھرتی ہے سینہ کا تمام باطنی پہلو آنکھوں کے سامنے رکھا ہے۔ سینہ اتنا صاف ہے کہ ذرا بھی شکن (خیال) نہیں۔ جو چیز سامنے آجاتی ہے۔ اس کی حقیقی تصویر سینہ کے اندر بلا تفکر داخل ہو جاتی ہے۔ نہ مراقبہ کی ضرورت ہے نہ آنکھیں بند کرنے کی۔ بلکہ بلا اختیار بالقابل (شخص) چیز یا نفس کے اثرات تمام وجود پر طاری ہو کر اس کی حقیقت کا نمونہ خود اپنی ذات ہو بیٹھتی ہے۔ اپنے اندر کچھ نہیں محبت ہے تو عکس غیر عکس ہے تو اثر غیر کلمات نغش زبان پر آجاتے ہیں۔ تو بلا اختیار اور ذکر اختیار زبان سے نکلتا ہے تو بلا ارادہ۔

۱۵۰۔ اکثر دوست کہتے ہیں کہ مجذوب لوگ گالیاں زیادہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتے۔ کہ اس میں ان کا کیا دخل۔ جیسے لوگ ان کے سامنے جاویں گے۔ ویسا ہی وہ گلہیں گے۔ ایک منفق یا ولی کے سامنے ان کی کیا مجال کہ ایک لفظ بھی غیر شرع منہ سے نکال جائیں۔ ۱۵۱۔ یہاں پر یہ بھی سمجھ میں آگیا ہو گا۔ کہ کشف کیا چیز ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے اور کیونکر صاحب حال یا صاحب کشف باطنی امور سے باتیں کرتا ہے۔ مجھے ایک زمانہ یہ معہہ گردن دینا رہا۔ لیکن جب یہ حقیقت عیاں ہوئی تو ان معنیات پر حکم لگانے والوں کو بھی اس ذات بحت

طبیعت کی وسعت اور اس کے نتائج یعنی سالک ایک آئینہ بن جاتا ہے

مجذوب کی گالیوں کی وجہ۔ فلسفہ کشف اور اس کی حقیقت

۱۔ جب سالک کی پرواز بلند ہوتی ہے تو سفلی عالم کی تمام قیود سے اس کی روح آزاد ہو جاتی ہے۔ اور اس کی برکفیت عالم بالا کی کیفیت کا درجہ رکھتی ہے یہ حقیقت سمجھنے کے قابل ہے۔ سمجھانے کے قابل نہیں۔  
۲۔ مجذوب کا وجود ایک آئینہ بن جاتا ہے جو چیزہ مقابل آئے اس کی تصویر اُتار لے۔ مجذوب کے سامنے جیسے آدمی آئیں گے ان کا قلب ان ہی کی کیفیات قبول کرے گا۔

(بقیہ صفحہ ۲۳۷ پر)

عزائمہ و برہانہ کے سامنے ایسا پایا۔ جیسا کہ دوسرے عوام کو۔ وہ ایک دُور بینی شیشہ ہے کہ جس پر دُور کے خاکے قریب تر ہو کر دکھائی دیتے ہیں۔ اور تصویر صاف ہو جاتی ہے۔ ورنہ دراصل چیز اس سے بھی اتنی ہی دُور ہے۔ جتنی اس کے پاس بیٹھنے والوں سے یا ایک آئینہ ہے کہ جس سمت کو مقابل کیا جاتا ہے۔ اس سمت کا عکس بعینہ اس میں آ جاتا ہے۔ اور دیکھنے والے کو بالکل ہر ایک چیز قریب نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقت صاحب نظر کو حقیقی دیدہ نمائی اتنی ہی مشکل ہے جتنی کہ ایک دُور سے آئینہ میں نظر نہ ڈالنے والے کو۔

۱۵۲۔ اس حالت میں جو آدمی میرے ملنے کے لئے میرے پاس آتے تھے۔ میں ان کا رنگ قبول کر جاتا تھا۔ چنانچہ ایک بار میں لاہور حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک میرے مکرّم مقرر صاحب کی ملاقات ہو گئی۔ لیکن ملنا ہی تھا کہ خاموش زبان چلنے لگی۔ اور ایسی بے تکلی کہ الامان! وہ غائب بھی ہو گئے لیکن یہ اثر لاہور تک جاری رہا۔ حالانکہ میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے آخری مرض کی عبادت کے لئے جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے مجھے غم لاحق حال تھا۔

۱۵۳۔ اس پر یہ سوال پیدا نہ ہو کہ گاڑی میں اور لوگ بھی تھے۔ ان کا اثر کیوں طبیعت نیچے قبول نہ کیا۔ کیونکہ جس کی طرف طبیعت متوجہ نہ ہو اس کا اثر بالکلیہ خود بخود وارد حال نہیں ہوتا۔ بلکہ جس وقت طبیعت متوجہ ہوتی ہے اور متوجہ الیہ کا تمام عکس طبیعت پر منعکس اور منقطع ہو جاتا ہے اور بس۔

۱۵۴۔ ایک بار حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ضلع گجرات کے رہنے والے ایک دوست کا خیال تسانے لگا۔ ہر چند ایسے خیالات وہاں بے ادبی تھی۔ میں اس کے دفعیہ کے لئے اپنی پوری کوشش کرتا تھا۔ لیکن متواتر تین دن وہ خیال مجھ سے دور نہ ہو سکا۔ آخر سوچنے کے بعد خیال آیا۔ کہ اس کے خیال کا عکس یہ خیال ہے۔ جب وہ خیال (یا دگیری) سے

ابقیہ مہاشیہ صفحہ ۲۳۶  
 ۱۔ یہاں کس غریب سے سخن اقرب الیہ من جبل الوریث کی لطیف تفسیر بیان ہو گئی ہے۔ کہ ذات بحت کا قرب بند اپنے ہی اندر ہے۔ عوام کا احساس بیدار نہیں خواص اور مقربین کا احساس بیدار ہے۔ اسی احساس کی بیداری سے قرب محسوس ہوا ہے ورنہ وہ ذات رحیم مطلق تو اپنی رعنائیوں کے ساتھ ہر کہیں موجود ہے۔ اور اُس کے انوار ہر ذرّہ سے قریب۔

نہ ہٹے گا۔ یہ خیال مجھ سے دُور نہ ہوگا۔

۱۵۵۔ آخر دنیاوی گردشوں کی وجہ سے جب اُس کے خیال نے پلٹا دکھایا۔ تو جب سے مجھے بھی اس کے خیال نے آکر کبھی نہیں ستایا۔ سوائے اس کے کہ میں اس کی حقیقت عیاں کروں

۱۵۶۔ اگر مرشدِ کامل و مکمل ہو۔ تو اس حال پر پہنچ کر سالک نہایت جلدی اور زودی سے اپنے منازل کے طے کرنے میں ترقی کرتا ہے۔ کیونکہ پیر و مرشد کے خیال سے ہی یہ سالک پہاڑِ حبیبی بلند چوٹیوں پر جا چڑھتا ہے اور دریا حبیبی گہرائیوں میں غوطے مارنے لگتا ہے۔ اور کھوڑے دنوں میں گوہرِ مقصود کو حاصل کر لیتا ہے۔

۱۵۷۔ لیکن بدقسمتی سے اگر پیر و مرشد گمراہے جہان سے نہیں۔ تو پھر سالک کا تمام کیا کرایا اکارت جانا ہے۔ کبھی کشفِ قبور میں پڑ گئے۔ اور کبھی کشفِ عیانی میں۔ اور نہ اس بیچارے کو خود معلوم ہوتا ہے کہ مجھے اب کیا کرنا ہے اور اب میں کیا ہوں۔ جو دستِ پہلے گردِ آبِ وہمیت سے بچے تھے۔ اب اُن کا بچنا نہایت مشکل ہے۔ ہاں اس وِراطہ منظر سے نکل گئے تو پھر کامیابی ہی کامیابی ہے۔

۱۵۸۔ اس حالت میں حالتِ شہود پیدا ہو گئی۔ ہر گھڑی ہر آن بلا تفکر بلا تخیل اُسی ذاتِ حق کی جلوہ نمائی ہے۔ اور وہ راز کھل گیا۔ جو کہ ارشاد کی صورت میں حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے بایں الفاظ فرمایا تھا۔ کہ ”حضرت صاحبِ بیرل والا نے تو کبھی نہاتے وقت بھی ٹوپی نہ اتاری تھی۔“ (ملفوظ) یعنی کیفیتِ شہود اس درجہ پر تھی۔ کہ کوئی امرِ خلافِ شہود سرزد نہ ہوتا تھا۔ بلکہ جب آپ کی آنکھ غنیمت میں گم ہو جاتی تھی۔ تو بیداری پر اس خوابِ اضطرابی کو گناہِ عظیم جان کر بایں الفاظ استغفار فرمایا کرتے تھے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي يَا سَمِيكَ وَاسْمِ حَبِيبِكَ

یا اللہ اپنے نام کی طفیل اور اپنے حبیب کے نام کی طفیل میرے گناہ بخش دے۔

۱۔ طبع کی صفائی اور مرشدِ کامل سے دو چیزیں ایسی ہیں جو معرفت کے کمال کی ضمانت ہیں ذہانتِ کامل اور اُستادِ مکمل ہو تو پھر تعلیمی دشواریاں کتنی آسان ہو جاتی ہیں۔  
۲۔ گناہ جمع کمال۔ اگر سالک محنت کرے بھی لیکن شیخ کا کمال اس کی طبع کی بندی کا ساتھ نہ دے تو پھر مزید بیچارا کشف و عنسیرہ کے کھلونوں میں پھنس جاتا ہے۔

۳۔ شہود۔ حضوری۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کے تصور میں نچنگی آجانا۔

۴۔ الہی مجھے معاف فرما دے اپنے نام پاک کے صدقے اور اپنے حبیب پاک کے اسم کے صدقے۔

۱۵۹۔ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شہود بھی اس درجہ تھا کہ ہمیشہ دوزانو، ہمیشہ خائف، ہمیشہ موڈ بانہ لباس میں کیسی بھی آپ کی چوٹی تنگی نہ ہوتی۔ یہی حالت آنحضرت قدوۃ السالکین حضرت جد امجد علیہ الرحمۃ کی تھی۔

۱۶۰۔ اس حالت میں آکر میری اپنی ہی حالت ہو گئی جب کبھی غفلت وارد ہو جاتی تو زائل ہونے پر فوراً قبلہ رخ دوزانو ہو جاتا تھا میرے ننگا ہونا اتنا برا معلوم ہوتا جتنا ستر کے بغیر ہونا۔ یہی وہ مقام ہے کہ ارشاد باری عز اسمہ ہے۔ **اَلَمْ يَكُنْ بِرَبِّكَ اِنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا**۔

۱۶۱۔ ”ظہور حق“ میں عام جلوہ نمائی تھی۔ اب خاص ہے۔ وہاں بعد تھا۔ یہاں قریب ہے وہاں حقیقت حقا نیت کا ظہور ہے۔ یہاں حقیقت ربوبیت کا شہود ہے۔ ان دونوں مراتب میں بہت بعیدہ مسافت ہے اور لاکھوں تفاوت۔

۱۶۲۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہر سالک کا گذر اس مقام سے ہوتا ہے۔ لیکن شہود بطور مقام کسی صاحب قسمت کے حصہ میں آتا ہے۔ ہر ایک کو یہ درجہ نصیب کہاں؟ کہ ہمیشہ کا شہود ایسے حاصل ہو اور ہر وقت حضورِ رُتبی کے جلوے بر ملا دیکھے۔

۱۶۳۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ یہ درجہ منازل عروج کا مقام ہے اور جب تک نزول بعد العروج نہ ہو۔ سالک اپنے مقصود کو نہیں پہنچتا۔ لیکن نزول میں یہ درجہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ غلط ہے۔ بلکہ شہود اگر دائمی ہو جائے تو یہ تمام منازل سے بلند مقام ہے اور یہ اس شہود سے الگ ہے جو کہ منازل عروج کے اندر سالک کو پیش آیا تھا۔ اس لئے تفصیل کسی دوسرے مقام پر کی جائے گی۔

۱۶۴۔ اس حالت میں جب حضرت میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ایک دو بار توجہ فرمائی۔ حالت نے فوراً اپنا قدم چوٹی پر جا رکھا۔ اب کیا ہے۔ نہ

شہود بطور مقام کسی کو کم نصیب ہوتا ہے۔ اس بطور حال اکثر سالکین اس سے گزرتے ہیں۔

حالت فنا لفظ کا خاکہ

۱۔ تمہے اپنے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے بارے میں کافی نہیں کہ وہ ہر چیز پر حاضر نظر ہے۔  
۲۔ یہاں ظہور حق سے مراد حقیقی یتبیین امنہ الحق کے ظہور کا بیان ہے اور علیٰ کل شئی شہید کا مقابلہ ہے۔ کہ وہ ظہور حقا نیت کا ظہور تھا جو یقین کی جان ہے اور یہاں ربوبیت کا ظہور ہے کہ جسم و جان ہر لمحہ ہر آن اس کے فیض سے مستفیض ہے اور اس عقیدے کے یقین اور اس عمل کے یقین میں فرق ہے۔ ربوبیت مطلقہ تو ذرے ذرے میں کار فرما نظر آتی ہے۔

جوش ہے۔ نہ کیفیت ہے نہ خیال ہے نہ وہم ہے نہ ذکر ہے نہ فکر۔ گھنٹہ نہیں دو گھنٹے نہیں۔  
 پہروں بلکہ دنوں گذر جاتے ہیں۔ لیکن باوجود ہوش کے یہ معلوم نہیں کہ میں کس حال میں  
 ہوں۔ کئی بار جھنجھلا کر ذکر و فکر کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ لیکن بے سوچے۔ صبح سے دوپہر سوجھتی  
 ہے۔ اور دوپہر سے شام۔ لیکن یہ حالت بدستور قائم ہے۔ افعال کے سوا باطن بالکل کورا۔  
 نہ فعل ہے نہ افعال۔ قلب ان تمام صفات سے معرا اور پاک ہے۔ اب یہ انجذاب اس درجہ  
 پر پہنچ گیا ہے

تو دروگم شو وصال این است و بس

اس حال میں اگر شہودی کیفیت بھی گم ہو گئی۔ نہ ذکر ہے نہ ذاکر۔ نہ مذکور کا علم بلکہ  
 مذکور ہی مذکورہ گیا۔

۱۶۵۔ تاہم پریشانی تھی۔ کہ یہ کیا ہو گیا اور کیوں ہوا؟ آخری توجہ فرمائی گئی تو پھر سینہ  
 کے اندر ٹھنڈک ہی ٹھنڈک دکھائی دیتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پیر و مرشد علیہ الرحمۃ  
 کا سینہ بے کینہ پاک و صاف میرے سینہ کا غلاف ہے اور میرا سینہ اٹھا لیا گیا۔

۱۶۶۔ پہلے تو مجھے خوف ہوتا تھا کہ ذکر کے سوا خیال نہ آئے۔ لیکن ہزاروں خیالات  
 بم غفیر کی شکل میں آتے جاتے تھے۔ اور حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حسب کیفیات اشارہ  
 فرما کر ہدایت فرماتے تھے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ لیکن اب آپ عین کی طرح تمام سینہ صاف  
 ہے۔ اور نام تک کو تھوچ نہیں۔ آپ گھنٹوں مراقب رہے لیکن میری حالت میں کوئی تغیر  
 نہیں۔ نہ جوش ہے نہ بے آرامی۔ بلکہ خیال کی جنبش تک نہیں۔ آپ نے سہراٹھایا تو خوش  
 اور کچھ خلاف معمول نہ فرمایا۔

کیفیت وصال میں دوئی | ۱۶۷۔ یہ وہ حالت ہے کہ جس کے بارے ارشاد فرماتے ہیں کہ شہود کی  
 کا خیال اٹھ جاتا ہے۔ جلوہ نمائی سے جو تک پیدا ہو گیا کہ وصال ناممکن ہے۔ نہیں بلکہ

عنا تو اس ذات میں گم ہو جا بس یہی وصال ہے۔

عنا وصال کا اود کمال کا ایک نقشہ کہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھنٹوں متوجہ رہے

لیکن پہلی ہی حالت ہے کوئی تھوچ جسم و خیال میں نہیں۔

الَا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ۔ اب ساک اس کی ذات میں محاط ہو گیا۔ اور اس کی ذات احاطہ کنندہ (محیط) یہاں آکر دوئی اٹھ گئی۔ شہود میں دوئی تھی۔ اب دوئی کا علم نہیں رہا۔ گو کہ درحقیقت دوئی ہے یا نہیں علیٰ خلاف القولین۔

۱۶۸۔ غرض قوتِ انفعالیہ بھی گم ہو گئی۔ اور اسی کی ذات وحدہ لاشریک رہ گئی۔ اس حالت میں اگر گذشتہ کیفیات معدوم ہو گئیں۔ اب خیالات آتے ہیں تو آئندہ وقوع پذیر ہونے والے امور۔ بلاخیل۔ بلافکر۔ جو خیال بھی آتا ہے وہ ہو کر گذرتا ہے۔ اگر دعا اٹھتی ہے تو بلا سبب۔ اور بد دعا نکلتی ہے تو بلا وجہ۔ نہ سائل موجود ہے نہ مسئول خود بخود خیال آتا ہے۔ یہ کام ہو جائے۔ اور یہ نہ ہو وے۔ لیکن اس کے فائدہ مند اور غیر مفید ہونے سے تعلق نہیں۔ دنیا سے بے تعلق کمال درجہ پر ہو گئی۔ لیکن پھر تعلق بھی ہے کسی سے بات چیت کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن اندر ہی اندر تعلق خاش بھی ہے۔

وصل کے حال میں ساک کا خیال کائنات کا بیج ہوتا ہے ۱۶۹۔ اس وقت جس امر کے لئے اضطراب پیدا ہوا یعنی تغیر نفسی کے ساتھ تغیر عالم و اہستہ ہو جاتا ہے وہ ہو کر رہا۔ اور جس امر کے لئے توجہ نہ اٹھی، وہ اُدھور اہی رہا۔ خواہے اپنے ہاتھ پاؤں کام میں مشغول بھی ہیں۔ اپنے نفع و نقصان سے کوئی واسطہ نہیں۔ اب چند مثالیں اس کیفیت کے ظاہر کرنے کے لئے لکھتا ہوں۔

۱۷۰۔ تقریباً چھ ماہ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال سے پیشتر حضور کا خیال آئے اور دل چکا

کہ عرضیہ خدمتِ عالیہ میں لکھنوں جس کا عنوان یہ ہے

تنت بنا ز طبیباں نیاز مند مباد

سلامت ہمہ آفاق در سلامت بست

وجودنازکت آزرده گزند مباد

بہیج عارضہ شخص تو در و مند مباد

پھر کہوں کیسا باؤلہ ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہیں۔ اور تویہ لکھنا چاہتا ہے۔ لیکن آخر وہی ہوا جو دل نہ چاہتا تھا۔ اور تمام دنیا کی سلامتی جاتی رہی۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا۔ کہ اس وقت

علا خبردار بیشک وہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

علا مقام شہد میں شاہراہ مشہور ذوق میں لیکن مقام وصل میں مجرب حقیقی کی ذات کا جسم روح پر احاطہ ہے اور من تو شدم تو من شدی کا نقشہ۔

علا دوئی کے متعلق بندگوں کے دو قول ہیں۔

علا تیرا جسم خدا کرے جیوں کے ناز نہ اٹھائے۔ اور تیرے نازک وجود کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ تمام جہان کی سلامتی تیری سلامتی میں ہے۔ خدا کرے

تیرا وجود کسی عاصی سے بیمار نہ ہو۔

کیفیت وصل کا نقشہ

کیفیت وصل میں خطراتِ خیال کا راز مرقم و قدر کے عکس ہوتے ہیں۔ اسکی مثالیں درحقیقت و درکات عمدہ دیکھنے کا حقیقی کامیاب انداز

مبیاں کرم دین اور مہر نواب خان لشکر کی خدمت کرتے ہیں۔ ایک جانی اور دوسرا مالی۔ جب نہ ہوں تو گزراں کیونکر ہوگی۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ کے اندر مہر نواب خان مرحوم انتقال کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ گویا یہ خیال ایک آئینہ آنے والے واقعہ کی دھندلی تصویر تھی۔ مرحوم عابد کی وفات سے پیشتر ان کے بعد الموت کے مشکلات میرے سامنے اکثر آجانے لگے۔ ہر چند اس خیال کو دور کرتا تھا۔ لیکن دل سے نہ جاتے تھے۔ آخر وہی ہوا جو نظر آتا تھا۔

۱۶۱۔ حضرت قبلہ مرشد مروجی فداہ جب بیمار ہوئے صحت کا کبھی خیال نہ آیا۔ ہر چند احباب کو امید تھی۔ کہ آپ صحت یاب ہوں گے۔ لیکن میرے دل نے کبھی اطمینان ظاہر نہ کیا۔ بلکہ یہی خیال دامنگیر رہا۔ کہ مرکزِ خلافت کا کام کیونکر چلے گا۔ اور دل نے کبھی بھی اضطراب ظاہر نہ کیا۔ حالانکہ اس سے بڑھ کر میرے لئے کوئی مصیبت نہ تھی۔

صَبَّتْ عَلٰی مَصَابِئِ لَوْ اَنْتَہَا

صَبَّتْ عَلٰی الْاِیَّامِ صِرَتَ لِبِیَّالِیَا

۱۶۲۔ ہمارے حجام کا معصوم لڑکا جل گیا۔ جماعت نماز قائم ہونے کو تھی کہ اس سے کسی نے حالت پوچھی۔ دل میں خیال آیا۔ کہ اگر مرغ کا گوشت طلبہ کو کھلا دے تو اچھا ہو جائے گا۔ کیونکہ کیا بچہ کسی غریب مفلس کو ملے۔ تو خوش ہو کر دلی دعا دیتا ہے چنانچہ اسے کہا گیا۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ قدرتِ خدا۔ لڑکے کی حالت اچھی ہونی شروع ہو گئی۔ اور چند دن کے اندر صحت یاب ہو گیا۔

۱۶۳۔ ایک دوسرے جوان کی بیماری کسی اجنبی نے بیان کی۔ نماز پڑھتے وقت خیال آیا۔ کہ اچھا جوان تھا۔ اچھا ہو جاتا تو اچھا تھا۔ حالانکہ وہ حالتِ یاس پر پہنچ گیا تھا۔ لیکن خیال آتے ہی دل نے یہ بھی فیصلہ سنا دیا۔ کہ یہ اب مرنا نہیں۔ خیالِ صحت

۱۔ حضرت محمد عابد، قبلہ عالم (مصنف) دام غلہ کے جان نثار بھائی۔

۲۔ مجھ پر ایسے مصائب آئے اگر وہ روزِ روشن پر آتے تو وہ

شب تار بن جاتا۔



اس کی صحت کی دلیل ہے۔ چنانچہ حالت بدلتی شروع ہو گئی اور چند دن میں بالکل شفا یاب ہو گیا۔

۱۶۴۔ ان واقعات سے احباب کو پتہ لگ گیا ہو گا۔ کہ اجابت کیا چیز ہے کشف کیا چیز ہے اور ساک یا عارف کا تعلق ان امور پر کتنا ہے اور کہ ذاتِ ربی سے اُسے کیا نسبت اور کیا تعلق ہے۔

۱۶۵۔ ساک باوجودیکہ جانتا ہے کہ میرا ارادہ ازلی ہے۔ میرا خیال اُس کی ذات کا عکس ہے

میرا فعل اُس کا فعل ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی جانتا ہے کہ میں مہیج ہوں۔ میرے اختیار اور

قبضہ میں کچھ نہیں۔ میری بکسی عوام سے بڑھ کر مولائے کریم کے سامنے ہے۔ جو چڑیا اندر بول رہی

ہے۔ وہ کچھ اور ہے۔ میرے کہنے اور سمجھنے کی بات نہیں بلکہ عوام سے بڑھ کر وہ اپنے فتور

ذوالجلال سے ڈرتا ہے۔ جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرا کنارہ نہیں کیا جانا۔ وہاں اُسے یہ بھی

یقین ہے کہ میری حقیقت اُس کے دربار میں پہنچ سے بھی کم ہے۔

فَتَدَبَّرُ فِي هَذِهِ الْأَسْرَارِ

۱۶۶۔ سو نسبت کا انتہائی اتصال اُس وقت ظاہر ہوا۔ جس وقت حضور قبلہ روحی فداہ کا

وصال ہو گیا۔ تعجب یہ ہے کہ جب مرض الموت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو طبیعت

بہت گر گئی۔ بلکہ نماز کی حالت اتنی پست ہو گئی کہ عوام کا درجہ بھی اس سے زیادہ بلند ہو گا

لیکن جوں ہی آپ کا وصال ہوا تو نسبت اتنی بلند ہو گئی۔ کہ تمام مقامِ بلند بھی پست رہ

گئے۔ اب نہ فکرِ امروزہ ہے نہ غمِ فردا۔ اسی دوست مہرِ نواب خاں کے جنازہ پر جا رہا ہوں

لیکن ذرہ بھر بھی احساسِ طبیعت پر نہیں۔ کیونکہ ہستی و نیستی کا تلازمہ دل کے اندر پیوستہ ہے

بے تعلق ہے تو اتنی کہ بیگانے بھی بیگانے دکھائی دینے لگے۔ طبیعت بلند کہ دنیا زبرِ نظر آئے

جو کچھ زبان پر آتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جو کچھ دل ناپسند کرتا ہے وہی نا تمام رہتا ہے۔

عزیز کے لئے ولت۔ اور ذلیل کے لئے عزت دی جا رہی ہے۔ گاہے دشنام پر خلعت ہے۔

۱۔ کامل عارف کا فرمان متغیر و کیفیات رکھتا ہے۔ کہ ارادہ ہے قدرت اور طاقت ہے لیکن اُس کے باوجود اپنا کچھ نہیں نہ اختیار نہ طاقت نہ اُس کا استعمال۔ جو کچھ ہے اُسی ذاتِ اقدس کے اختیار میں ہے۔

۲۔ ان اسرار و رموز میں غور کیجئے۔

۳۔ حدیث قدسی ہے کہ بسندہ جب مقامِ قرب میں پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے سُنتا ہے اور مجھ سے دیکھتا ہے۔

اور گاہے سلام پر بخش۔ سیچ تو یہ ہے کہ ایک بادشاہ کی طاقت ایک گداگر کے اندر اس وقت  
موجزن ہوتی ہے۔

گدا بادشاہ است و نامش گدا

کہنے کا پتہ اس وقت معلوم ہوا۔ دنیا کی کوئی مہیب سے مہیب چیز اسے ڈرا نہیں سکتی  
اور کوئی خوفناک سے خوفناک شے اسے خوف زدہ نہیں کر سکتی۔

۱۴۷۔ اس وقت فعل اور انفعال سالک کے تصرف سے نکل جاتا ہے۔ اور یہ دونوں  
قوتیں حضرت رب العزت کے کامل تصرف میں آجاتی ہیں۔ جس میں کسی دوسرے  
کی شرکت نہیں ہوتی۔ اس حال میں آکر حدیث قدسی پی ٹیسم دبی بیصر  
و بی بیطنش کی حقیقت کھلتی ہے۔

سالک مردہ بدست زندہ کی طرح  
زیر تصرف الہیہ ہوتا ہے۔

۱۴۸۔ پہلے درجہ اتصال میں گودونوں قوتیں قلب کی ماہیت سے الگ ہو گئی تھیں۔  
اب سالک کی ذات سے بالکل معدوم اور ارادہ اذلی کے ساتھ وابستہ ہو گئیں۔

رشتہ درگرم و نم انگذہ دوست سے برود ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

۱۴۸ ب۔ اسی حالت کی غفلت گذشتہ حالت کی ہوشیاری سے ہزار گنا اچھی ہے  
کسی نے خوب کہا ہے۔ جائے گہ یاد را با نیست فراموشی را چہ کار۔ یہاں غفلت کیسی  
جب بیداری ہی نہیں۔ اور اس کیفیت کے گناہ اگلی کیفیت کی عبادات سے لاکھ گنا بہتر  
کیونکہ اس وقت فعل کی نسبت ذات سالک سے تھی اور اب فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف  
ہے۔ فعل اللہ پر کسی کو کیا اعتراض اور اس پر کسی کو کیا گنجائش۔

مذہبی کی غفلت جنتی کی ہوشیاری  
سے ہزار گنا بہتر کا فلسفہ

۱۴۹۔ اس حالت میں جب کبھی جوش اور زور آجاتا ہے تو روح میں اتنی صفائی پیدا ہو  
جاتی ہے۔ کہ مردہ بزرگوں کی رُو میں عالم بیداری میں سامنے آجاتی ہیں۔ سالک ایک قبر  
پر کھڑا ہوتا ہے۔ تو روح اپنی دنیاوی صورت میں آکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ سالک جانتا

عالم روح کی بے غماہی اور صفائی  
دل کا آخری درجہ یعنی

۱۔ ہونا اور نہ ہونا یہ دونوں ضروری ہیں۔ گناگر (دراصل) بادشاہ ہے اور اس کا نام گدا ہے۔

۲۔ مجھ سے سنتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے اور مجھ سے بچتا ہے۔

۳۔ میری گردن میں یار کی رستی ہے، جہ مردہ چاہتا ہے مجھے لے جاتا ہے۔

۴۔ مذہبی کی غفلت جنتی کی ہوشیاری سے اس لئے بہتر ہے کہ اہل فیصل کی نسبت بندے کی طرف نہیں ذات الہی کی طرف ہے، جس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۵۔ جہاں یاد کو کوئی دخل نہیں ہے وہاں بھول جانے کا کیا کام ہے۔ یعنی یاد اور فراموشی دونوں بیکار ہیں۔

ہے کہ مردہ ہے۔ روح ہے۔ لیکن ایک ایک خط و خال دیکھ رہا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حالتِ مراقبہ اور آنکھیں بند ہونے کی صورت میں یہ سب کچھ دکھائی دیتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ عین ہشیاری میں بیداری میں اپنے اقربا کی صورت دیکھ کر اشکِ محبت آنکھوں میں بھر کر آجاتے ہیں۔ پہلے مقام میں تو کہا گیا تھا۔

چشم بند و گوش بند و لب و بند  
گر نہ بینی سہِ حق بر ما بخند

یہ وہ منزل نہیں بلکہ ان کے بند کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ درگاہِ لم یزلی سے بند ہو چکے اور کثافتِ حجاب دور ہو چکے! اب جو کچھ دکھائی دیتا ہے حقیقت ہے۔ اور جو کچھ زبان پر آتا ہے اصلیت ہے۔ ۱۸۰۔ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ یہ مجاہدہ کا ثمرہ نہیں۔ یہ ریاضت کا پھل نہیں۔ یہ صرف عنایتِ قدسی ہے۔ یہ محض لطفِ ربی ہے۔ یہ اس عنایتِ سابقہ سے بڑھ کر ہے۔ جس کے ذریعے عیسیٰ سے ہستی میں آئے۔ وہ عیسیٰ و ہستی فانی تھی، یہ عیسیٰ و ہستی باقی ہے۔ اس ہستی کو فنا نہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے۔ فنا و بقا دونوں اس سے الگ

اور یہ الگ۔ یہاں پہنچ کر سارے خود مستانہ وار یہ گانے لگتا ہے  
چہ تہذیبِ اے مسلماناں کہ من خود را نمیدانم  
نہ ترسا و بہودی ام نہ گیرم نے مسلم نام

۱۸۰ ب۔ یہ تمام اوصاف اور قبو و سارے الگ کی ذات سے الگ ہو جاتے ہیں اور ذاتِ محبت کے امواج میں تھپڑے کھا رہا ہوتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ فی الخارج بھی ایسا ہو بیٹھتا ہے۔ جب دنیاوی علاقہ کی طرف رخ کرتا ہے۔ تو پھر وہ تمام اوصاف از سر نو پہن لیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی طرح پکا صوم و صلوة کا پابند ہوتا ہے۔ ذات میں وہ الگ ہے۔ اور صفات میں وہ تمام سے متحد۔

۱۸۱۔ عوام کا مقولہ ہے۔ ولی را ولی مے شناسد۔ اسی مقام پر یہ راز کھلتا ہے۔ کیونکہ ارشادِ نبوی

آنکھیں بند کر لے کان بند کر لے اور زبان بھی بند کر لے۔ اس پر بھی تو اللہ کا بھید نہ پاسکے تو ہم پر ہنس دینا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت فرمائے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل و کرم والا ہے۔

یہ مقصدِ پیشکشِ ذات یہ ہے کہ انسان ملاقبۃ الہی کا مقام حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کا دعاء حاصل کرے۔ دماغ میں اپنی ہستی گم ہوگئی بیشک عیسیٰ ہے لیکن جس ذات کے ساتھ قائم ہے وہ باقی ہے اس لئے اس کی فنا بھی فی الحقیقت بقا ہے۔

۱۸۱۔ مسلمانوں کوئی تدبیر بتلاؤ میں تو اپنے آپ کو بھول گیا ہوں۔ نہ عیسائی ہوں اور نہ یہودی ہوں۔ نہ آتش پرست ہوں اور نہ ہی مسلمان ہوں۔

ہے۔ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ۔ اگرچہ ابتدا میں یہ صحیح اندازہ نہیں کر سکتا کہ کس درجہ کا ولی ہے لیکن شناسائی ایسی تیز ہوتی ہے۔ جیسے کوئی اپنے باپ بھائی کو دیکھنے پر فوراً پہچان لیتا ہے۔ کسی تامل کی ضرورت نہیں۔

۱۸۲۔ میں نے اس مقام کو زیادہ واضح صرف اس غرض سے کیا کہ بہت سے لوگوں کو اس مقام کا دھوکا لگ جاتا ہے۔ اور کسی پہلے مقام پر پہنچ کر اپنے آپ کو غفرتی خیال کر کے اپنی ریاضت چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور اس پھل سے بھی بدمزہ ہو کر خلق اللہ کی نفرت کا باعث ہوتے ہیں۔ جو نصف خام حالت میں اپنے مرتبی درخت سے الگ ہو کر بازار میں بکھنے جاتا ہے۔ اور بچوں کے سوا اس کا کوئی خریدار نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بھی چکھنے کے بعد تھوک دیتے ہیں۔ یا اس خیال سے کہ خرید ہے بدمزگی سے کھاتے ہیں۔ لیکن پیٹ میں جا کر پھر اپنا بد اثر شروع کر دیتا ہے۔ جس پر ایک زبردست مسہل کی ضرورت ہے۔

۱۸۲۔ حالانکہ جس مقام کے عوارض میں نے لکھے یہ کوئی بلند مقام نہیں بلکہ اولیاء اللہ کا پہلا قدم بھی نہیں۔ یہ صرف ایک استعداد ہے۔ جو اس منصب عالی کے حصول کے لئے ضروری تھی۔ کوئی آدمی تحصیلداری کے امتحان سے کامیاب امیدوار کو تحصیل دار نہیں کہتا۔ جب تک کہ وہ اپنی لیاقت سے اپنی کارگزاری سے، حکومت اور اس کے ارکان کو خوش کر کے منصب تحصیلداری مال نہیں کرتا، اس وقت تک وہ تحصیلدار نہیں کہلاتا۔

۱۸۳۔ سلوک مروجہ کے تمام ہونے پر کوئی ولی اللہ نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس امیدوار کی طرح جو اپنے ایک منصب کی ذمہ داری کی قابلیت اور استعداد پیدا کر کے امیدوار کہلاتا ہے۔ اور پھر کبھی رفاہ عام یا حکام وقت یا خدمت حکومت کے ذریعہ کسی منصب کے زمرہ امیدواران میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح سلوک کے تمام کرنے کے بعد خلق اللہ کی خدمت۔ اولیاء اللہ کی مہربانی (پیر و مرشد کی عنایت) یا اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کی عبادت بے بدیا کی

ما حدیث یہ ہے اَلتَّقْوَانُ مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ اِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ۔ مومن کہہ انانی سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ بعض لوگ ہمدوست کی مشقیں کر کے اور بعض سالک صحیح طریقہ پر عمل کر مقام وصل میں عبادات فرض سے بھی الگ ہو بیٹھتے ہیں جس سے بشریت کے لباس میں بھیجے جانے کا تقاضا ختم ہو جاتا ہے اور نشاء الہی اور نشاء رسالت کے خلاف عمل ہوتا ہے اور یہ ہر امر نقصان ہے۔ غلط فائدہ کا بعد ولایت کو سمجھانا ہی مقصود اور اصل کام ہے اور منصب نبوت کی طرح منصب ولایت کو دنیا کے لئے رحمت بنانا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو کمال کا درجہ ابھی نہیں پایا۔

بدولت ولی کا منصب عنایت ہونا ہے لیکن یہ کب۔ اس وقت جبکہ قبولیت کی خلعت سے سرفرازی ہوگی۔ ورنہ اس امتحان پاس کردہ کی طرح بیکار رہیگا جو اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے اپنے گھمنڈ میں اگر نہ حکومت کو خوش کرنے کی تدبیر کرتا ہے۔ نہ افسران حکومت سے میل جول کرتا ہے۔ نہ عام رعایا کی خدمت سے حکومت کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔ تو یہ اپنا ٹیفکیٹ، اپنی استعداد اور اپنی قابلیت لئے پھرے۔ اسے کون جانتا ہے۔

۱۸۴۔ ولی اللہ کا درجہ ایک بلند درجہ ہے اس کے نیچے کئی درجے ہیں۔ سالک کو پہلے پہلے وہ مدارج طے کرنے پڑتے ہیں۔ جن کا تقرر بارگاہ الہی سے ہوتا ہے مثلاً اتقا، اتباع، التجا، خدمت علم، خدمت شریعت، محبت خلق، محبت خالق وغیرہ وغیرہ یہ اسباب منازل قرب کو طے کراتے ہوئے خلعت قبولیت سے سرفرازی دلاتے ہیں۔

۱۸۵۔ اگرچہ تحصیلداری کے امیدوار کی علمی جدوجہد عملی پیمائش۔ تمام کا تعلق عمل سے ہے لیکن موجودہ منصب عمل پر آنے کے بعد پہلی تمام علمی و عملی جدوجہد کو علمی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت ذمہ داری منصب نہیں لیکن موجودہ منصب پر کامیاب ہونے پر تمام کارروائی عملی تصور ہوگی کیونکہ ذمہ داری لازم ہے اسی طرح سلوک بنامہ اگرچہ عملی پہلوئے ہوا تھا۔ لیکن منصب ولایت کی ذمہ داری نہ ہونے کی وجہ سے علمی کہلائے گا۔ اور منصب کے بعد جو سلوک کے منازل طے ہوں گے۔ یہ عملی اور تدریجی ترقی منصب کا باعث ہوں گے۔

مثلاً کیفیات قبل اللوایت و بعد اللوایت گو کہتے ہیں ۱۸۶۔ یہاں آکر یہ راز بھی کھل گیا ہوگا کہ پہلے سلوک کی مشاہدہ اور طے جلتے ہوں لیکن بعد شرفین کا فاصلہ رکھتے ہیں [ اس عملی مشاہدہ میں کتنا فرق ہے۔ اکثر احباب بڑے بڑے اولیا کو منازل سلوک کے طے کرتے وقت اپنے برابر جانتے ہیں حالانکہ یہ ایک صریح غلطی ہے۔ وہ شہود اور یہ شہود اور۔ وہ وصال اور یہ وصال اور۔ دونوں میں بعد المشرقین سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ وہ علمی شہود تھا یہ عملی شہود۔ وہ علمی وصال تھا۔ یہ عملی وصال۔ وہ رائل اور یہ وائل ]

۱۔ ولایت کا مقام مجروح ہے ان نفسی اور عملی قوتوں کے اس اجتماع کا جس کو وحی اور الہام کے ذریعے انسانیت کی فلاح کے لئے نازل فرمایا گیا۔ مثلاً تقویٰ، اخلاص، اتباع، التجا (تفریح و ذاری) خدمت علم، خدمت شریعت، محبت خلق، محبت خالق وغیرہ جب یہ مقامات الگ الگ حاصل ہوں تو ولایت کا فرد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور پیر مرشد کی عنایت سے حاصل ہو جاتا ہے۔

۲۔ اولیا اللہ جو سنہار شاد پرستھے اور مقبولیت کی چادر اورھی اور فیض عام کا سرچشمہ بنے ان کی ولایت کو دوام مل گیا۔ اگر کوئی سالک طالب کسی مجاہدہ یا مشاہدہ سے اپنے تئیں ان کے برابر سمجھنے لگے تو ایک سخت قسم کا نفسی مغالطہ ہوگا۔

۱۸۷۔ الغرض جس طرح سالک پہلے درجہ ساوک سے انتہائی سلوک کی طرف فضلِ ربی اور عنایتِ مختصہ سے ترقی کرنا لگتا تھا۔ اب اسی طرح اس منصبی (عملی) ترقی کے لئے عنایتِ لم یزلیہ شرط ہے۔ ورنہ سب کچھ بے سود ہے۔

۱۸۸۔ نقشبندی طریقہ اور سلسلہ میں زیادہ زور اور توجہ قوتِ انفعال (مراقبہ) پر ہے۔ اس لئے لوازماتِ انفعال (کشف بے کیفی۔ بیخودی) کو بہت ترقی ہو جاتی ہے۔ بخلاف چشتی اور قادری سلاسل کے کہ ان میں قوتِ فعل (ذکر اذکار) پر زیادہ قوت صرف کی جاتی ہے جس کے اثرات جوش اور عشق ہیں اور قلب میں حرارت پیدا ہو کر اپنے تمام ماحول کو سوز میں لے لیتی ہے۔

رجوعِ خلقت کا سبب جوشِ عشق | ۱۸۹ الف۔ اکثر عوام نقشبندیہ صوفی کہتے سنے گئے کہ چشتی سلوک تو نہیں ہوتا ہے نہ کہ بے خودی و بے کیفی جانتے۔ البتہ ایسے اور اڑ پڑھتے ہیں کہ خلقت کا رجوع زیادہ ہوتا ہے ورنہ تصوف سے انہیں کوئی واسطہ نہیں مگر یہ غلط ہے جو بھی قوت کو جوش دیکھا۔ اسی کا اثر سوز و ساز ہوگا اور جہاں سوز و ساز پیدا ہوگا۔ وہاں خلقِ خدا کی کیا کمی۔

۱۸۹ ب۔ حضرت قبلہ روحی فداہ کتنے بڑے پایہ کے نقشبندی تھے کہ اُف یا آہ بھی کسی سے سننا پسند نہ فرماتے چہ جائیکہ ذکرِ جہر پسند کرتے۔ بلکہ ہمیشہ فرماتے تھے۔ کہ وقوفِ قلبی (ذکر قلبی) تمام اذکار کا نعم البدل ہے۔ لیکن جوش۔ سوز و ساز کتنا رکھتے تھے۔ خلقِ اللہ کا رجوع کتنا تھا جو کسی چشتی کو فی زمانہ حاصل نہ تھا۔ اس کی وجہ صرف قوتِ فعلی کا جذبہ اندرونی تھا اور ساتھ قوتِ انفعالی کی طاقت آپ کے مُنہ سے وہ کچھ کہلاتی۔ جو ایک بشر کی طاقت سے باہر ہوتا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ چشتیہ خاندانوں میں قوتِ انفعالی پر وقت کم خرچ کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے وہ قوتِ انفعالی کے اثرات (کشف نیستی بے کیفی) سے کم متاثر ہوتے ہیں۔

۱۹۰۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ اپنی ان قوتوں (فعل و انفعال) کو ہمیشہ برابر کی تربیت دے تاکہ کسی حصہ نہ ہوں۔ کامیابی و لایت مشکل ہوتی ہے۔

۱۔ نقشبندیہ کے کشف بے خودی کی وجہ قوتِ انفعال کی بیداری ہے۔ اور چشتیہ یہ عقائد یہ کہ سوز و ساز اور محبت کی وجہ قوتِ فعل کی بیداری۔

۲۔ بعض نقشبندیہ کا اعتراض چشتیہ حضرات پر صیح نہیں کہ وہ فقر نہیں جانتے۔ فقر جانتے ہیں لیکن سوز و ساز کی قوت پر زیادہ زور دینے کی وجہ سے خلقت کا رجوع ہوتا ہے نہ کسی اور عمل کی وجہ سے۔

۳۔ نقشبندیہ کا یہ غلام ہے کہ جو کچھ ہودل میں ہوا ظاہر کسی صورت میں نہ ہو۔

۴۔ تربیت خواہ کسی ہوناقِ طبیعت اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا۔ خلقِ اللہ کا رجوع چشتی سوز و ساز کا نتیجہ ہے اور نقشبندی سلسلے میں سالک کی طبیعت جو ہر دکھاتی ہے۔

میں کمی نہ آئے اور دورِ رخہ ترقی ہو۔

۱۹۱۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی ایک قوت کم ہوگی تو کامیابی مشکل ہوتی ہے۔ اکثر صالحین کو دیکھا ہوگا کہ ذکر و اذکار عبادت و اطاعت میں کمی نہیں رکھتے لیکن دوسرا قدم نہیں اٹھا سکتے اور برکت و ولایت سے محروم رہتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جن کے اندر قوتِ فعل نہ ہو بلکہ سرسراہٹِ انفعال ہو۔ وہ بھی ولایت کے درجے سے محروم رہتے ہیں۔ اگرچہ کشفِ عیانی اور وجدانی قبوری اور صدوری کے خواص کیوں نہ ہوں۔

۱۹۲۔ اس تفصیل کے بعد پھر میں ذکر میں جاتا ہوں کہ جہاں سلوک کے منازل ظاہر میں ترقی پر ہوتے جاتے ہیں اسی طرح عالمِ رویا کی حالت بھی سالک کی بدلتی جاتی ہے جو خواب بھی سالک کو آئیں گے، بے معنی نہ ہوں گے بلکہ سلوک میں ترقی کے یہ خواب نشانات کہلائیں گے۔ ایک خواب کا ذکر آیا۔ دو ایک اور نمونہ کے طور پر لکھتا ہوں۔

۱۹۳۔ اکثر عالمِ رویا میں پیرو مرشد علیہ الرحمۃ نظر آئے اور حیب کبھی اثر پیدا کرتی ہے جو ظاہری زیارت کرتی ہے عالمِ رویا میں دکھائی دیتے۔ ایک مدت تک لطافت پر بھاری اثر رہتا۔ گاہے گاہے ارشاد بھی کچھ فرماتے جس کا اثر طبیعت پر کافی ہوتا۔ یہ روحانی زیارت جسمانی زیارت سے کچھ ہی کم ہوتی تھی۔

۱۹۴۔ ایک بار دیکھا کہ کتے کے منہ میں پیشاب کر رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ نفس اپنے نفس کا دیکھنا ہے کی ذلت پر وال ہے۔

۱۹۵۔ کئی بار دیکھا کہ جوتے گم ہو گئے۔ پاؤں سے ننگا پھرتا ہوں۔ جس کی ابتدا میں تو کچھ اور تعبیر کیا کرتا تھا۔ لیکن آخر میں بے تعلقی اور طہارت کی تعبیر معلوم ہوئی۔ اور تمام جسم کا برہنہ دیکھنا کامل بے تعلقی ہے۔ ۱۹۵ب۔ ایک دوبار یہ بھی دیکھا۔ تمام بدن برہنہ ہے۔ یہ بھی آخری

۱۔ ولایت کے حصول کے لئے ذکر و اذکار عبادت و مجاہدات اور اثر پذیری برابر کی ہو ولایت کے منسوب پر دنیا میں رہنے کے جن کی قوتِ فعل (اذکار و اعمال) اور قوتِ انفعال (ملاقات) برابر کے ہوں گے۔

۲۔ پیرو مرشد کی زیارت خواہ ظاہر ہو خواہ باطن میں (رویاء میں) لطافت پر بہت ہی اثر رکھتی ہے۔

منزل کی خواب ہے اور پوری بے تعلقی کی دلیل ہے۔

جماعت میں سے امام کا گم پانا اپنے ۱۹۵۱ ج۔ حضرت قبلہ مرحوم و معذور کی بیماری سے پیشتر دیکھا کہ کسی جگہ پیشتر کے گم ہونے کا نشان ہے۔ ایک عمدہ مسجد ویرانہ میں ہے اور خلقت کثیر جمع ہے۔ لیکن امام نڈار حضرت حاجی صاحب نے مجھے فرمایا کہ کسی کو کہو کہ اذان کہے۔ چنانچہ میں نے ایک پشتی مؤذن کو جو ہمارے ہاں اکثر آیا کرتا تھا۔ اذان کے لئے کہا۔ لیکن اس نے بلند آواز سے اذان نہ کہی۔ پھر نماز ادا ہوئی لیکن امام کا پتہ نہیں۔ یہ گویا آپ کی رحلت کا نشان تھا۔

تنگے سر دیکھنا اپنا سایہ عاطفت کھونا ہے ۱۹۵۱-۵۔ میں نے وفات کے دن دیکھا کہ پگڑی سر پر نہیں۔ اور تنگے سر بیٹھا ہوں۔ گویا آپ ہمارے سر کے سایہ تھے جو اٹھائے گئے۔

مرشد کو بیماری کی حالت میں دیکھنا ۱۹۵۱-۸۔ آپ کے وصال کے بعد جب طبیعت مدہم پڑ گئی۔ تو اپنی نسبت کا کزور نقشہ ہوتا ہے۔ آپ کو خواب میں دیکھا کہ بیسار ہیں۔ اور بیریل کی مسجد کے اندر چار پائی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ قیاس کیا کہ یہ نسبت کی کمزوری کی دلیل ہے۔ ایسے خواب کئی بار آئے۔ اور یہی تعبیر معلوم ہوئی۔

تمام شد، ذکر نتائج

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۵۹)

عنا خواب اور اس کی تعبیر فقر کا ایک جتہ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے الگ الگ خواب دریافت فرماتے۔  
ساک کی صفائی قلب اور تعلق باللہ کی وجہ سے اس کی بیداری اور خواب دونوں میں انکشافات ہوتے ہیں اور ساک کے خواب کی تعبیر خواجگے بالکل قریب ہوتی ہے۔



## خلافت

۱۹۶- سلوک کا اجمالی ذکر تو ہو چکا ہے اور اس سے آگے قدم نکالنا ناجائز نہیں تو مناسبت بھی نہیں تاہم اگر کچھ نہ لکھا جائے۔ تو کتاب کا یہ حصہ کمی سے خالی نہ ہوگا۔ اور ناظرین اس مقام پر پہنچ کر حیرت میں ہو جائیں گے۔ اس لئے مختصر کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

خلافت الہام اور مصلحت شیخ پر منحصر ہے | ۱۹۷- پہلے گزر چکا ہے کہ خلافت اور اجازت شیخ کی مصلحت اور الفائے الہی کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ سالک کی نسبت پر شیخ پوری پوری نظر رکھتے ہوئے اُسے مجاز گردانتا ہے۔ گو اس وقت دیگر سالکین بھی اسی درجہ کی نسبت الہیہ رکھتے ہوں۔ لیکن ع

خاص کند بندہ مصلحت عام را، کا معاملہ ہے۔

متقدمین سالک کو قبولیت کے درجہ پر خلافت عنایت فرماتے! اور متاخرین صرف نسبت پر اکتفا کرتے ہیں | ۱۹۸- متقدمین بزرگ اور شیوخ اپنے سالکین کو اُس وقت مجاز اور خلیفہ گردانتے تھے جبکہ وہ سلوک

انتہائی درجہ "نزول بعد العروج" کی حد تک پہنچا کر کئی سال اپنی نسبت خلوت و جلوت میں صفا اور بلند کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ خلعت قبولیت بارگاہ الہیہ سے ان کو نصیب ہو جاتی تھی بخلاف متاخرین کے کہ یہ بزرگ زمانے کی رفتار اور طبیعتوں کی زود پسندی اور عمروں کی قلت پر نظر رکھتے ہوئے کوئی سالک اگر کیفیت اور نسبت میں بلند نظر آجاتا ہے۔ تو عنایت جان کر اُسے منصب خلافت پر سرفرازی بخشتے ہیں۔

متقدمین بزرگوں کے خلفا کا حال گم نہیں ہوا۔ | ۱۹۹- متقدمین بزرگوں میں سے بھی بعض نے صرف ذکر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَائِرِ الْاَوْلِیَّیْنَ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اَبْنِ اَبی حٰذِرٍ

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کسی ایک خاص بندے کو عمومی مصلحت کے لئے خاص فرمادیتا ہے۔  
علافا کے بعد بقا یعنی پہلے سالک اپنے آپ کو انضالی قوتوں کے استعمال سے جلوہ دے الہی کے قبول کا اہل بنائے پھر مخلوق کے قریب ہو کر ان جلوہ دے الہی کی عکس بینی سے لوگوں کو مستفیض کرے۔

علا آخری زمانہ ہے سعادت مندیاں کم ہو رہی ہیں۔ بلند ہمت لوگوں کی کمی ہے۔ اگر کوئی سادہ تندر و ج اپنے مولا کے جلو سے حاصل کرے تو وہ عینی نورانیت بھی پھیلائے پھیلائے۔ یہی اس کی تکمیل ہے اور یہی قابلیت کی وہ حد ہے جو خلافت کا اسے مستحق بناتی ہے۔

کے جاری و ساری ہونے پر خلافتیں عنایت فرمائیں۔ لیکن کسی مجاز کا حال کم نہیں ہوا۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ ان کی نظر انہما کو دیکھ پاتی۔ اور اپنی نسبت بلند سے دیکھ پاتے کہ انجام بلند ہے اور کہ سالک کی استعداد بلند ہے اور کہ اپنی نسبت بلند ہے۔

کمی و زیادتی خلفا کا نتیجہ | ۲۰۰۔ جہاں متقدمین بزرگ مجاز بہت کم گروانتے تھے۔ متاخرین بہت گروانتے ہیں۔ جتنے کم تھے۔ اتنے بلند تھے۔ جتنے زیادہ ہوئے اتنے پست۔ مشہور ہے شیر کا ایک بچہ ہوتا ہے

۲۰۱۔ ہمارے حضرت قبلہ و کعبہ کوئی معمولی شیخ نہ تھے بلکہ کامل عارف تھے۔ اور وقت کے تمام اولیا آپ کا سکھ مان چکے بلکہ ساری دنیا نے ان کو شہ نشین عرفان تسلیم کیا۔ ایسی حالت میں جو کچھ وہ کر گئے یا فرما گئے وہ عین اتمام الہیہ کی ترجمانی ہے۔ اور اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے آپ کے خلفائے نامدار دیگر شیوخ کے خلفائے بالکلیہ ممتاز ہیں۔ اور اپنی مشغولی میں سرگرم رفتار ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جبکہ وہ منصب ولایت و عرفان کی بلند مسند پر تشریف فرما ہوں۔

۲۰۲۔ حقیقی جانشین اور سب کے اعلیٰ مجاز اور صاحب خلافت وہ ہے۔ جو استعداد نسبتی بلند رکھتے ہوئے اپنے شیخ کے جذبات کا ملہ سے بھر پور ہو۔ اور ہو اپنے شیخ کی نظیر ہو۔ کیا ظاہر اگیا باطناً۔ دوسرے درجہ پر پھر وہ بلند استعداد ہے کہ گویا ہری تشابہ نو کم ہو۔ لیکن باطنی مشابہت میں اپنے شیخ سے زیادہ مماثل ہو۔ اور تیسرے درجہ پر وہ بلند فطرت ہے کہ باطنی تشابہ تو بہت کم ہو۔ لیکن شیخ کی ظاہری مشابہت میں ہر فرق نہ آنے دے۔ بلکہ ظاہر اپنے شیخ سے یکساں نظر آئے۔ اور اپنے شیخ کی ہر حرکت اور ہر ادا اپنے لئے راہ ہدایت جانے۔

۲۰۳۔ اگر کوئی مجاز بد قسمت ان تینوں اقسام سے نکل جائے۔ تو وہ بد بخت نہ دین کا ہے نہ دنیا کا۔ نہ اس سے کسی کو فائدہ اور نہ کسی کو اس سے فیض، وہ اپنے اجازت نامہ کو پھاڑ کر اپنی قسمت کو دوتا رہے اور بس +

۲۰۴۔ اپنا حال یہ ہے۔ کبھی تو خیال تھا کہ دنیا کو مسلمان کریں گے۔ اور اب خیال ہے کہ خود مسلمان ہو کر

- ۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ مسلمان کو اپنی خلافت کے لئے چن لیں۔
- ۲۔ خلافت و اجازت کے حصول کے بعد مقبولیت عام نصیب ہوتی ہے۔ یہ ایک پیشگوئی ہے۔ جو حضرت قبلہ عالم غزالی کے قلم و زبان سے نکلی اور دنیا نے دیکھا کہ شریعتی نسبت نے کیا کیا چمن ہائے فقر و عرفان لگائے۔
- ۳۔ مماثل۔ مشابہت رکھنے والا۔

کسی طرح خلاصی پائیں۔ نہ وہ ذوق نہ وہ شوق۔ نہ وہ کیفیات مجہول اور نہ وہ جذبات قوی۔ یار لوگ پار نکل گئے۔ اور ہم اسی کنارے بیٹھے دو رہے ہیں۔ کسی نے کیا خوب ہمارا نقشہ دکھایا ہے۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم درد یوان عشق

اور بصر رفت مادر کو چہ یار سوا شدیم

۲۰۵۔ اصل میں سالک اگر سلوک کے انتہائی نقطہ پر پہنچ کر نزولِ تدریجی کرے اور اپنے کیفیات اور نسبت کو لیتے ہوئے آہستہ نیچے اترے تو پھر کامیاب ہے لیکن اگر تدریجی نزول کی بجائے رحبتِ قہقری (اٹھے پاؤں پھرنا) ہو جائے اور یکدم نسبت کو گم کرنے والے موافعات پیش آجائیں تو پھر سالک کی ترقی تو کجا پستی سے بھی ایک قدم نیچے جا گرتا ہے! اور بعینہٴ شَرَدَدَ ذُنَاہُ اَسْفَلَ سَا فِلِیْتِ۔  
دپہر ہم نے اُسے سب سے نیچے گرا دیا، کا نمونہ ہو جاتا ہے۔

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند

دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

یہ حالت بعینہٴ میری ہوئی۔ اب فضل کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس پر بھی مزید شکر کا مقام ہے کہ اللہ جل شانہ نے صفتِ توازن سے ممتاز فرمایا اور ان لوگوں سے نہیں کیا، جو سب کچھ گم کرنے کے بعد بھی اپنی ہستی کو پہلے کی مانند کمالات سے بھر پور دیکھتے ہیں۔

۲۰۶۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں فَالْتَمَّہَا فِجُورَہَا وَتَقْوَايَہَا (پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دونوں باتیں) اس کو سمجھا دیں) یہ انسانی معیار ہر ایک آدمی کے اندر لگا دیا گیا ہے تاکہ نیک و بد اور حسن و قبح کی تمیز کر کے یہ اپنا راستہ بنائے۔ لیکن آج لاکھوں سے ایک انسان ایسا نہیں ملتا۔ جو ہر وقت اور ہر گھڑی اپنے معیار کو جانچتا رہے اور صفتِ توازن سے اپنے آپ کو موصوف رکھے۔  
۲۰۷۔ سالکین راہ سلوک تو ایک قدم اس کے بغیر چل نہیں سکتے۔ ولی باوجود اپنی ولایت کے تمام اپنی نظر اسی معیار پر رکھتے ہیں کہ کس حالت میں چل رہے ہیں اور کس حالت میں کمی بیشی ہو رہی ہے۔

۱۔ ہم اور مجنوں عشق کی کتاب میں ہم سبق تھے وہ تو دیوانگی میں جنگل کو چل دیا اور ہم انہی گلیوں میں پھرتے رہے۔

۲۔ بلند ہستی کی بھی کوئی حد ہے۔ سید العارفین قطب نامہ اور محبوب الہی ہدایت مجسم وہ جس کو دیکھ کر تھر تھر چڑھیں اپنی کمر لٹسی سے یہ کہہ رہے ہیں (در اصل تصوف کا خاکہ بتانا ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے)۔



کی خدمت میں ارادت و بیعت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے دیگر شیوخ کی طرف  
 قوسہ دلائی۔ حضرت غریب نواز نے عرض کی کہ میری عقیدت آپ سے ہی ہے۔ اس پر آپ نے  
 بیعت فرمایا۔ اور آٹھ پہر کا شغل بھی ارشاد فرمایا۔ حضرت غریب نواز اپنے شغل میں لگ گئے۔  
 دن بھی گیا اور رات بھی گزری۔ پھر دن بھی ہوا۔ لیکن وہ اپنے شغل میں بدستور مشغول رہے  
 جب وقت معینہ ختم ہوا تو پیر و مرشد نے دریافت کیا۔ سب کچھ عرض کیا۔ پیر و مرشد نے فرمایا۔  
 بس ہمارے طریقہ میں ایک دن اور ایک رات ہی مشکل ہے۔ سو پوری ہو چکی۔ اس سے آگے  
 ہمارے ہاں کوئی مجاہدہ نہیں۔ اپنی انگلیوں کا حلقہ بنا کر آسمان کی طرف کیا۔ اور حضرت غریب  
 نواز کو فرمایا۔ اس میں سے دیکھو۔ دیکھا تو نظر عرش معنی تک پہنچ گئی۔ پھر فرمایا آنکھ بند کر دو۔ اور پھر  
 اپنی انگلیوں کا حلقہ نیچے زمین کی طرف دکھا کر فرمایا کہ کیا نظر آتا ہے؟ عرض کیا کہ تخت الشرف  
 تک نظر دوڑ گئی۔ فرمایا۔ بس اتنا کافی ہے۔ اور کلاہِ خلافت عنایت کر کے فرمایا۔ خواہ گھر  
 چلے جاؤ۔ خواہ ہمارے ساتھ رہو۔ حضرت غریب نواز نے آپ کے ہمراہ رہنے کی اجازت پا کر  
 بصد شکر عرض کیا کہ آپ کے ہمراہ رہوں گا۔ چنانچہ بیس سال کا عرسہ آپ اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ  
 سفر و حضر میں رہے اور اپنی نسبت کو بلند اور صاف فرماتے رہے۔ اس عرسے میں حضرت  
 قلب الدین رحمۃ اللہ علیہ آپ کے مرید ہوئے اور مجاز بھی۔ لیکن لطف یہ ہے کہ تینوں پیر و مرشد  
 اسی خیال نسبت کے پختہ اور لطیف کرنے کے لئے کھٹے سینکڑوں میلوں کا سفر کرتے رہے۔  
 اور کسی نے اپنی نسبت کے اتمام پر اطمینان نہ فرمایا۔ کیا آج اس کی کوئی مثال مل سکتی ہے کہ  
 ذاتی بلند استعداد کے آدمی۔ اتنے مجاہدات اور سفر حصول نسبت کے بعد کر سکتے ہیں۔ غرض  
 اگلے لوگ ہی اس نعمت کی قدر کر جانتے تھے اور اپنی جان تک اس کی حفاظت کے لئے نثار  
 کر دیتے تھے۔ اور اس کے تیز روشن اور قوی کرنے میں اپنی تمام عمر صرف فرما دیتے۔ تھے خواہ  
 رشد و ارشاد میں کچھ ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ اپنی فکر اسی میں تھی اور اپنا مصلح نظر ہی رہتا۔

۱) حاشیہ رقم ۲۶۴) ۱) ساتھ ہی کا ہر حق نسبت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔ نیک خواہ جسمانی مرغواہ روحانی۔ اس شمع کے لئے جان۔ ثواب نسبت کے قیام کے لئے  
 تمام مثبت اسباب کی فراہمی ضروری ہے۔ ورنہ ظروہی خطرہ ہے اور تمام منہی اسباب سے نفرت اور دوری از بس لازم۔ ورنہ یہ شمع قائم نہ رہے گی۔

۲) دیکھو تو اتنے کافرق کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

۳) حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جیسی ذات بابرکات کو بھی اپنی نسبت بلند اور صاف کرنے کے لئے اپنے پیر و مرشد کی صحبت میں رہنے کی ضرورت  
 تھی تو ماد شام کیسے اس کی اہمیت سے الگ ہو سکتے ہیں۔

۲۱۱۔ نسبت قوی اور ضعیف کا اندازہ دیا کی تو سے ایک براق بجلی کے ایک ہزار بتی والے  
 بلب کی روشنی، صفائی اور تیزی سے کر سکتے ہیں۔ اسی طرح ایک دیا کی تو اور بجلی کی ایک  
 ہزار ایک لیکن تیز روشنی سے بھی مقابلہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔ کہ کتنا فرق ضعف اور قوت میں  
 پیدا کر سکتا ہے اور کیا دونوں روشنیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ اور ان سے ایک جیسا فائدہ  
 اٹھایا جاتا ہے کہاں ایک دیا جو اپنے گھر کے کونے بھی اندھیرے سے پاک نہیں کرتا۔ اور کہاں  
 بجلی کا ایک ہزار بتی کا فانوس جو کوسوں تک دور اپنی روشنی نہایت صفائی سے پھیلاتا ہے۔  
 بعینہ یہی انداز نسبت کا ہے۔ ایک ہے کہ اپنے گھر کے لئے بھی کافی نہیں اور ایک ہے کہ  
 ہزاروں میل تک دنیا کے ظلماتی نفوس کو روشن کر رہی ہے۔ یہی آخری روشنی اور نسبت  
 ہے جس سے رشد و ارشاد کا دم تازہ اور جس پر تمام رشد و ارشاد کا کارخانہ چلتا ہے۔

۲۱۲۔ رشد و ارشاد کا تمام مدار اور مرکز نسبت قویہ پر ہے لیکن تب تک ہما جب ارشاد  
 کے اندر ضبط و انضباط کامل نہ ہو۔ اُس وقت تک رشد و ارشاد میں پوری کامیابی نہیں  
 ہوتی۔ بلکہ ایک گونہ کارخانہ رشد و ارشاد چلتا ہی نہیں۔ جو بزرگ مقام و صل میں بلند ہوتے  
 اور مقام شہور میں سے کم حفظ پاتے ہیں۔ نہ وہ اپنے آپ کو کسی ضابطہ کے ماتحت چلا سکتے  
 ہیں۔ اور نہ اپنے متوسلین کو کیونکہ مقام و صل اُن کو بے چون و بے چگون کیفیت سے ہر  
 وقت متلون رکھتا ہے اور ایک رنگ کے بعد دوسرا رنگ پیدا ہوتا رہتا ہے بخلاف اُن  
 اولیاء کے جو مقام و صل کے بعد مقام شہور میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی طبیعت ضبط و انضباط  
 میں کامل ہوتی ہے اور آداب ظاہر و باطنیہ سے پورے آراستہ ہوتے ہیں اور مقام شہور  
 کا تکیا اُن کو دائرہ ضبط میں قائم رکھتی ہے۔ خود اور اپنے منسلکین کو ہمیشہ قواعد و انضباط  
 کے ماتحت رکھتے ہیں۔ اور ایک قدم بھی آداب شریعت اور آداب طریقت سے باہر کسی کو  
 دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ اور اپنے اور اپنے ارادت مندوں کے اوقات مشاغل طریقت اور

۱۔ نسبت وہی ہے جس کوئی سے تشبیہ کی اور نسبت وہی ہے جس کو ہزار پارے کے بجائے تشبیہ کی گئی۔ خواص راہ اور بلند مرتبہ حضرت اعلیٰ علیہ السلام کی نسبت کی قوت اور نسبت قدر ہوتا ہے۔  
 ۲۔ مقام صل وہ کیفیت جو مالک کو تجلیات میں گم کرنے اور اپنی ناپائیداری اور کوئی کا خیال نہ رہے۔  
 ۳۔ مقام شہور وہ مقام ہے جہاں حضوری کامل ہے اور احساسِ دُنی بھی موجود ہے۔  
 ۴۔ جب حضوری کا احساس بڑھ جائے تو جسم و جان پابن ہو جاتے ہیں اور حرکت و سکون میں آداب اور رضا کا خیال بیٹھ کر ایک اندرونی بیرونی ضابطہ قائم ہو جاتا ہے اور اس ضابطہ سے سلسلہ متوقف قائم ہو کر رشد و ہدایت پاتا ہے۔ متوسلین آداب شریعت و طریقت کے پابند ہوتے ہیں۔

آدابِ شریعت سے معمور رکھتے ہیں۔

۲۱۲ ب۔ ہمارے حضرت قبلہ میاں صاحبؒ اسی مقامِ شہزاد کے شہسوار تھے۔ گو تمام وصل کی بولمونی بھی آپ کے اندر و جزن ہمیشہ رہا کرتی تھی۔ اور اسی اندر ونی کیفیت کی وجہ سے عک گفتہ اور گفتہ اللہ بود۔ کا نمونہ ہمیشہ قائم رہنا تھا۔ تاہم ضبط و انضباط کا درجہ وہ کچھ تھا جو اپنے وقت کے کسی ولی کو نصیب نہ ہوا۔ اور جس نے ایسا بار بھی شرف نیاز حاصل کیا۔ وہ اس حقیقت سے نا آشنا نہیں اور نہ دیکھنے والے کسی طرح کا اندازہ صحیح نہیں کر سکتے۔ ع

ہمارے حضرت قبلہ میاں صاحبؒ کا ضبط

شہیدہ کے بودماند ویدہ

۲۱۳ الف۔ گو قبولیتِ عامہ کو کوئی تعلق رشد و ارشاد ہوتی ہے جس کے اندر نیاز و بے نیازی ہو

سے ظاہر و باطناً نہیں۔ تاہم محبوبانِ الہی کا ایک بلند درجہ پر ضرور ہے۔ گو فضلِ ربی کے سوا کوئی فطرتی مادہ اس کے لئے دکھایا نہیں جاسکتا۔ تاہم اس پر ان حضرات کو کامیابی ہے جن کو بارگاہِ الہیہ سے نیاز و بے نیازی کا فطرۃً خاصہ نصیب ہوا۔ ہے۔ محبتِ الہیہ تام بے نیازی پیدا کرتی ہے۔ اور محبتِ خلق اللہ نیاز کا وصف دکھاتی ہے۔

۲۱۳ ب۔ یہ بشری خاصہ ہے اور وہ الہی خاصہ۔ جب یہ حضرت میاں صاحبؒ کے اندر صفتِ نیاز اور بے نیازی دونوں خاصے موجود تھے

دونوں خاصے ایک وجود میں قائم ہو جاتے ہیں تو وہ وجود اکسیر بن جاتا ہے۔ ہمارے قبلہ حضرت میاں صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ میں یہ دونوں خاصے موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جو مقبولیتِ عامہ آپ کو زمانہ حاضرہ میں ہوئی وہ کسی اور نصیب نہ ہوئی۔

ع اس کا درجہ اولیٰ کا فرمان ہوتا ہے۔

ع جب ذاتِ بے نیاز سے تعلق مجرب جائے تو لازم ہے کہ سالک کی طبع میں بے نیازی آجائے۔ وہی ہے بہتر

جو محدود ہے وہ بہتری ہے جو ہر ہے گا۔ اور جب مخلوق کی نیاز مندیاں سامنے آئیں تو یہ بے نیاز قبول کرنا آئینہ

صافی کے لئے ضروری ہے۔ جب یہ دونوں صفات یک جا گھوسل بنائیں تو قبولیتِ عامہ اور فیض کا دریا

بہتا ہے۔ !

## منصبِ ولایت

۲۱۴۔ تمام کتاب ولایت اور جزئیات ولایت سے پڑھے اور اس کا ایک ایک حرف ولایت اور اس کی حقیقت دکھانے کے لئے لکھا گیا ہے۔ لیکن یہاں صرف دو امور کو دکھانا ہے۔ اور بس۔ اولاً تو جیسے پہلے گذرا کہ ”ولی را ولی مے شناسد“ (ولی کو ولی ہی جانتا ہے) یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ ولی کے بغیر کوئی بھی ولی کی شناخت نہیں کر سکتا۔ البتہ جو ولی مسندِ قبولیتِ عام پر تشریف فرما ہے۔ اُس کو تو دنیا جان لیتی ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے ولی کی شناخت عوام کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اور اسی ایک لایجل مسئلہ کے لئے آج تصوف، بدنام ہو رہا ہے۔ کسی ایک کے عقیدہ میں جب کوئی آدمی اچھا بیٹھ گیا۔ تو وہی ولی ہو نکلا۔ لیکن جب کبھی اُس کی خامیاں ظاہر ہوئیں۔ بغیر معتقدین تصوف اور مخالفین نے آواز سے کسے۔ اور آج سب سے بڑا نقص یہی ہے کہ اصل اور نقل میں تمیز نہیں رہی۔ اگر قرون سابقہ کی طرح عوام بے تمیزی اختیار نہ کرتے اور خواص دعویٰ ولایت نہ کرتے تو پہلے کی طرح فقر کا دامن آج بھی پاک و صاف نظر آتا۔ اور کسی کی مجال نہ ہوتی کہ اس دور آزادی، دہریت اور فلسفیت میں ایک حرف بھی فقر کے برخلاف کہتا۔ کیونکہ یہ دور سادہ فطرت نہیں رکھتا۔ بلکہ فطرتیں نہایت تحقیق پسند واقع ہو گئیں۔ گو عمل میں انحطاط کمال ہے۔ لیکن عقلی قوی میں کمی نہیں اور نہ علمی سامان میں کمی۔

صاحبِ ارشاد کس وقت ۲۱۵۔ دوسرا امر جس کے واضح کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے۔ کہ کوئی مجاز یا صاحبِ ارشاد کس وقت اپنے آپ کو مرتبہ ولایت کا اہل یا

علیٰ ولی اللہ جزائی اللہ کے بعد انسانیت کا سب سے بلند درجہ ہے۔ لیکن اس دورِ آخر میں بعض صالحین نے درجہ کی کمی کے باوجود صدیقین کی مسند پر قدم جاتے اور پھر جب اس آخری درجے میں رہنے والے بلند دعویٰ داروں کی خامیاں نظر آئیں تو عوام نے نہ صرف ان کو بدنام کیا بلکہ ان کے دعویٰ ولایت کی وجہ سے خود ولایت بدنام ہو گئی اور دعویٰ دار اس بدنامی کا سبب بنے۔

(بقیہ صفحہ ۲۶۹ پر)



منتصب ولایت کا مالک سمجھ سکتا ہے۔ سو جیسے ہر امر کے لئے دو شہادتوں کی ضرورت ہے اسی طرح یہاں بھی دو گواہ عادل کی ضرورت ہے۔ اول تو اس کی اپنی ذات کہ بار بار اپنی فطرت سلیمہ اپنے الفاظ اور الہامات متواترہ، اپنی ولایت کی شہادت دیں۔ اور ساتھ ہی لوازمات ولایت اس کی شہادت کو تقویت دیں۔ مثلاً تاثر و تاثر کشف و کرامت۔ اجابت و قبولیت۔ اور نصرت و نصرت۔ اور دوسری شہادت عامہ خلاق ہے کہ ادنیٰ و اعلیٰ۔ جاہل و عالم اور عوام و خواص اس کی ولایت کے مقرر ہو جائیں مشہور ہے **ع** زبانِ خلق کو نقارہ خدا سمجھو

۲۱۶۔ اصل یہ ہے کہ ولایت ظل نبوت و رسالت ہے۔ اور ظل کو اصل سے وہی تعلق ہے جو صفات کو اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ یعنی لوازمات اور خواص دونوں کے ایک جیسے ہوتے ہیں۔ گو ذات سے کیفاً و کماً کم ہوں۔ نبوت کے لئے سب سے پہلے نبی سے اپنی شہادت آپ دلوالی جاتی ہے۔ اس کے بعد اپنی شہادت پر لوازمات شہادت کو پیش کر کے دنیا کو اپنی نبوت کی دعوت دیتا ہے۔ تاہم دوسرے لوگ اس کی شہادت کو اپنا دین و ایمان بنا بیٹھتے ہیں۔ اور یہی ہے کہ رخاۃ نبوت۔ اور اسی میں اصلاح عالم کا راز مضمون ہے۔

۲۱۷۔ کلام پاک کے مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو کتنی بار اپنی شہادت کی صداقت پر توجہ دلائی گئی۔ بار بار ارشاد ہوتا ہے۔ **الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكْفُرْ مِنَ الْمُبْتَدِلِينَ** (حق تیرے پروردگار کی طرف سے ہے۔ تو شک کرنے والوں سے نہ ہو جانا) صرف یہ ایک آیت ہی نہیں بلکہ اس مضمون کی بیسیوں آیات کلام پاک میں ملتی ہیں۔ اور وحی الہی ہر وقت اپنی شہادت صادقہ سے نبی کو اپنی شہادت پر راسخ کرتی رہتی ہے۔ تاہم وہ خلاق اللہ سے اپنی شہادت کا اقرار لیتا ہے اور اس کے ذریعے توحید الہی کا جذبہ پیدا کر کے اس کی توحید کی شہادت دلاتا ہے جو عین مقصود ہے، **أَفَرَأَيْتَ مَا نُنشِئُ عَالَمًا** فرماتے ہیں۔ **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ \***

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۸) ۱۔ اس دور میں بھی محققین کی نظریں ولایت کے خدو خال کو پہچان سکتی ہیں۔

۲۔ **فَسَدَانِ عَدَاوَتِي هِيَ**، انا اللہ منصور رسولنا والذین آمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا۔

ترجمہ: ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی اس دنیا میں مدد کرتے ہیں۔

۳۔ **حَیْفًا** : کیفیت میں { ۱۔ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔  
**حَمًا** : مقدار میں }

۲۱۸ - رہے لوازماتِ نبوتِ سوا گریہ لوازمات نہ ہوں۔ تو آدمی دنیا کبھی بھی نبی کی نبوت کو تسلیم نہ کرے۔ اور جب تک نبی کے اندر کوئی ایسا وصف نہ دیکھ لے جو کہ بشری اوصاف سے بالاتر ہو۔ دنیا کبھی اُس کے مُقرب الیہ ہونے کا اعتراف نہ کرے معجزاتِ نبوت کی ضرورت کا یہی فلسفہ ہے۔ بھلا اپنے جیسے آدمی کے سامنے کون تسلیم خم کر سکتا ہے اور کون اسے مقرب بارگاہِ الہی کہہ سکتا ہے۔ لیکن موجودہ دور کے علمی صوفی اس حقیقتِ ضروری سے منکر ہیں۔ اور معجزات کی طرح مصدقاتِ شہادتِ ولایت کو ضروری نہیں گردانتے۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ جب وہ خود دعویٰ کرتے ہیں کہ ولایت تکمیلِ نبوت کا ہی سامان پیدا کرتی ہے اور ہر دور کے لئے چونکہ الگ نبی اور رسول نہیں ہوتا۔ اس لئے ہر دور اور ہر زمانہ میں بلکہ ہر ایک حلقہٴ بشریت میں ایک ولیؑ ہونا ضروری ہے تاکہ رسول کی رسالت کو موجودہ زمانے میں درجہ تکمیل تک پہنچا لیں یہ نہیں سوچتے کہ مصدقاتِ شہادت یا لوازماتِ ولایت کے سوا یہ تکمیل کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔

۲۱۹ - کوئی پیغمبر اور نبی ایسا نہیں گذرا جس کو اللہ تعالیٰ نے وقت کے مطابق اس کی ذاتی شہادت کے لئے مصدقاتِ شہادت عنایت نہیں فرمائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یدِ بصریہ اور عصائے ثعبان دے کر ان کی شہادت کے مصدقات ان کو عنایت فرمائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی شہادتِ نبوت کے لئے موتی کو زندہ کیا اور اندھوں کو بینا۔ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے شق القمر سے اپنی شہادت کی تصدیق دلائی۔ غرض کیا کیا گنا جائے۔ موتہٴ کچھ لکھ دیا گیا۔ لیکن نبوت کے ظلِّ یعنی ولایت کے لئے اگر مصدقاتِ شہادت دعویٰ نہ ہوں تو کیونکر دعویٰ ولایت کو سچا گردان سکتے ہیں۔

۲۲۰ - ہاں یہ ضروری نہیں کہ سب ایک جیسے کرامات۔ تصرفات اور کشف لے کر آجائیں۔

۱۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علماء امتی کا نبیاً بھی اسرائیل (یہاں ایک علماء یعنی اولیاء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں)۔ ہم نے اس حدیث سے یہ مفہوم سمجھا ہے کہ جو لوگ اپنے حال و حالِ ذرکال میں انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں وہی میری امت میں علماء ہیں۔  
 ۲۔ سفید لٹ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کہ ہاتھ نعل میں دیا۔ نکالنا تو اس کی شعاعیں آفتاب کی شعاعیں معلوم ہوئیں۔  
 ۳۔ عصائے ثعبان۔ موسیٰ کا سانپ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔  
 ۴۔ موتی: نبوت کی جمع۔ مرے ہوئے۔ پانڈ کو ٹکڑے کرنا۔

بلکہ اتنا کافی ہے کہ کسی طرح ان کی شہادت قلبی کی تصدیق ان کو ہو جائے اور دوسری دنیا بھی ان کے مصدقات و لایت (یا لوازمات) دیکھ کر خود بخود ان کی ولایت کی مقرر ہو جائے۔ کیا خوب کہا گیا۔ رُڈے و آوازِ پیمبرِ معجزہ است۔ اسی طرح ولی کا چہرہ بُشرہ اور آواز بھی کرامت ہوتی ہے لیکن خواص کے لئے۔ عوام کو اور عامۃ الناس کے لئے کسی کھلی کرامت کی ضرورت ہے۔

۱۲۱۔ کہا جاتا ہے کہ اتباع رسالت و نبوت اتباع شریعت بے شک نشانِ ولایت ہے لیکن اتباع کامل کے مصدقات یا لوازمات بھی ضروری ہیں۔ خود نشانِ ولایت ہے۔ بیشک ایسا ہی ہے۔ لیکن اتباع کامل حقیقی کے مصدقات بھی تو ضروری ہیں کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اتباع ظاہراً و باطناً کامل اور حقیقی ہے۔ خود سوچئے کہ جب جوہر اتباع کامل پیدا ہو جائے۔ تو آثار کے اندر کیونکر منبوع کے اوصاف پیدا نہ ہو جائیں۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ تمام مصدقات یکدم پیدا ہو جائیں۔ یا سب کے سب مصدقات ایک صاحبِ ولایت کے اندر موجود ہوں بلکہ جتنا اتباع کامل ظاہراً و باطناً پیدا ہوگا۔ اتنے ہی لوازماتِ اتباع بھی پیدا ہوں گے۔

۲۲۲۔ ظاہری اتباع کو مشکل ہے لیکن باطنی اتباع سوائے جذباتِ کاملہ کے نصیب نہیں ہوتا۔ اور جذبات کو کسبت سے تعلق نہیں بلکہ یہ وہی عنایتِ فطریہ ہے۔ ایسی حالت میں اتباع کامل اور حقیقی کا دعویٰ کرنا نہایت اہم امر ہے اور ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

۲۲۳۔ ہاں اپنی اپنی فطرت ہے اور فطرت بلند کا اتباع بھی بلند ہے اور اتباع بلند کے لوازمات و کیفیات بھی بلند۔ اور سبتِ فطرت کا اتباع بھی سبت اور لوازمات و مصدقات بھی سبت ہے۔

۲۲۴۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ والمعفران سے کسی نے عرض کیا۔ کہ حضرت! اب لوگوں میں کرامات کم ہیں۔ فرمایا۔ یہ تھوڑی کرامت ہے کہ مردہ دلوں کو زندہ کر دکھاتے ہیں۔ واقعی دوسری کرامات اور عجوبات سے یہ زندہ کرنا بہت مشکل ہے۔ تاہم یہ زندگی تاثیر و تاثر کا نتیجہ ہی ہے

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک خود ایک معجزہ ہے۔

۲۔ جذباتِ فطرت میں ولایت ہونے میں حسن کی طرح، کہ یہ کسی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ جذباتِ کاملہ کا کمال یہ خاص بخششِ الہی ہے۔

۳۔ آپ پر رحمت اور مغفرتِ الہی ہو۔

۴۔ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر القابِ الحقیقت دیکھ لیں اور اسلام اور روحانیت سے برگشتہ قلوب ادھر آئی ہو جائیں۔

جسے ہم مصدقات و لایت کے اندر شمار کرتے ہیں۔ اسی طرح نصرت الہیہ (تائید از دی) یہ بھی بذات خود کرامت ہے۔ ہاں عوام کے نزدیک کرامت صرف وہی ہے۔ جو مادی چیز سے تعلق رکھتی ہو۔ مثلاً قلعی کا چاندی بنانا۔ ہوا پر اڑنا یا پانی پر چلنا۔

۲۲۵۔ حضرت قبلہ مرشد رحمۃ اللہ علیہ کو جس نے دیکھا وہ اندازہ کر سکتا ہے۔ کہ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کس قدر متبع سنت تھے اور کس قدر اتباع سنت کے عاشق۔ کہ ایک حرکت بھی اتباع سنت کے سوا اپنی تو کجا کسی دوسرے مسلمان کی دیکھنا بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ اپنے منوستانوں سے ہی نہیں۔ بلکہ عامۃ المسلمین کو اسی رسولی رنگ میں دیکھنا اپنا دین و ایمان جاننے تھے۔ لیکن جہاں یہ اتباع حقیقی تھی۔ وہاں مصدقات اتباع بھی کامل ششگانہ یا پنجگانہ موجود تھے۔ تاثر و تاثر کا یہ حال تھا کہ تمام حاضرین متاثر نظر آتے تھے۔ اور ہر ایک کا چہرہ و بشرہ کیفیت تاثر سے پر نظر آتا تھا۔ اور آج بھی آپ کے دیکھنے والے اس صفت میں متاثر نظر آتے ہیں جیسے اوراق کتاب ہذا میں بیان ہو چکا کشف و کرامت کا یہ اندازہ کہ ہر آنے جانے والا مقرر ہے اور ہر ایک کو بالذات و بالاصالت اس کی تصدیق ہو گئی۔ تصرف و نصرت کا یہ حال تھا کہ مشرق سے مغرب تک آپ کے فیوضات کی دھوم مچ گئی۔ اور ملک کے اطراف میں اتباع سنت کے عاشق پیدا ہو گئے۔ یہ تھی اتباع کامل جس کے لوازمات بھی کامل پیدا ہو گئے تھے۔ اور جس کی حقیقت کے نشانات ہر کہ و مہ۔ ادنیٰ و اعلیٰ۔ جاہل و فاضل نے اپنی آنکھوں دیکھ لئے

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَّشَاءُ ۗ وَاللَّهُ يُخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۙ

حضرت قبلہ بیان صاحب اتباع سنت میں جو مکمل کامل تھے ان کے لوازمات اتباع و مصدقات و لایت بھی آپ کے کامل تھے

۲۲۶۔ افعال و حرکات جذبات کے تابع ہیں۔ اور جب کوئی فعل یا حرکت جذبہ قوی یا ضعیف سے پر نہیں ہوتی تو وہ فعل یا حرکت بے جان رہ جاتی ہے۔ اور اس کے اندر جذباتی اثر نہیں ہوتا بلکہ ایک

افعال جذبات کے سوا کچھ اثر نہیں رکھتے اور کہ تکمیل فقر جذبات قوی کے سوا ناممکن ہے

۱۔ مصدقات ششگانہ : تاثر۔ تاثر۔ کشف۔ کرامت۔ نصرت۔ تصرف۔

۲۔ بالاصالت : بلا واسطہ۔ ذاتی طور پر

۳۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے جس کو چاہے عافیت فرمائے اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مخصوص فرمائے جس کو چاہے وہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

۴۔ جذبہ کوئی ہو، غم ہو خوشی ہو، محبت ہو نفرت ہو جب تک کامل نہ ہو گا تاثر سے محروم۔ اتباع رسالت کا جذبہ محبت سے ابھرنا ہے۔ جب محبت نہ ہو اتباع کیسے اور اتباع نہ ہو تو صرف باتوں سے تاثرات کہاں سے آئیں گی۔

طرح کی بے رونقی یا بے تاثیر اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور دیکھنے والے پر اس فعل و حرکت کا کوئی نیک یا بد اثر نہیں مٹھتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج باوجودیکہ لاکھوں علمائے ظاہر و فقہائے ظاہر موجود ہیں اور ہر ایک دعویٰ اتباع میں اپنا سارا زور لگا رہا ہے۔ اور اپنے افعال و حرکت کو شاہراہ سنت کے مطابق دکھا رہا ہے۔ اس پر اپنی شیریں کلامی سے اتباع سنت کی دعوت عامہ (وعظ) پر اپنا تمام زور خرچ کرتا ہے لیکن نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ کسی ایک کو بھی اثر نہیں ہوتا کوئی ایک اپنے آپ کو ان کے حوالے اتباع کے لئے نہیں کرتا۔ بسا اوقات ان کا وغیر اوصاف خوشی طبع اور نکاتِ علیہ کے لئے سنا جاتا ہے۔ اور ان کے حرکات اور افعال پر ہی اڑائی جاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے، اس لئے کہ اس اتباع میں صحیح جذبہ قوی موجود نہیں۔ اور یہ اتباع اندر سے کھوکھلی ہے۔ صحیح اتباع تمام نقصانات کی تلافی کی ذمہ دار ہے۔ بلکہ نقصان تو کجا صحیح معنوں میں تمام اوصاف کی یکدم پیدا کرنے والی ہے۔ غرض فقر کی تکمیل جذباتِ قویہ (محبت الہیہ) کے سوا ناممکن ہے۔

۲۲۴۔ آخری بات اس باب میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ نبوت کو اصالتہً مقام شہود سے تعلق ہے۔ اور ولایت کا تعلق اصالتہً مقام وصل سے ہے۔ وصل میں ترک دعویٰ ہے۔ اور شہود میں دعویٰ لازم، کیونکہ شہود میں دوئی ہے اور وصل میں یگانگت۔ دعوتِ نبوت کا منکر کا فر ہے۔ ولایت کا مدعی خود جھوٹا ہے۔ یہ الہامی درجہ رکھتا ہے جس کی شہادت اپنے لئے کافی ہے مگر غیر کے لئے کافی نہیں۔ اور نبوت وحی کی صداقت سے معمور ہوتی ہے اس لئے غیر کے لئے اس کی شہادت ضروری ہے۔ اور نہ ماننے والا کافر ہے۔

صاحب شہود کبھی نبلی وصل میں آ جاتا ہے | ۲۲۸۔ مقام وصل پر جو ولی رہ جائے۔ وہ مجذوب ہوتا ہے جو اس سے زرقی کر کے مقام شہود پر پہنچے۔ وہ سالک بعض وقت مجذوب تحلی شہودی میں آ جاتے ہیں۔ تو استغفار پڑھنے لگتے ہیں۔ اور بعض وقت

۱۔ یعنی نبی اللہ تعالیٰ کی حاضری میں ہوتا ہے اور اپنی ذات کے الگ ہونے کا تصور موجود ہوتا ہے۔

لیکن ولی اللہ وصل کے مقام میں ہوتا ہے اور وصل میں یگانگت غالب ہوتی ہے اور دوئی

کا خیال و تصور اٹھ جاتا ہے۔

سالک مقام وصل کی تجلی میں گرفتار ہو جاتا ہے تو سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی اور اَنَا الْحَقُّ  
کے دعوے کرنے لگتا ہے۔ لیکن جب واپس اپنے مقام میں آتا ہے تو بار بار کہتا ہے۔ سُبْحَانَ  
رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ط

۲۲۹۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مقام شہود وہ مقام نہیں جو سالک کو سلوک کے اندر پیش آیا تھا۔  
وہ مقام وصل سے پہلے تھا اور یہ مقام وصل کے بعد۔ وہ مقام ولایت کی ابتدا تھی۔ اور یہ  
مقام نبوت کی ابتدا۔ کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ ہم بھی مقام شہود پر ہیں کیونکہ ہم میں بھی دوئی ہے۔  
یہ دوئی نہیں بلکہ صرف خودی ہے۔ خودی خود خودی ہے۔ اس کے اندر دوئی کا کیا واسطہ۔  
خودی اٹھے گی تو وحدت پیدا ہوگی۔ لیکن جب وحدت اور خودی اکٹھی ہوگی۔ تو دوئی پیدا  
ہوگی۔ یہ دوئی مقام نبوت کی ابتدا ہے۔ نبی باوجودیکہ تجلی وصل میں آجائے۔ لیکن پھر بھی اپنے  
مقام شہود سے باہر نہیں نکلتا۔ جب نبی کریم معراج پر تشریف لے گئے اور عرش معلیٰ پر مقام وصل  
کی آخری سرحد پر تشریف فرما ہوئے تو دیکھئے وہاں بھی مقام شہود سے ایک قدم باہر نہ اٹھایا۔  
اور عبودیت و معبودیت کو قَابِ قَوْسَیْنِ اَدَا دُنِیٰ تک پہنچ گئیں۔ لیکن ایک حرف بھی  
تجلی وصل کا اپنے منہ سے نہ نکلا۔ یہ تھا کمال جو صرف آپ کی ذات کو ازل سے عنایت ہوا  
کہ باوجود اتنے تقرب کے اپنی عبودیت کے معترف رہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ زیادہ اس باب  
میں کچھ دیکھنا ہو تو میرا مضمون ”حال و قال“ ”غزنیہ معرفت“ کے مقدمہ میں دیکھ لینا چاہئے

۱۔ میں پاک ہوں اور میری شان کتنی بلند ہے۔ - ۲۔ میں حق ہوں۔ -

۳۔ پاک ہے میرا رب جو اعلیٰ ہے۔ -

۴۔ پاک ہے میرا رب جو عظمت والا ہے

۵۔ وصل میں دوئی نہیں لیکن یہ مقام ولایت ہے۔ نبی تجلی وصل میں بھی اپنے مقام شہود سے نہیں نکلتا۔

۶۔ پس (دونوں میں) دو کمان کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔

# سجادہ نشین

۲۳۰۔ عرف عام میں سجادہ نشین صاحب ولایت کے جانشین کو کہتے ہیں بعض وقت اس درجہ پر صاحبِ خلافت اور صاحبِ ارشاد بلکہ تمام یارانِ طرفیت کے مترتاج کو اس منصب پر خود صاحبِ ولایت اپنی جانشینی کے لئے تجویز کرتا ہے اور بعض وقت اپنے خلفا میں سے کسی ایک کو کسی خاص مصلحت کی وجہ سے سرفرازی بخشی جاتی ہے۔ گو نسبت میں برابر ہوں یا درجہ میں کم ہی کیوں نہ ہو لیکن بعض وقت ایسے آدمی کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ گو باطنی رشتہ تو کامل نہیں لیکن ظاہری رشتہ میں اتنی محبت ہوتی ہے کہ باطنی رشتہ پر غالب آجاتی ہے اور شیخ اپنے کامل تصرف سے اس پر اپنی نسبت القایہ اس درجہ ڈالتا ہے کہ یکدم اس کے حالات بدل جاتے ہیں اور کچھ دنوں کے بعد وہ ہو ہوا اپنے شیخ کی تصویر ہو بیٹھتا ہے۔ حضرت قبلہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اسی درجہ کے سجادہ نشین تھے چنانچہ خلفا کے اصرار پر جب حضرت قبلہ عالم محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آپ پیش کئے گئے تو آپ نے گلے لگا کر فرمایا تَفَخْتُ مِنْ رُوحِي فِيكَ ایک طرف آپ نے انتقال فرمایا۔ دوسری طرف حضرت صاحبزادہ صاحب نے عیش و عشرت چھوڑ کر یکدم نباس فقر کو زینت دی۔ یہاں تک کہ دنیا آپ سے فیضیاب ہوئی۔ ایک طرف وہ صاحبزادہ صاحب تھے اور دوسری طرف شیخ کامل۔

۲۳۱۔ بعض وقت تو یکدم حالت نہیں بدلتی۔ لیکن نسبت تدریجاً اپنا اثر ظاہر کرتی ہے میرے قبلہ میاں غلام اللہ صاحب مدظلہ العالی اسی طرح کے سجادہ نشین حضرت قبلہ عالم میاں صاحب رحمۃ اللہ کے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ مرض الموت میں جب آں قبلہ اربابِ عشق و ذوق کے آخری ایام وصال آگئے۔ تو آپ نے میاں صاحب کو بلا کر فرمایا کہ جمعہ پڑھا۔ مسجد کا انتظام رکھنا اور کوئی آجائے تو اس کا اہتمام لازم رکھنا۔ غرض اس قسم کے الفاظ فرمائے جس سے خانقاہ معتلے

سجادہ نشینوں کے تمام

حضرت میاں غلام اللہ صاحب کی سجادہ نشینی اور حضرت قبلہ میاں صاحب کی نسبت کا تصور

علا نسبت القایہ : وہ نسبت جو ولی اللہ کسی خاص وقت میں اپنے خاص تقدیر سے کسی خوش قسمت اور سادہ دماغی دل میں ڈال دے اس نسبت سے فوری تبدیلی عمل میں آتی ہے۔ اگر نسبت کامل کرنے والا صاحبِ استعداد کامل ہو تو ولایت کامل اسی آپس لفظ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ذائق فضل اللہ، یومیہ من یشاء۔ علامہ حضرت غریب نواز خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے پوتے تھے۔ ابتدا میں شاہزادہ کی تھی حضرت نے وصال کے وقت نسبت القایہ سے نوازا اور ولی کامل بنا دیا اور اس گدی کو حضرت نے وہ رونق دی جو خود خواجہ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے وقت تھی۔ عیش میں نے ہی رُوح تجھ میں چھوٹا دی۔ علامہ حضرت میاں غلام اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت اعلیٰ غوث لوری میاں صاحب شرفیوری کے چھوٹے بھائی اور حضور کے سجادہ نشین تھے۔

کی تولیت مقصود تھی۔ گو بعض اجباب اس وقت حیران تھے لیکن جیسے مشہور ہے **فِعْلٌ مِّنَ الْحَكِيمِ لَا يَخْلُو مَعَهُ الْحِكْمَةُ**۔ عارف کا کوئی لفظ ضائع نہیں جاتا۔ جب ایک طرف آپ نے انتقال فرمایا۔ اور دوسری طرف میاں صاحب نے خانقاہ معتمدی کا انتظام ہاتھ میں لیا۔ تو یہ خیال کسی کے دل میں بھی نہیں سماتا تھا کہ آپ اس بھاری ذمہ داری کے اہل ہیں یا کسی وقت اسے بھی سنبھال لیں گے۔ لیکن آج جا کر کوئی دیکھے کہ کس طرح آپ نے اپنی ذمہ داری اٹھائی اور کس طرح نسبت کا ظہور ہو رہا ہے۔ آپ کے تمام حالات، تمام اخلاق، تمام عادات اگر بالکل بدل نہیں گئے تو بہت کچھ بدل چکے ہیں اور بارگاہ الہیہ سے قوی امید ہے کہ آپ اپنے شیخِ کامل رحمۃ اللہ علیہ کے کامل ظل ثابت ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ❖

۲۳۲۔ بعض اربابِ علم کو شاید یہ خیال پیدا ہو کہ صاحبِ ولایت پر کیونکر رشتہ باطنی پر رشتہ ظاہری غالب آسکتا ہے لیکن جن لوگوں کو فطرت انسانی کے مطالعہ کا موقع ملا ہے وہ جانتے ہیں کہ انسان کو رشتہ ظاہری کے ساتھ کس درجہ محبت دی گئی ہے بلکہ تمام کارخانہ دنیا کا نظام اسی پر منحصر ہے۔ تمام مصائب و تکالیف اسی کے لئے اٹھاتے ہیں اور تمام سرور اور خوشی اسی کے اندر مضمخ خیال کی جاتی ہے۔ سنت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ سلسلہ ابراہیمی کو بلا خطر کیجئے۔ یہ اسی رشتہ ظاہری کا ایک عکس ہے۔ بھلا جس نے عہد نبوت میں حسنینؑ کو جھولتے دیکھا یا سنا۔ کیا وہ فطرتی میلان سے انکار کر سکتا ہے؟ آخر اربابِ ولایت دربار رسالت سے زیادہ تو قدم نہیں رکھتے بلکہ کئی قدم پیچھے چلنا بھی ان کو نصیب ہو جائے تو یہ بھی فخر ہے۔

سجادہ نشین کے تصرفات و حقیقت صاحبِ ولایت کے تصرفات ہوتے ہیں | ۲۳۳۔ بسا اوقات صاحبِ ولایت خود تو کسی کے حق میں اشارہ و کنایہ کچھ فیصلہ نہیں دیتا لیکن یا ان طریقہ کسی ایک کو اپنی جماعت کے لئے چن لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات بلا انتخاب کوئی تمام پر

۱۔ حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

۲۔ حسنینؑ، حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کا مخفف ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیرونوں نواسے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں پر سوار ہو جاتے تھے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔



غالب آکر تولیتِ خانقاہ اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ ایسے وقت میں نسبت خاصہ ولایت بہت کم نمایاں ہوتی ہے تاہم صاحبِ ولایت سے تطبیقہ کی طرف ایسے ایسے تصرفات ظاہر ہوتے ہیں کہ خانقاہ کے متوسلین اپنے سجادہ نشین کو عقیدت کی نگاہ سے دیکھنے لگتے ہیں۔ حالانکہ سجادہ نشین کی ذات کو ایسے تصرفات میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

۲۳۴۔ عموماً ایسے تصرفات خواب یعنی رویا کے واسطے سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً خواب۔ خبر یا سجادہ نشین کے ذریعے کسی آئندہ امر کے وقوع کی خبر یا کسی مقدمہ کی فتح یا بیماری کی آمد کی خبر یا سجادہ نشین کے خواب میں آنے سے صحت یا سجادہ نشین کے آنے سے پہلے خود شیخ کا گھر میں خواب میں آنا وغیرہ وغیرہ یہ ایسے امور ہیں جن کا تعلق سجادہ نشین کی ذات کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ شیخ کامل کے تصرفات ہوتے ہیں۔ حقیقی تصرفات صرف متوسلین تک محدود نہیں رہتے بلکہ متوسلین سے بڑھ کر غیروں کے لئے تصرفات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔

۲۳۵۔ خواہ کسی درجہ کا بھی سجادہ نشین ہو۔ صاحبِ ولایت کی روح پاک کو اس سے خاص تعلق ہوتا ہے اور جن کو ذوقِ سلیم عنایت ہوا اور جن پر کشفی حالات کی عنایت ہے ان سے یہ امر پوشیدہ نہیں۔ ہمارے قبلہ مرشد م حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حضرت ایشانؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے اور مراقب ہو بیٹھے۔ تو فرمایا گیا۔ پہلے سجادہ نشین کے پاس جاؤ۔ پھر یہاں آؤ۔ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب سجادہ نشین سے مل کر پھر آئے تو فیوضات کی وہ بارش ہوئی کہ بیان نہیں کی جاسکتی۔

۲۳۶۔ شاید بعض حضرات میری تحریر کو پیر پرستی پر محمول ہوتے ہیں اور صاحبِ ولایت کے باطن پر کریں۔ لیکن یہ حقیقت پرستی ہے۔ بلکہ جو بات متواترات تک پہنچ جائے اور جس کا مشاہدہ انسان خود بھی کر بیٹھے۔ اس سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے۔ شاید تین چار بار موجودہ سجادہ نشین صاحب سلمہ اللہ حضرت قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ یعنی سالکین و متوسلین خانقاہ کو باطنی فائدہ سجادہ نشین سے نہ بھی ہو۔ تاہم متوسلین

صاحبِ سجادہ کی عزت کرتے ہیں۔ اور یہ صاحبِ ولایت کا تصرف ہوتا ہے۔

۲۔ حضرت ایشانؒ۔ اپنے وقت کے کامل ولی اللہ ہوتے ہیں۔ روضہ مبارک باغبانپورہ کے مغرب میں ہے۔ اور آپ کا مزار مبارک پرتا تیر اور مرجعِ خلائق ہے۔

بیرجل تشریف لائے۔ گزشتہ سال پہلی تشریف آوریوں کے برخلاف میں نے ہر طرح کے آدابِ مُرشدانہ کی نگہداشت رکھی۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ میرے مُرشد ہیں بلکہ حضرت قبلہ رح کے بھائی اور ان کے سجادہ نشین ہیں۔ لیکن اُن کی خوشنودی مزاج سے ظاہری فوائد مثلاً صحت۔ فتوح وغیرہ میں تو بہت کچھ ترقی ہو گئی اور باطنی کیفیت میں کسی قدر اضافہ طمانیت قلبی ہو گیا۔ تاہم میں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اگر حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری ہوتی تو ظاہری فوائد تو ہوتے یا نہ ہوتے۔ لیکن باطنی کیفیت کئی ہزار درجہ ترقی کر جاتی۔ بے شک سجادہ نشین کا تصرف ظاہری ہوتا ہے اور شیخ کا تصرف باطن پر زیادہ۔

تہت بالخیر

محمد عمر عفو عنہ

۱۔ سجادہ نشین صاحب ولایت کے فیض یافتگان کا مرشد تو نہیں ہوتا۔

لیکن چونکہ خالقانہ سے ظاہری نسبت سب سے بلند رکھتا ہے۔ اس لئے

اس کے تمام آدابِ مرشدانہ کئے جاتے ہیں۔

## بارگاہِ ربوبیت میں

دمیدم تیرا تصور ہی رہے اور جستجو  
 کہ محبت ذاتِ اقدس کی مجھے یارب عطا  
 نیک و بد اختیار کی اٹھ جائے بھی مجھ سے تیز  
 یا الہی میں تیری حمد و ثنا کرتا رہوں  
 آنکھ میری بند ہو اور قلب ہو میرا کھلا  
 موت سے پہلے ہی مرنا مجھ کو ہو جائے نصیب  
 خوف تیرے سے ہمیشہ چشم میری تر رہے  
 ساتھ ہی دعائے محبت کا لے سے باغِ زندان  
 مطلعِ انوارِ سینہ میرا ہو جائے تمام  
 قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کی ہو جھانک پر تو نگن  
 وصل تیرا ہو میرے تھے کیفیت و بے قیاس  
 سنتِ خیر الوری کی بھی ملے مجھ کو لو  
 آنکھ میری دیکھ لے پھر نور اس محبوب کے  
 یہ حقیقت دیکھ کر پھر ہو حقیقت کل عیاں

ذکر تیرے سے رہے معمور میری گفتگو  
 تاکہ میں سب بھول جاؤں جو کہ ہے تیرے سوا  
 اور تیرے ماسوا ہرگز نہ ہو مجھ کو غسبِ زہ  
 شکر تیری نعمتوں کا میں ادا کرتا رہوں  
 پھر تجلیِ طور کی قائم رہے اس پر صدا  
 تا فنائے قلب سے لذت اٹھاؤں اک عجیب  
 جسم پر لڑہ رہے دردِ دل میں تیرا ڈر رہے  
 بے نیازی تیری کا کھٹکا لے لے بے نیاز  
 نہیں مٹوں سارے کا سارا اور مٹ جائے یہ نام  
 کچھ نہ ہو کھٹکا کہ میرا کوئی ہے فرزندِ وزن  
 لیک ظاہر میں رہے تیری شریعت کا لباس  
 ہر نفس پر نہیں کہوں یا مسطفیٰ یا مجتبیٰ  
 اور حجاب اٹھ جائے سارا چہرہ مطلوب سے  
 جس کے کہنے سے لڑ جائے زبانِ ناتواں

موت گرا جائے آسانی سے ہو میرا گذر  
 جیسے کوئی پل سے گذرے یا کہ راہِ بے خطر  
 ہاں مسلمان ہو کے جاؤں اس جہاں سے اے خدا  
 بندگانِ خاص میں پھر رکھو مجھ کو سائے شہا

عصمت و عفت تیری کی بھی ملے مجھ کو پروا  
 نفسِ امارہ پہ تابو دے تو اے ستارِ کریم  
 اک گھڑی یا اس سے کم بھی مجھ کو اپنے پر نہ چھوڑ  
 ماں سے بڑھ کر تو ہو اور باپ سے بڑھ کر بھی تو  
 رات دن تیرا تخیل ہمارے مجھ کو عدم  
 تو بھی میرا ہو رہے اور میں بھی تیرا ہو رہوں  
 تیرے کانوں سے سنوں گے نہیں سنوں اے کردگار  
 کیونکہ یہ بدکار اب تو ہے بہت رسوا ہوا  
 تیری رحمت کے سوا چارہ نہیں اب تو رحیم  
 یا آٹھی بھر عصیاں ہیں مری کشتی نہ توڑ  
 بار و مونس میرا تو ہو اور سب کچھ تو ہی تو  
 ایک ساعت بھی نہ ہو تیرے سوا مجھ کو آرام  
 تیری وحدت ذات میں ہو محو میں جیوں مروں  
 تیری ہی آنکھوں سے دیکھوں گے دیکھوں گے کیوں بار بار

کچھ ارادہ ہو نہ میسر اگر ارادہ نہیں کروں!  
 جو ارادہ تو کرے پھر وہ ارادہ نہیں کروں!



قیمت: تیس روپے

طباعت دوئم

آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور













۳۵

۱۹۵

۱۹۵

# انقلاب الحقیقت

مؤلفہ

صاحبزادہ محمد عمر صاحب کان اللہ لہ

سجادہ نشین بیرل شریف